پہلا محاضرۂ علمیہ

بر موضوع

ردِّ شیعیت

پیش کردہ

جناب مولانا محمد جمال صاحب

استاذِ تفسیر دار العلوم دیوبند

فہرست مضامین

مصادر و مراجع

(۱) قرآن مجید

(۲) منہاج السنہ ۔ تقی الدین احمد بن تیمیہ ۷۲۸ھ

(۳) المنتقیٰ ۔ ابو عبداللہ محمد بن عثمان الذہبی ۷۴۸ھ

(۴) فیض الباری ۔ علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رح

بقیہ صـ۲۹ـ پر ملاحظہ ہو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَمَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْھُمْ فِیْ شَیْءٍ (انعام، ع) ترجمہ:۔ بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں راہیں نکالیں اور بہت فرقے ہوگئے تجھ کو ان سے کوئی سروکار نہیں۔

امتِ مرحومہ میں افتراق کی ابتداء اور اہلِ ہوا کے بعض فرقوں کا تعارف

اہلِ تحقیق کا خیال ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ اتفاقی حادثہ نہیں تھا، بلکہ ایک مخفی کید اور منظم سازش کا لازمی اور غیر متخلف نتیجہ تھا۔ اس سازشی گروہ کے عوامل نے جب اپنی تنظیم کو عہد عثمانی کے آخری ایام تک نہایت مستحکم کرلیا، تو حضرت عثمانِ غنی رضؓ اور ان کے عمال کے خلاف ایک باقاعدہ مہم چلائی اور پروپیگنڈہ کی تحریک کو تیز سے تیز تر کردیا۔ بالآخر یہ تحریک بغاوت کی صورت اختیار کرگئی، جس کے نتیجہ میں امیر المؤمنین امت کے متفق علیہ امام حضرت عثمان غنی رضؓ کی مظلومانہ شہادت کا زہرہ گداز اور جانکاہ سانحہ پیش آیا، بے رحم باغیوں نے اس مجسمہ صبر و رضا، اس پیکر حلم و حیا۔ کو شہید کرکے ہمیشہ کے لئے فتنوں کا دروازہ کھولدیا۔

اس تحریک کا بانی اور اولین محرک عبداللہ ابن سبا یہودی تھا، جس نے محض فتنہ پردازی کے لئے منافقانہ طور پر اسلام قبول کیا تھا، امت مسلمہ میں افتراق و اختلاف پیدا کرنا اس کا نصب العین تھا، جن کے دلوں میں کدورت تھی وہ اس کے گرد جمع ہوگئے، بعض مخلص اصحاب بھی ان کے زہریلے پروپیگنڈے کا شکار ہوگئے۔ جس طرح کہ حضرت مسطح رضؓ اور حضرت حسان جیسے جلیل القدر صحابہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ طاہرہ کے خلاف منافقین کے برپا کردہ طوفانِ افک و بہتان کے آتشیں شعلوں کی لپیٹ میں آگئے تھے۔ تاہم مسلمان حضرت عثمان رضؓ کی شہادت تک متفق العقیدہ رہے۔

کتب سیر کی تلاش و جستجو سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد خلافت علی رضؓ میں خانہ جنگیوں کے دوران امت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی، ایک گروہ شیعانِ علی رضؓ کہلاتا تھا اور دوسرا گروہ شیعانِ عثمان رضؓ، پھر رفتہ رفتہ پہلا گروہ شیعہ اور دوسرا گروہ عثمانی کہلانے لگا۔ پھر تفضیل کا مسئلہ پیدا ہوا۔ عثمانی حضرت عثمان رضؓ کو اور شیعہ حضرت علی رضؓ کو افضل کہنے لگے۔

اختلاف کی یہ نوعیت چنداں قابلِ ملامت نہ تھی دونوں فریق باوجود اس اختلاف کے اہلِ سنت والجماعت شمار ہوتے تھے ——— ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں

وکان الناس فی الفتنة صاروا شیعتین شیعة عثمانیة وشیعة علویة ولیس کل من قاتل مع علی رض کان یفضله علی عثمان رض بل کان کثیر منهم یفضل عثمان علیه کما هو قول سائر اهل السنه ۔

لوگ فتنہ میں دو گروہ ہو گئے، ایک شیعہ عثمانیہ اور دوسرا شیعہ علویہ، اور حضرت علی رض کے تمام ساتھی حضرت علی کو حضرت عثمان رض سے افضل نہیں سمجھتے تھے، بلکہ ان میں سے بہت سے ایسے بھی تھے جو حضرت عثمانؓ کو افضل جانتے تھے۔

(منہاج السنہ ص۱۴۲ ج۲)

حضرت علامہ انور شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں

من کان من السلف یفضل عثمان کان عثمانیا ومن یفضل علیا یسمیٰ علویا فجری الناس علی هذا الاصطلاح زمنا ثم ترك ۔ (فیض الباری ص۴۵۹ ج۳)

یعنی سلف میں جو حضرت عثمان کو حضرت علی پر فضیلت دیتا تھا وہ عثمانی کہلاتا تھا۔ اور جو حضرت علی کی افضلیت کا قائل تھا وہ علوی کہلاتا تھا۔

آنحضرتؐ کی پیشین گوئی

امت محمدیہ میں رونما ہونے والے اختلاف و افتراق کی آنحضرتؐ نے پیشین گوئی فرمائی ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے زینب بنت جحش رض سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہوئے تو "لا الٰہ الا اللہ" کے کلمات وردِ زبان تھے، چہرۂ انور پر تغیر کے آثار نمایاں تھے، فرمایا کہ عربوں کے لئے اس شر کی وجہ سے کہ جو قریب آچکا ہے خرابی درپیش ہے اس سے آپ کا اشارہ مسلمانوں میں ہونے والے اختلاف کی طرف تھا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا "یہود اکہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے تھے، میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو گی۔

لفظ شیعہ کے لغوی معنی

شیعہ لغت میں، گروہ، جماعت، حامی، مددگار اور متبع کو کہتے ہیں یہ لفظ واحد تثنیہ و جمع، مذکر و مؤنث کے لئے یکساں استعمال ہوتا ہے (لغات القرآن)

قرآن کریم میں بھی اس لفظ کا استعمال متعدد جگہ ہوا ہے "وان من شیعته لابراهیم" (پ۲۳ رکوع ۷)

ترجمہ:۔ اور بلاشبہ ابراہیمؑ (نوحؑ) کی جماعت سے ہیں؛ فوجد فیہا رجلین یقتتلٰن ھذا من شیعتہٖ وھذا من عدوہ؛ ترجمہ:۔ پھر پائے اس میں دو مرد لڑتے ہوئے یہ ایک اس کے رفیقوں میں سے اور یہ دوسرا اس کے دشمنوں میں سے۔ (سورۂ قصص پ۲۰)؛ ثم لننزعن من کل شیعۃ ایھم اشد علی الرحمٰن عتیا۔ (سورۂ مریم) ترجمہ:۔ رحمٰن کے مقابلہ میں جو شخص زیادہ سرکش ہے ہم اسکو ضرور ہر گروہ سے علیحدہ کریں گے۔

شیعہ کے اصطلاحی معنی

موجودہ عرف واصطلاح میں شیعہ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو حضرت علیؓ اور اہل بیت کا حامی ہو اور شیخین پر حضرت علیؓ کی فضیلت کا قائل ہو نیز ان کی ترتیب کے مطابق امامت کا عقیدہ رکھتا ہو۔

ایک قابل توجہ روایت

مسند احمد، مستدرک حاکم، کامل ابن عدی کی روایت سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ آنحضرتؐ نے ایسے دو فرقوں کے وجود میں آنے کی پیشین گوئی فرمائی ہے کہ جن میں ایک فرقہ حضرت علیؓ سے محبت میں غلو کریگا، اور دوسرا فرقہ عداوت میں غلو کرے گا، حدیث کی متعدد کتابوں میں حضرت علیؓ کی روایت سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت علی سے فرمایا۔

فیکَ مَثَلُ عیسیٰ بن مریم ابغضتہ الیھود حتیٰ بھتوا امہ واحبتہ النصاری حتی انزلوہ بالمنزلۃ التی لیست لہ۔ ثم قال یھلک فیَّ رجلان محب مفرط یقرظنی بما لیس فیَّ ومبغض یحملہ شنانی علی ان یبھتنی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص۵۶۵)

اے علی تم کو عیسیٰ علیہ السلام سے خاص مشابہت ہے یہودیوں نے ان کے ساتھ بغض و عداوت کا معاملہ کیا، یہاں تک کہ انکی والدہ ماجدہ پر (بدکاری) کا الزام لگایا، اور نصاریٰ نے ان کے ساتھ ایسی محبت کی کہ ان کو ایسے مرتبہ پر پہنچا دیا جو مرتبہ ان کا نہیں تھا۔ (رسول اللہ صلعم کا یہ ارشاد نقل کرنے کے بعد) حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا بے شک ایسا ہی ہوگا، دو طرح کے لوگ میرے بارے میں ہلاک ہوں گے ایک محبت میں غلو کرنے والے جو میری ایسی تعریف کریں گے جو مجھ میں نہیں ہیں، دوسرے بغض و عداوت میں تجاوز کرنے والے جنکی عداوت ان کو اس بات پر آمادہ کریگی کہ مجھ پر بہتان لگائیں۔

شیعوں کی مشہور اور مستند کتاب؛ نہج البلاغہ، مطبوعہ مصر میں بھی حضرت علی کا ارشاد قریب قریب ان

ہی الفاظ کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔ (نہج البلاغہ صہ ۲۶/۱)

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے اسی کی بنیاد پر حضرت علی رضؓ نے فرمایا، اس کا ظہور ان کے دور خلافت میں ہو گیا، خوارج کا فرقہ حضرت علی رضؓ کی مخالفت اور عداوت میں اس قدر آگے نکل گیا کہ آپ کو مخرب دین، کافر، اور واجب القتل قرار دیا اور انہی میں کے ایک شقی عبدالرحمٰن بن ملجم نے آپ کو کوفہ کی مسجد میں شہید کر دیا اور اپنے اس بدبختانہ عمل کو اس نے اعلیٰ درجہ کا جہاد فی سبیل اللہ اور دخول جنت کا ذریعہ سمجھا، اور حضرت علی کی محبت میں اس قدر غلو کرنے والے بھی پیدا ہوئے کہ جنہوں نے ان کو مقام الوہیت پر پہنچا دیا اور ایسے بھی کہ جنہوں نے نبوت و رسالت کے لائق آپ ہی کو سمجھا۔ اور ایسے بھی لوگ پیدا ہوئے کہ جنہوں نے کہا کہ حضرت علی آنحضرت صلعم کے وصی نیز آپؐ کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد امام اور خلیفہ ہیں اور آنحضرت صلعم کی طرح معصوم واجب الاطاعت ہیں نیز ان کا مقام و مرتبہ دیگر انبیاء کرام سے افضل اور برتر ہے اور کائنات میں تصرف نیز علم غیب جیسی خداوندی صفات کے بھی آپ حامل تھے۔

مندرجہ بالا حدیث کی روشنی میں شیعیت کو سمجھنا ان لوگوں کے لئے بہت آسان ہے جو مسیحیت اور اس کی تاریخ سے کچھ بھی واقفیت رکھتے ہیں۔ مسیحیت میں تحریف و تخریب کی ابتداء سینٹ پال سے ہوئی جو کہ عیسائیوں کا دشمن ایک یہودی تھا، جس نے منافقانہ طور پر عیسائیت قبول کر کے عیسائیت کی خالص توحید کو تثلیث سے بدل دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے توحید کے بجائے تثلیث ہی اصل عیسائیت کہلانے لگی (تفصیل کے لئے مولانا کیرانوی کی "اظہار الحق" کا مطالعہ کریں)۔

یہ بات تو ہر صاحب علم جانتا ہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک اور حضرت ابوبکر صدیق نیز حضرت عمر رضؓ کے دور خلافت میں امت مسلمہ میں نظریاتی اختلاف کا کوئی وجود نہیں تھا، نظریاتی اختلاف پہلی بار سیدنا عثمان غنی رضؓ کے عہد خلافت کے آخر میں رونما ہوا، اور یہی شیعہ مذہب کا نقطۂ آغاز تھا۔

اسلام میں شیعیت کا آغاز اور اسکے اسباب

پہلا سبب جیسا کہ معلوم ہے کہ قریب قریب پورا جزیرۃ العرب عہد نبوی میں اسلام کے زیر اقتدار آچکا تھا، اور اسلام اور مسلمانوں کی کوئی قابل ذکر دشمن طاقت

باقی نہ رہی تھی کہ جو دعوت اسلام کا راستہ روک سکے ، اس کے بعد عہد صدیقی میں (جس کی مدت صرف دو سال ہے) یہ صورت حال مزید مستحکم ہوئی اور جزیرے کے حدود سے باہر بھی پیش قدمی کا سلسلہ شروع ہوگیا اس کے بعد خلافتِ فاروقی کے تقریباً دس سال میں اسلامی دعوت اور عسکری فتوحات کا سلسلہ اتنی تیزی سے بڑھا کہ اس وقت کی دو بڑی طاقتیں روم اور فارس کے بیشتر علاقے اسلام کے زیر اقتدار آگئے، حتی کہ دس سال کے قلیل عرصہ میں باوجودیکہ ان کے پاس بقدر ضرورت نہ ساز و سامان تھا اور نہ اسباب و آلات، ایک ہزار چھتیس ۱۰۳۶ بڑے شہر مع انکے توابع اور ملحقات کے اسلامی قلمرو میں شامل ہوئے حضرت عمر رض کے مفتوحہ ممالک کا رقبہ بائیس ۲۲ لاکھ اکیاون ۵۱ ہزار مربع میل تھا اس میں مصر، شام، عراق جزیرہ خوزستان، عراق عجم، ارمینا، آذربائیجان، فارس، کرمان، خراسان، اور مکران، جس میں بلوچستان کا بھی کچھ حصہ شامل تھا، یہ تمام علاقے حضرت عمر رض کے مفتوحات ہیں۔ (الفاروق ص ۳/۲)

عبد اللہ ابن سبا کی تحریک

عبد اللہ ابن سبا المعروف بہ ابن سودا شہر صنعاء کا باشندہ ایک یہودی تھا وہ حضرت عثمان غنی رض کے عہد خلافت میں یہ دیکھکر کہ مسلمانوں کو خوب دولت حاصل ہوئی ہے، اور اب یہی دنیا میں سب سے بڑی فاتح قوم بن گئی ہے مدینہ میں آیا، اور بظاہر مسلمانوں میں شامل ہوگیا، مدینہ میں اس کا آنا اور رہنا بہت غیر معروف اور ناقابل التفات تھا، اس نے مدینہ میں رہ کر مدینہ کے اندرونی اور داخلی کمزوریوں کو خوب جانچا، اور مخالف اسلام تدابیر پر خوب غور کیا اور مسلمانوں کی صفوف میں انتشار پیدا کرنے لگا، نیز مسلمانوں کے عقائد کو مشکوک و مشتبہ کرنے کی کوشش کرنے لگا، حضرت عثمان رض کو اس کے کردار کے بارے میں معلوم ہوا تو طبری کی روایت کے مطابق آپ نے فرمایا یہ یہودی کون ہوتا ہے جو ہمارے معاملات میں دخل دے چنانچہ حضرت عثمان رض نے اس کو مدینہ سے نکلوا دیا ——— انھیں ایام میں بصرہ میں حکیم بن جبلہ نامی ایک شخص تھا، اس نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ اسلامی لشکر کے ساتھ کسی فوج میں شریک ہوجاتا اور موقع پاکر ذمیوں کو لوٹ لیتا، اور کبھی کبھی راہ زنی بھی اختیار کرتا، اس کی ڈاکہ زنی کی خبر مدینہ منورہ حضرت عثمان رض تک پہنچ گئیں۔

حضرت عثمان رض نے بصرہ کے گورنر عبد اللہ ابن عامر کو لکھا کہ حکیم بن جبلہ کو بصرہ کے اندر نظر بند کر دیا جائے اور شہر سے باہر نکلنے کی ہرگز اجازت نہ دیجائے، عبد اللہ ابن سبا حکیم بن جبلہ کے حالات سنکر بصرہ کے لئے روانہ ہوا اور بصرہ پہنچکر حکیم بن جبلہ کے مکان پر مقیم ہوا، یہاں اس نے حکیم ابن جبلہ کے ذریعہ اس

کے دوستوں سے مراسم پیدا کئے اور خود کو مسلمانوں کا حامی اور آلِ رسول کا خیر خواہ ظاہر کر کے لوگوں کے دلوں میں اپنے منصوبہ کے مطابق فساد انگیز خیالات اور عقائد پھیلانے لگا، کبھی کہتا کہ مسلمانوں پر تعجب ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے دوبارہ دنیا میں تشریف لانے کے قائل ہیں مگر اس بات کے قائل نہیں کہ محمد رسول اللہ صلعم دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے، اور اس عقیدہ کو قرآن کی غلط تفسیر بیان کر کے لوگوں میں پختہ کرنے لگا، بہت سے کم فہم اور احمق لوگ اس کے فریب میں آ گئے، اس نے جب دیکھا کہ اس کا پہلا تیر نشانہ پر لگ گیا تو دوسرا تیر یہ چھوڑا کہ ہر پیغمبر کا ایک خلیفہ اور وصی ہوتا ہے، اور حضرت محمد صلعم کے وصی حضرت علی رضؓ ہیں اور جس طرح محمد صلعم خاتم الانبیاء ہیں اسی طرح حضرت علیؓ خاتم الاوصیاء ہیں کچھ احمق اس کے بھی قائل ہو گئے، جب ابن سبا نے دیکھا کہ دوسرا تیر بھی نشانہ پر بیٹھ گیا تو پھر یہ شوشہ چھوڑا کہ لوگوں نے آنحضرت صلعم کے بعد حضرت علی کے علاوہ دوسروں کو خلیفہ بنا کر حضرت علی کی حق تلفی کی ہے۔ لہذا اب سب کو چاہئے کہ حضرت علی کی مدد کریں اور موجودہ خلیفہ عثمانؓ کو قتل یا معزول کر کے حضرت علی کو ان کا حق دلوائیں، جب بصرہ کے گورنر عبداللہ بن عامر کو اس کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے عبداللہ ابن سبا کو بلا کر معلوم کیا کہ تم کون ہو؟ اور کہاں سے آئے ہو اور کیوں آئے ہو؟ عبداللہ ابن سبا نے کہا چونکہ مجھے اسلام سے دلچسپی ہے میں اپنے یہودی مذہب کی کمزوریوں سے خلاف ہو کر اسلام کی طرف متوجہ ہوا ہوں، عبداللہ بن عامر نے فرمایا میں تمہارے حالات کی تحقیق کر چکا ہوں، مجھے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم کوئی فتنہ برپا کرنا چاہتے ہو اور مسلمانوں کو گمراہ کر کے جمعیتِ اسلامی میں افتراق اور انتشار پیدا کرنا چاہتے ہو، عبداللہ ابن عامر کی زبان سے یہ باتیں سنکر بصرہ میں اپنا رہنا مناسب نہ سمجھا اور اپنے رازداروں اور شریک کاروں کی ایک جماعت بصرہ میں چھوڑ کر کوفہ کے لئے روانہ ہو گیا۔

ابن سبا کو کوفہ میں بصرہ سے بھی بہتر موقع ملا، چونکہ حضرت عثمان غنی رضؓ کے خلاف ایک جماعت یہاں پہلے سے موجود تھی، جب ابن سبا کے خیالات کا چرچہ ہوا تو کوفہ کے گورنر سعید بن عاص نے ابن سبا کو بلا کر ڈانٹا، چنانچہ ابن سبا کوفہ سے نکل کر شام کی طرف چلا گیا مگر شام میں ابن سبا کی زیادہ دال نہ گل سکی اور مصر کے لئے روانہ ہو گیا، مصر کی سرزمین اس کے زیادہ موافق آئی جس کی وجہ سے اپنے خیالات کو پھیلانے کا زیادہ موقع ملا، غرض کہ حضرت عثمان کے خلاف اس نے پوری ایک جمعیت تیار کر لی جس کا نتیجہ۔۔۔ حضرت عثمان غنی کی شہادت کی صورت میں ظاہر ہوا۔

(کامل لابن اثیر، تاریخ اسلام نجیب آبادی صفحہ ۳۹۲/۱)

شیعیت کا بانی کون تھا

اس بات سے ہر پڑھا لکھا طبقہ واقف ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کے آخری دور میں افرا تفری کے جو حالات رونما ہوئے تھے ان حالات سے آنحضرتؐ کے زمانہ میں جلا وطن کئے ہوئے یہودیوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں یہودیوں نے متعدد سازشیں کیں لیکن اللہ کے فضل وکرم سے وہ اپنے مکر و فریب میں کامیاب نہ ہو سکے، یہودیوں نے سمجھ لیا کہ اسلام کو کمزور کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ ان کی صفوں میں انتشار پیدا کر دیا جائے۔ اور ان کے عقائد کو مشکوک و مشتبہ بنا دیا جائے تاکہ مسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ ہو جائے اور اسلام کی روح اور اسپرٹ ختم ہو جائے عبداللہ ابن سبا یہودی اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے میں سرفہرست تھا نیز آنحضرت صلعم کی طرف جھوٹی احادیث منسوب کرتا تھا، اقتصادی امور میں عبداللہ ابن سبا اشتراکی نظریہ کا حامل تھا، متوسط اور غریب طبقہ میں اس کی مقبولیت کی ایک وجہ یہ بھی تھی، غرضیکہ اس طرح اس نے عراق و شام میں عموماً بصرہ میں خصوصاً اپنے پیروکاروں کا ایک خاصہ حلقہ پیدا کر لیا تھا، جو حضرت عثمان رضؓ کے خلاف ایک باقاعدہ اور منظم سازش میں مصروف تھا۔

ابن سبا خیالی شخصیت تھی یا تاریخی اور حقیقی؟

بعض شیعہ مؤرخین اور شیعیت زدہ ذہنیت کے لوگ کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن سبا کوئی تاریخی اور واقعی شخصیت نہیں ہے بلکہ فرضی اور خیالی ہے۔ دراصل بعض حضرات کا یہ نظریہ اس بات کی ایک منظم اور منصوبہ بند سازش ہے کہ عبداللہ ابن سبا کو کہانی کے منچ سے ہٹا دیا جائے اس لئے کہ مسلمانوں میں اختلاف و انتشار نیز تخریب و تحریف کی ذمہ داری اسی کے سر آتی ہے اور یہی شیعیت کا بانی اور معلم اول شمار ہوتا ہے اور یہی تحریک سبائیت کا بانی مانا جاتا ہے، اگر کسی طرح ابن سبا کو درمیان سے نکال دیا جائے تو یہ ساری کہانی ہی ختم ہو جائے، نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

چنانچہ بغداد یونیورسٹی کے استاذ مرتضیٰ العسکری نے اپنی کتاب "عبداللہ ابن سبا" میں یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ تاریخ میں عبداللہ ابن سبا کی شخصیت کا کوئی وجود نہیں ہے "التاریخ الاسلامی والحضارۃ الاسلامیہ صفحہ ۲۳۲"، ڈاکٹر طہٰ حسین نے بھی اپنی کتاب "الفتنۃ الکبریٰ" میں اس قسم کے شکوک و شبہات

کا اظہار کیا ہے، موصوف رقمطراز ہیں کہ جو لوگ ابن سبا کی شخصیت کا وجود ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں درِاصل تاریخ کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں، کیونکہ خلافتِ عثمانی کے واقعات سے تاریخی دستاویزوں میں ہمیں عبداللہ ابن سبا کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا، اسی طرح ابن سعد نے اپنی کتاب "الطبقات" میں اور بلاذری نے اپنی کتاب "انساب الاشراف" میں ابن سبا کا کوئی تذکرہ نہیں کیا، اس سلسلہ میں ابن جریر طبری المتوفی سن ۳۱۰ھ نے سیف ابن عمر کے حوالہ سے ابن سبا کا تذکرہ کیا ہے، اور بعد کے مؤرخین نے طبری کی روایت پر اعتماد کیا ہے۔ (ڈاکٹر طٰہٰ حسین، الفتنۃ الکبریٰ ص ۱۳۲/۱)

حقیقت یہ ہے کہ ہمیں اس بات پر شدید حیرت ہے کہ طٰہٰ حسین جیسے وسیع النظر عالم کی نظروں سے سعد بن عبداللہ المتوفی سن ۳۰۱ھ کی کتاب "المقالات والفرق" نہیں گذری جس میں مصنف نے ابن سبا کا تذکرہ بڑی تفصیل سے کیا ہے، نیز ڈاکٹر موصوف تیسری صدی ہجری کے مشہور رافضی عالم محمد حسن النوبختی کو بھی نظر انداز کر گئے جنہوں نے اپنی کتاب "فرق الشیعہ" میں ابن سبا کا تذکرہ پوری ایک فصل میں کیا ہے۔

ابن سبا شیعہ مؤرخین کی نظر میں

تیسری صدی ہجری کے مشہور رافضی عالم محمد الحسن ابن موسیٰ النوبختی جن کا تذکرہ ابھی اوپر گذرا ہے۔ لکھتے ہیں کہ حضرت علی رضؓ کے علم دوست احباب کہا کرتے تھے کہ عبداللہ ابن سبا دراصل ایک یہودی تھا، اور اپنی یہودیت کے زمانہ میں یوشع بن نون کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وصی قرار دیتا تھا، اسلام لانے کے بعد بھی اس نے یہ اعلان کیا کہ حضرت علی رضؓ نبی علیہ السلام کے وصی ہیں (فرق الشیعہ ص ۴۴) ابو عمر ابن عمر شیعوں کے مشہور اہل قلم شمار ہوتے ہیں وہ اپنی کتاب "رجال الکشی" میں لکھتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ امام جعفر صادق کو یہ کہتے سنا کہ لعنت ہو ابن سبا پر کہ جس نے امیر المومنین حضرت علی کی الوہیت کا دعویٰ کیا اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ ابن سبا نے نبوت کا بھی دعویٰ کیا تھا۔

"الاطواق الحمامہ فی مباحث الامامہ" میں جو کہ شیعہ حضرات کی مستند اور معتبر کتاب ہے امام مؤید باللہ بن یحییٰ ابن حمزہ زیدی کی تصنیف کردہ ہے حضرت علی رضؓ کے خطبہ کا حصہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔ لعن اللہ ابن سبا اضمر لہما الا الحسن الجمیل وسیری ذلک انشاء اللہ ثم ارسل الی ابن سبا فسیرہ الی المدائن وقال لا تساکنی فی بلدۃ احداً (ہدیہ مجیدیہ ترجمہ تحفہ اثنا عشریہ مطبوعہ مصطفائی ص ۱۷۳)

مذکورہ عبارت حضرت علی رضؓ کے خطبہ کا ایک حصہ ہے، حضرت علی رضؓ کو جب شیخین کے بارے میں ابن سبا

کے عقائد کا علم ہوا تو ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس میں آپ نے فرمایا: خدا اس شخص پر لعنت کرے، جو ان شیخین ا
کی نسبت سوائے خیر و خوبی کے اپنے دل میں رکھتا ہو اور وہ اس کا ثمرہ دیکھ لے گا، پھر آپ نے ابن سبا کی طرف
حکم بھیج کر اس کو مدائن کی طرف نکال دیا، اور فرمایا کہ کسی شہر میں میرے ساتھ نہ رہے، اطواق الحمامہ کی عبارت
سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابن سبا ایک حقیقی تاریخی بلکہ شیعہ مذہب کا بانی شخص تھا جب حضرت علی کو اس کے
معتقدات کا علم ہوا تو آپ نے اس کو مدینہ سے جلاوطن کر دیا۔

پانچویں شہادت ابن سبا کے حقیقی اور تاریخی شخصیت ہونے پر شیعہ مؤرخ و محدث محمد بن یعقوب ابو جعفر کلینی
المتوفی ۳۲۹ھ کی ہے موصوف شیعوں کے سب سے بڑے عالم اور محدث ہیں ان کے نزدیک کلینی کی وہی حیثیت ہے جو
اہل سنت والجماعت کے نزدیک امام بخاری کی ہے، ان کی کتاب "الجامع الکافی" شیعہ مذہب میں بخاری کا درجہ
رکھتی ہے، کلینی اپنی مذکورہ کتاب میں ابن سبا کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کچھ لوگ امیر المومنین کی خدمت میں
حاضر ہوئے اور جناب امیر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "اے پروردگار آپ پر سلامتی ہو" اس پر امیر المومنین نے
فوراً توبہ کرنے کے لئے کہا لیکن ان لوگوں نے بات ماننے سے صاف انکار کر دیا تو آپ نے ایک گڑھا کھدوا کر
اس میں آگ جلوائی اور پھر اس میں مذکورہ اشخاص کو ڈلوا دیا۔

مذکورہ تمام شہادتوں سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ ابن سبا کو فرضی اور خیالی شخصیت ثابت
کرنے کی ناکام کوشش کرنا بقول ڈاکٹر طہٰ حسین تاریخ کے ساتھ ناانصافی کرنا ہے۔

عبداللہ ابن سبا مستشرقین کی نظر میں

مستشرقین کی اسلام دشمنی اگرچہ محتاج تعارف نہیں مگر انہوں نے بھی ابن سبا
کی شخصیت کے وجود کا اقرار کیا ہے، متعدد مستشرقین نے ابن سبا کے حالاتِ زندگی کا ذکر کرتے ہوئے ان حالات کا
جائزہ لیا ہے جو ابن سبا کے تخریبی مشن کے پیچھے کار فرما تھے؛ سر ولیم میور، اسلام دشمنی میں اپنی مثال آپ ہے
وہ اپنی کتاب "خلافت کا عروج و زوال" صفحہ ۲۱۶ پر ابن سبا پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہے کہ ابن سبا جس
کو لوگ ابن سوداء کے نام سے بھی جانتے ہیں، جنوبی جزیرۂ عرب کا باشندہ ایک یہودی تھا جس نے بعد میں
اسلام قبول کیا تھا لیکن زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ اپنے زمانہ کی حکومت کے سخت خلاف تھا۔

ابن سبا سنی مؤرخین کی نظر میں

سنی مؤرخین نے ابن سبا کی شیطانی شخصیت
اور اس کی تخریبی سرگرمیوں کو بڑی اہمیت دی ہے،

کیونکہ اس شیطان صفت انسان نے ایک ایسے فرقہ کو جنم دیا کہ جس کا خمیر مکر و فریب اور افترا پردازی ہے اور جس کے عقائد کا نوے فیصدی حصہ کذب و دروغ گوئی پر مبنی ہے اور عالم وجود میں آنے کے بعد سے آج تک امت اسلامیہ کے لئے دردِ سر بنا ہوا ہے۔

امت مسلمہ کا پہلا اور سب سے بڑا نقصان جو اس ابن سبا منافق یہودی کی برپا کردہ تحریک سبائی کے ذریعہ ہوا وہ خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضؓ کی شہادت تھی، اس کے بعد سے اسلامی وحدت اور مسلمانوں کی یکجہتی کی دیوار میں جو رخنہ پیدا ہوا اس کا بند ہونا تو کجا روز بروز وسیع سے وسیع تر ہوتا رہا مسلمانوں میں فرقہ بندی طبقاتی عصبیت اور خانہ جنگی کا دروازہ حضرت عثمان غنی رضؓ کی شہادت ہی سے کھلا، شہادت عثمانی کے کچھ ہی دنوں بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی شہادت کا حادثۂ فاجعہ ایک خارجی عبدالرحمٰن ابن ملجم کے ہاتھوں پیش آیا اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور حضرت زبیر بن العوام نے جنگِ جمل میں جام شہادت نوش فرمایا، جس میں ابن سعد کے بیان کے مطابق طرفین سے تیرہ ہزار فرزندانِ اسلام قتل ہوئے (طبقات ابن سعد ج۲ص بحوالہ عثمان ذوالنورین، مولانا سعید احمد اکبر آبادی)

شہادت عثمانی کے ایک سال بعد صفین کے میدان میں حضرت علی رضؓ اور امیر معاویہ کی فوجیں جن میں اکابر صحابہ بدریین، اور مہاجرین شریک تھے، باہم نبرد آزما ہوئیں تو چند روز کی مسلسل جنگ میں دونوں طرفوں کے ستر ہزار فرزندانِ توحید کام آئے۔ (تاریخ ابوالفداء ص۱۷۵ج۱) پھر صفین کے بعد نہروان کا واقعہ پیش آگیا جس میں خوارج کے ساتھ نہایت خون ریز جنگ ہوئی اور لوگ کثیر تعداد میں شہید ہوئے غرضیکہ حضرت علی رضؓ کا زمانۂ خلافت جو چار سال نو ماہ ہے خانہ جنگیوں کی نظر ہو گیا جس میں فرزندانِ اسلام کی جانیں اس بہتات سے تلف ہوئیں کہ خلفاء ثلٰثہ کے عہد میں کفر و اسلام کی تمام معرکہ آرائیوں میں بھی کام نہ آئی ہونگی، پھر آگے چل کر حضرت علی رضؓ کے دو جگر گوشوں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا یہ سب کچھ ابن سبا کے کاشتہ شجر خبیث کے ثمرات تھے۔

بغدادی اپنی کتاب "الفرق بین الفرق" ص۲۳۳ پر لکھتے ہیں کہ ابن سوداء درحقیقت ایک یہودی تھا، اور اس کا مشن مسلمانوں کو گمراہ کرنا، اور حضرت علی رضؓ اور انکی اولاد کے بارے میں ایسی باتیں کرنا تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ملتی ہیں۔

امام شہرستانی اپنی کتاب "الملل والنحل ص۲۲" پر ابن سبا کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ جب ابن سبا اور اس کے ٹولے نے حضرت علی رضؓ کو خدا کہکر پکارا تو آپ نے ان کو مدائن میں قید کر دیا۔

شیعوں کے فرقوں کا تعارف

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت عثمانِ غنی رضؓ کے ابتدائی دورِ خلافت میں امت مسلمہ کے درمیان

صحابہ پر تبرا کرتا ہے، یہاں تک منافق اور کافر و مرتد تک کہہ ڈالتا ہے۔ ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو ان تمام صحابہ کو مرتد قرار دیتے ہیں جو غدیر خم کے موقعہ پر حاضر تھے اور آنحضرتؐ نے "مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ" فرمایا تھا، اور آنحضرتؐ کی وفات کے بعد حضرت علی رضؓ سے بیعت کر کے ایفاء عہد نہیں کیا، بلکہ دوسروں کی بیعت کر لی تھی۔ یہ فرقہ حضرت علی کے عہد میں عبداللہ ابن سبا کی تحریک و اغواء سے پیدا ہوا تھا، جب حضرت علی رضؓ کو اس فرقہ اور اس کے عقائد کا علم ہوا تو آپ نے ان سے لاتعلقی اور بیزاری کا اظہار فرمایا اور اپنے مختلف خطبوں میں سخت مذمت فرمائی۔

چوتھا فرقہ شیعہ غلاۃ

اس فرقہ کے عقائد کا دار و مدار الوہیت علی رضؓ اور حلول باری کے عقیدہ پر ہے، غلاۃ میں بھی سب ایک خیال اور ایک عقیدہ کے نہیں تھے بعض حضرت علی رضؓ کی الوہیت کے قائل تھے، یا ان میں روح خداوندی کے حلول کا عقیدہ رکھتے تھے، اور بعض ایسے بھی تھے جو حضرت علی رضؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل اور نبوت کا زیادہ مستحق سمجھتے تھے، غلاۃ ابتداءً ایک دوسرے سے ممتاز اور الگ فرقے نہیں تھے، بعد میں مختلف اسباب و وجوہ کی بنا پر جن کا تفصیلی ذکر تحفہ اثنا عشریہ میں شاہ عبدالعزیز رح نے فرمایا ہے ایک دوسرے سے ممتاز اور مختلف فرقے ہو گئے جن کی تعداد ستر سے بھی زیادہ ہے ان کی تفصیل شہرستانی کی "الملل والنحل" میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔

حضرت علی رضؓ کی وفات کے بعد تعیین امام میں اس قدر اختلاف ہوا کہ اس کا احاطہ اور شمار بھی دشوار ہے اجمالی تذکرہ حسب ذیل ہے۔

غلاۃ کے چوبیس ۲۴ فرقے

ان میں کا پہلا فرقہ سبائیہ ہے یہ فرقہ عبداللہ ابن سبا المعروف بہ ابن سوداء یہودی صنعانی کی طرف منسوب ہے اس کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی رضؓ شہید نہیں ہوئے، ابن ملجم نے ایک شیطان کو قتل کیا جو حضرت امیر کی صورت میں آیا تھا، ۴۰ھ میں جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کی خبر آئی تو ابن سبا نے کہا اگر حضرت علی رضؓ کا سر کاٹ کر ستر مرتبہ میرے سامنے رکھ دیا جائے تب بھی میں حضرت علی رضؓ کی شہادت کا یقین نہ کروں گا، اس فرقہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جناب امیر ابر میں چھپے ہوئے ہیں اور رعد کی آواز آپ ہی کی آواز ہے اور برق آپ کا کوڑا ہے۔ اس فرقہ کے لوگ جب رعد کی آواز سنتے ہیں تو "الصلوٰۃ والسلام علیک یا امیر المومنین" کہتے ہیں۔ (ترجمہ تحفہ اثنا عشریہ ص۲۱)

دوسرا ۲ فرقہ ــ مفضلیہ ہے یہ فرقہ مفضل صیرفی کے اصحاب میں سے ہے سبائیہ کی شاخ ہے۔ فرقہ سبائیہ کی کچھ برائیاں دیکھ کر ان سے الگ ہو گیا تھا۔ ان کا عقیدہ حضرت علی رضؓ کے بارے میں وہی ہے جو

کوئی ایسا نظریاتی اختلاف نہیں تھا جو امت کی وحدت اور یکجہتی کے لئے مضر ہو، البتہ آخری دور میں نظریاتی اختلاف رونما ہوا، یہی شیعہ مذہب کا نقطۂ آغاز تھا ابتداً شیعہ مذہب کی بنیاد بہت سادہ تھی، یعنی حضرت علی رضؓ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز و قریب اور داماد ہیں، اس لئے وہی جانشینی اور خلافت کے زیادہ حق دار ہیں، یہ نظریہ سادہ تو ضرور تھا مگر اسلامی تعلیمات اور اس کی روح کے سراسر منافی تھا، اس لئے کہ اسلام تو خاندانی اور نسلی امتیاز کو یکسر مٹانے کے لئے آیا تھا، اور سیادت و قیادت کا دارومدار محض تقویٰ و طہارت پر رکھا تھا جو کہ اِن اکرمکم عند اللہ اتقاکم، کے عین مطابق تھا ابتداً چار، اور بعد میں بے شمار فرقے پیدا ہو گئے۔

پہلا فرقہ شیعہ مخلصین

ابتداء میں لفظ شیعہ اضافت کے ساتھ استعمال ہوتا تھا، اور حضرت علی رضؓ کے طرفداروں کو حضرت علی رضؓ کی جانب اضافت کر کے شیعان علی کہتے تھے ۳۷ھ میں جن حضرات کا لقب شیعان علی ہوا وہ مہاجرین و انصار اور ان کے متبعین تھے۔ جنہوں نے مسئلہ خلافت میں حضرت علیؓ کا ساتھ دیا تھا، جنگ صفین میں آٹھ سو صحابہ جن میں بدریین بھی شامل تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ رہکر شریک جنگ ہوئے، جن میں سے تین سو صحابہ نے شہادت پائی، اور یہ حضرات خود کو شیعان علی کہتے تھے اور یہی شیعہ مخلصین تھے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ قدیم کتب تاریخ میں جہاں کہیں "فلان من شیعتہ" یا "من شیعة فلان"، واقع ہوا ہے حالانکہ وہ اکابر اہل سنت والجماعت سے ہیں، اس کا یہی مطلب ہے کہ ان کا تعلق شیعہ مخلصین سے ہے، تاریخ واقدی اور الاستیعاب میں اس قسم کی بہت سی چیزیں ملتی ہیں۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص۱۹)

دوسرا فرقہ شیعہ تفضیلیہ

یہ فرقہ شیعہ مخلصین کے دو سال بعد یعنی ۳۹ھ میں پیدا ہوا، شیعہ تفضیلیہ اگرچہ شیعہ مخلصین میں سے نہیں ہیں لیکن یہ فرقہ اکثر مسائل و عقائد میں اہل سنت والجماعت کے موافق اور زیادہ قریب تھا، ابتداء شیعہ مخلصین اور شیعہ تفضیلیہ خود کو شیعہ لقب کے ساتھ ملقب کرتے تھے، لیکن جب ان میں غلاۃ پیدا ہو گئے اور انہوں نے بھی شیعہ لقب اختیار کیا، اور ان سے علمی اور اعتقادی قباحتیں ظاہر ہوئیں نیز عوام میں زیادہ بدنام ہوئے تو حق و باطل کے التباس اور بدنامی کے خوف سے مخلصین کی جماعت نے اس لقب کو اپنے حق میں ناپسند کیا اور اپنا لقب اہل سنت والجماعت منتخب کیا۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص۲)

تیسرا فرقہ شیعہ سبئیہ

اس فرقہ کو تبرّیہ بھی کہتے ہیں، یہ فرقہ چند صحابہ مثلاً سلمان فارسی، ابوذر غفاری، حضرت مقداد، عمار بن یاسر وغیرہ کے علاوہ تمام

کا عقیدہ ہے کہ آنحضرتؐ کی نبوت میں حضرت علی رضؓ شریک ہیں۔ (١١) گیارہواں فرقہ غمامیہ ہے۔ اس کو ربیعیہ بھی کہتے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ موسم بہار میں اللہ تعالیٰ ابر کے پردے میں زمین کی طرف نزول فرماتے ہیں، اور دنیا میں گھوم پھر کر آسمان کی طرف صعود فرماتے ہیں۔ (١٢) بارہواں فرقہ تفویضیہ ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیدا کرنے کے بعد دنیا کے معاملات پیغمبر علیہ السلام کے سپرد کر دیئے ہیں اور دنیا کی ہر شئی پیغمبر کے لئے مباح ہے۔

(١٣) تیرہواں فرقہ خطابیہ ہے۔ یہ فرقہ ابوالخطاب محمد بن ربیع الاخدع الاسلامی کے اصحاب سے ہے ان کا عقیدہ ہے کہ تمام ائمہ خدا کے فرزند ہیں اور حضرت علی رضؓ خدا ہیں، امام جعفر صادق کی الوہیت کے بھی قائل ہیں حضرت علی رضؓ کو الٰہ اکبر اور حضرت جعفر صادق کو الٰہ اصغر مانتے ہیں، اور ابوالخطاب کو پیغمبر مانتے ہیں ان کے نزدیک اپنے ہم مسلکوں کے لئے جھوٹی گواہی دینا جائز ہے۔ اسی وجہ سے کتب فقہ میں لکھا ہوا ہے "لا یجوز شہادۃ الخطابیہ"

(١٤) چودھواں فرقہ معمریہ ہے یہ فرقہ خطابیہ ہی کی ایک شاخ ہے، معمر کی طرف منسوب ہے، امام جعفر صادق کی نبوت کا قائل ہے، معمر کو آخری نبی مانتے ہیں ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ معمر نے تمام تکالیف شرعیہ ساقط کر دی ہے۔

(١٥) پندرہواں فرقہ غرابیہ ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیلؑ کو حضرت علی کے پاس وحی لیکر بھیجا تھا، مگر غلطی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا دی، اس لئے کہ آنحضرتؐ اور حضرت علی رضؓ کی شکل وصورت میں بہت زیادہ مشابہت تھی، جس طرح تمام کوّے آپس میں مشابہ ہوتے ہیں۔ (١٦) سولہواں فرقہ ذمیہ ہے، یہ فرقہ حضرت علی کی الوہیت کا قائل ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے مبعوث کیا تھا کہ علی کی الوہیت کی دعوت دیں مگر محمدؐ نے اپنی طرف دعوت دینی شروع کر دی۔ اسی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مذمت کرتے ہیں، اسی وجہ سے اس فرقہ کو ذمیہ کہتے ہیں۔ (١٧) سترہواں فرقہ ذبابیہ ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی خدا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں، خدا اور نبی میں مشابہت تامہ ہے یہ فرقہ غرابیہ ہی کی ایک شاخ ہے۔ (١٨) اٹھارواں فرقہ اثنینیہ ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی اور محمدؐ دونوں خدا ہیں، اس فرقہ میں کئی گروہ ہیں بعض وہ ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدائی کو ترجیح دیتے ہیں، اور بعض حضرت علی کی خدائی کو، یہ فرقہ ذمیہ کی شاخ ہے۔ (١٩) انیسواں فرقہ خمسیہ ہے، یہ فرقہ پنجتن، (١) آنحضرتؐ (٢) حضرت علی رضؓ (٣) حضرت حسن (٤) حضرت حسین (٥) حضرت فاطمہ رضؓ کی الوہیت کا قائل ہے، ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ پنجتن درحقیقت ایک روح ہے جو پانچ قالبوں میں حلول کئے ہوئے ہے، کسی کو کسی پر فوقیت نہیں ہے۔ (٢٠) بیسواں فرقہ نصیریہ ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ خدا حضرت علی اور ان کی اولاد میں حلول کئے ہوئے ہے۔ (٢١) اکیسواں فرقہ اسحاقیہ ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ

دنیا کبھی پیغمبر سے خالی نہیں رہی، اور ائمہ میں حلول باری کے بھی قائل ہیں۔ (۲۲) بائیسواں فرقہ رزامیہ ہے، اس فرقہ کے نزدیک سلسلۂ امامت اس طرح ہے، حضرت علی کے بعد محمد بن حنفیہ ان کے بعد ان کے فرزند ابو الہاشم ان کے بعد انکے فرزند عبداللہ ابن عباس خلیفہ منصور دوانیقی تک اسی طرح سلسلہ ہے، فرائض کے تارک ہونے ہیں حرام چیزوں کو حلال سمجھتے ہیں۔ (۲۳) تیئسواں فرقہ علیائیہ ہے ان کا عقیدہ بھی الوہیت علی کا ہے، اور حضرت علی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت دیتے ہیں۔ (۲۴) چوبیسواں فرقہ مقنعیہ ہے، حضرت حسین کے بعد مقنع کی الوہیت کے قائل ہیں، انکے عقیدہ کے مطابق الٰہ چار ہیں۔ حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین، مقنع۔

غلاۃ کے عقیدہ کا دار مدار امام کے بارے میں الوہیت یا حلول باری کے عقیدہ پر ہے (مذکورہ تمام تفصیل مختصر تحفہ اثنا عشر اور تحفہ اثنا عشریہ سے ماخوذ ہے ص۲۱-۲۵)

شیعوں کے بنیادی چار فرقوں میں شیعہ سبئیہ سب سے زیادہ ہیں یہ فرقہ پوری دنیا میں پایا جاتا ہے کوئی شہر ایسا نہیں کہ اس فرقہ کے افراد نہ پائے جاتے ہوں، فرقہ امامیہ بھی اسی فرقہ کی شاخ ہے، اس فرقہ کی انتالیس ۳۹ قسمیں ہیں۔

(۱) حسینیہ، اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ حسن بن علی رضؓ کے بعد ان کے فرزند حسن مثنیٰ اپنے والد کی وصیت کے ذریعہ امام نامزد ہوئے انکو رضا من آل محمد بھی کہتے ہیں، ان کے بعد انکے بیٹے عبداللہ امام مقرر ہوئے، عبداللہؒ کے بعد ان کے فرزند محمد جن کا لقب؛ نفس زکیہ؛ ہے امام مقرر ہوئے۔ ان کے بعد محمد کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ امام مقرر ہوئے ان دونوں بھائیوں نے منصور دوانیقی کے زمانہ میں خروج کیا تھا، کافی جنگ وجدال کے بعد منصور کے امراء نے انکو شہید کر دیا اس فرقہ کا ظہور ۱۹۵ھ میں ہوا تھا، فرقہ حسینیہ کی امامت کا شجرۂ نسب مندرجہ طریقہ پر ہے۔ (تحفہ اثنا عشریہ)

حضرت علی

(۱) حسن ← حسین

(۲) حسن مثنیٰ

(۳) عبداللہ

(۴) محمد نفس زکیہ (۵) ابراہیم بن عبداللہ

(۲) نفسیہ، یہ فرقہ حسینیہ کی شاخ ہے، اس کا عقیدہ ہے کہ نفس زکیہ شہید نہیں ہوئے بلکہ روپوش ہو گئے ہیں، چند روز بعد ظاہر ہوں گے (۳) حکمیہ۔ اسی فرقہ کو ہاشمیہ بھی کہتے ہیں، یہ ہشام بن الحکم کے اصحاب

میں سے ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ امام حسن بن علی رضؓ کے بعد ان کے بھائی حسین امام مقرر ہوئے، اس کے بعد امام حسین کی اولاد میں ترتیب مشہور کے مطابق امام جعفر صادق تک بلا اختلاف امام ہوئے، یہ فرقہ ۱۰۹ھ میں ظاہر ہوا۔

(۴) سالمیہ، ان کو جوالیقیہ بھی کہتے ہیں یہ ہشام بن سالم جوالیقی کے اصحاب سے ہیں اس فرقہ کے عقائد وہی ہیں جو فرقہ حکمیہ کے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ حکمیہ اپنے معبود کو مجسم مانتے ہیں مگر کوئی ظاہری صورت نہیں مانتے، اور سالمیہ انسانی صورت میں مجسم مانتے ہیں اس فرقہ کا ظہور ۱۱۳ھ میں ہوا تھا۔ (۵) شیطانیہ، اس کو نعمانیہ بھی کہتے ہیں یہ محمد بن نعمان صیرفی کے اصحاب میں سے ہیں اس کا لقب شیطان الطاق ہے روافض اس کو مومن الطاق کہتے ہیں اسی نے یہ عقیدہ ایجاد کیا کہ امامت نص سے ثابت ہونی چاہیئے، موسیٰ کاظم تک ترتیب مشہور کے مطابق امامت کے قائل ہیں۔ (۶) زراریہ۔ یہ زرارہ بن اعین کوفی کے اصحاب سے ہے یہ فرقہ عقیدہ امامت میں حکمیہ کے مطابق ہے، یہ امامت کا سلسلہ امام جعفر صادق تک مانتے ہیں اور صفات الہٰی کے حدوث کے قائل ہے۔ (۷) یونسیہ، یہ فرقہ یونس بن عبدالرحمٰن قمی کا پیرو کار ہے ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور فرشتے اسے اٹھائے ہوئے ہیں، اس فرقہ کا ظہور ۱۴۵ھ میں ہوا تھا۔ (۸) بدائیہ یہ فرقہ خدا کیلئے بداء کا قائل ہے، انکا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات خلاف مصلحت فیصلہ فرماتا ہے اور نادم ہو کر اسے تبدیل کر دیتا ہے چنانچہ خلفاء ثلٰثہ کی مدح و منقبت کی آیات کو بھی بداء پر محمول کرتا ہے، اس کا ظہور ۱۴۵ھ میں ہوا تھا۔ (۹) مفوضہ، اس کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی مخلوق آنحضرت صلعم کے سپرد کر دی ہے لہذا دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ آنحضرت صلعم کا پیدا کردہ ہے انہی میں کا ایک فرقہ وہ ہے جو حضرت علی کیلئے تفویض کا قائل ہے اور ایک فرقہ دونوں کی تفویض کا قائل ہے اس کا ظہور بھی ۱۴۵ھ میں ہوا تھا۔ (۱۰) باقریہ، اس کا عقیدہ ہے کہ امام باقر فوت نہیں ہوئے بلکہ حیٌّ لایموت اور منتظر ہیں۔ (۱۱) حاضریہ، اس کا عقیدہ ہے کہ امام باقر کے بعد ان کے لڑکے زکریا امام ہوئے، اور وہ حاضر نامی ایک پہاڑ میں روپوش ہیں۔ اجازت ملنے پر ظاہر ہوں گے۔ (۱۲) نادوسیہ، یہ عبداللہ بن نادوس بصری کے اصحاب میں سے ہے ان کا عقیدہ ہے کہ امام جعفر صادق بقید حیات ہیں مگر روپوش ہیں، اور وہی مہدی منتظر ہیں، ان میں سے ایک جماعت کا عقیدہ ہے کہ امام جعفر کی غیبت کلی نہیں ہے بلکہ بعض اوقات اپنے احباب سے خلوت میں ملاقات کرتے ہیں۔ (۱۳) عماریہ۔ یہ عمار کے اصحاب میں سے ہے، اس کا عقیدہ ہے کہ امام جعفر صادق کا انتقال ہو چکا ہے ان کے بعد ان کے فرزند محمد امام مقرر ہوئے تھے، اس فرقہ کا ظہور ۱۴۵ھ میں ہوا۔ (۱۴) مبارکیہ، یہ فرقہ اسماعیلیہ کی شاخ ہے، مبارک کے متبعین

ہیں سب سے انکا عقیدہ ہے کہ امام جعفر صادق کے بعد انکے بڑے بیٹے اسماعیل امام ہوئے ہیں اور اسماعیل کے بعد انکے بیٹے محمد امام ہوئے وہی خاتم الائمہ اور مہدی منتظر ہیں۔ (۱۵) قرمطیہ یہ بھی اسماعیلیہ کی شاخ ہے، اور قرمط کے اصحاب میں سے ہے، قرمط کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ یہ وہی مبارک ہے جس کا ذکر ماقبل میں آیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ دوسرا شخص ہے جو کوفہ کے مضافات کا باشندہ اور فرقہ قرمطیہ کا بانی ہے، بعض کے نزدیک اس فرقہ کے بانی کا نام حمدان ابن قرمط ہے۔ بعض کا قول ہے کہ قرمط واسط کے مضافات میں ایک قریہ ہے چونکہ یہ وہاں کا باشندہ تھا اسی وجہ سے اس کو قرملی کہتے ہیں، اس فرقہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اسماعیل بن جعفر خاتم الائمہ ہیں اور حیٌّ لَا یَمُوتُ ہیں حرام اشیاء کو حلال سمجھتے ہیں اس فرقہ کا ظہور ۲۷۸ھ میں ہوا۔ (۱۶) باطنیہ، یہ فرقہ بھی اسماعیلیہ کی شاخ ہے۔ اسماعیل بن جعفر کے بعد ان کی اولاد میں سلسلہ امامت کے قائل ہیں، انکا عقیدہ ہے کہ عمل باطن کتاب پر واجب ہے نہ کہ ظاہر کتاب پر۔ (۱۷) شمیطیہ، یہ فرقہ یحییٰ بن شمیط کے اصحاب سے ہے، اس کا عقیدہ ہے کہ جعفر صادق کے بعد امامت انکے پانچوں بیٹوں میں مندرجہ ذیل ترتیب سے پہنچی۔ (۱) اسماعیل، (۲) محمد، (۳) موسیٰ کاظم، (۴) عبداللہ افطح، (۵) اسحاق۔ (۱۸) میمونیہ، یہ فرقہ عبداللہ ابن میمون قداح اہوازی کے اصحاب سے ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ ظاہر کتاب وسنت پر عمل حرام ہے، معاد کا منکر ہے، اسماعیل بن جعفر کی امامت کا قائل ہے۔ (۱۹) خلفیہ، یہ فرقہ خلف کے اصحاب سے ہے اسماعیل بن جعفر کی امامت کے قائل ہیں بعث بعد الموت کے منکر ہیں، ان کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ کتاب وسنت میں صلوٰۃ، زکوٰۃ وغیرہ کے جو الفاظ آتے ہیں انکے لغوی معنی مراد ہیں نہ کہ اصطلاحی۔ (۲۰) برقعیہ، محمد بن علی برقعی کے اصحاب سے ہیں معاد اور احکام شریعت کے منکر ہیں، نصوص کی من مانی تاویل کرتے ہیں بعض انبیاء کی نبوت کے منکر ہیں بلکہ ان پر لعنت کو واجب سمجھتے ہیں

(۲۱) جنابیہ، یہ فرقہ ابوطاہر جنابی کے متبعین میں سے ہے، اس کے متبعین نہایت غالی ہوتے ہیں احکام ومعاد کے منکر ہوتے ہیں، اور جو شخص احکام پر عمل کرے اس کو واجب القتل سمجھتے ہیں، اسی وجہ سے ان لوگوں نے حاجیوں کو قتل کیا تھا، حجر اسود کو نکال کر لے گئے تاکہ لوگ بداعتقاد ہو کر حج وطواف وغیرہ کا قصد نہ کریں۔ مذکورہ پانچ فرقے شمیطیہ[۱]، میمونیہ[۲]، خلفیہ[۳]، برقعیہ[۴]، جنابیہ[۵]، قرامطہ میں شمار ہوتے ہیں۔ (۲۲) سبعیہ یہ فرقہ بھی اسماعیلیہ کی شاخ ہے ان کا عقیدہ ہے کہ انبیاء ناطقین شرائع سات ہیں۔ (۱) آدمؑ (۲) نوحؑ (۳) ابراہیمؑ (۴) موسیٰؑ (۵) عیسیٰؑ (۶) محمدؐ (۷) مہدی۔ نیز ہر دو کے درمیان سات آدمی اور رہوتے ہیں۔ جو رسول سابق کی شریعت کو رسول لاحق کے مبعوث ہونے تک قائم رکھتے ہیں۔ اسماعیل بن جعفر ان سات

میں سے ایک ہیں جنہوں نے آنحضرتؐ اور امام مہدی کے درمیان شریعت کو قائم رکھا، اور ہر زمانہ میں ایسے سات آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔ (۲۳) فرقہ مہدویہ، یہ فرقہ بھی اسماعیلیہ کی شاخ ہے اس فرقہ نے کافی ترقی کی تھی اس میں بہت سے اربابِ تصانیف اور ملوک و سلاطین ہوئے ہیں، مملکۂ مغربیہ میں اس فرقہ کے بہت سے ملوک و سلاطین گذرے ہیں۔ (۲۴) نزاریہ، اسی کو صباحیہ اور حمیریہ بھی کہتے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ امام احکام کا مکلف نہیں ہوتا، اور کوئی شئی اس کے لئے ممنوع نہیں ہوتی، نیز امام کو اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ تکالیفِ شرعیہ کو ساقط کردے، اور محرمات کو حلال کردے، نزار لوگوں سے یہ کہا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے پاس وحی بھیجی ہے میں تکالیف شرعیہ کو اس شرط پر ساقط کردوں کہ تم آپس میں نزاع نہ کرو اور امام کی نافرمانی نہ کرو۔ (۲۵) افطحیہ، اس کو عماریہ بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ یہ فرقہ عبداللہ ابن عمار کے اصحاب میں سے ہے، عبداللہ ابن افطح کی امامت کا عقیدہ رکھتا ہے افطح عبداللہ بن جعفر کا لقب ہے، اس لقب کی وجہ یہ ہے افطح چوڑے پیروں کو کہتے ہیں اس کے پیر چونکہ چوڑے تھے اسی وجہ سے اس کا لقب افطح مشہور ہوگیا، یہ اسماعیل بن جعفر کا حقیقی بھائی ہے یہ فرقہ افطح کی رجعت کا قائل ہے اس لئے کہ اس کا کوئی لڑکا نہیں تھا کہ امامت کا سلسلہ اولاد میں جاری رہ سکے۔ (۲۶) مفضلیہ، اس کو قطعیہ بھی کہتے ہیں مفضل ابن عمر کے اصحاب سے ہے موسیٰ کاظم کی امامت کا قائل ہے۔ (۲۷) ممطوریہ، یہ فرقہ موسیٰ کاظم کی حیات کا قائل ہے، اس کا عقیدہ ہے کہ موسیٰ کاظم حیّ لایموت اور مہدی موعود ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں "سابعھم قائمھم یسمّیٰ صاحب التوراۃ"، ساتواں امام خروج کرنے والا ہے اور وہ صاحب توراۃ کا ہم نام ہے، اس فرقہ کو ممطوریہ اس لئے کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ اس نے قطعیہ کے سردار یونس بن عبدالرحمٰن سے مناظرہ کیا تھا، قطعیہ کے سردار نے اس سے کہا: انتم اھون عندنا من الکلاب الممطورۃ، یعنی تم ہمارے نزدیک بھیگے ہوئے کتے سے زیادہ ذلیل ہو، اسی وقت سے اس کا لقب ممطوریہ پڑگیا۔ (۲۸) موسویہ، موسیٰ کاظم کی امامت کا اعتقاد رکھتے ہیں ان کے موت و حیات کے بارے میں متردد ہیں اسی وجہ سے امامت کا سلسلہ ان کی اولاد میں جاری نہیں کرتے۔

(۲۹) رجعیہ، یہ فرقہ بھی موسیٰ کاظم کی امامت کا قائل ہے لیکن موسیٰ کاظم کی موت اور رجعت کا عقیدہ رکھتا ہے مذکورہ تینوں فرقوں کو واقفیہ بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ امامت کو موسیٰ کاظم پر موقوف مانتے ہیں، انکی اولاد میں امامت کا سلسلہ جاری نہیں کرتے۔ (۳۰) اسحاقیہ، اسحاق بن جعفر صادق کی امامت کے

قائل ہیں، اسحاق بن جعفر صادق فی الواقع علم و تقویٰ، زہد و عبادت میں اپنے والد کے مشابہ تھے، چنانچہ سفیان بن عیینہ اور دیگر محدثین اہل سنت نے ان سے روایت کی ہے۔ (۳۱) احمدیہ۔ موسیٰ کاظم کے بعد ان کے فرزند احمد کی امامت کے قائل ہیں۔ (۳۲) اثنا عشریہ، یہ فرقہ موسیٰ کاظم کے بعد علی بن موسیٰ کاظم کی امامت کا عقیدہ رکھتا ہے ان کے بعد ان کے لڑکے محمد تقی جو جواد کے لقب سے مشہور ہیں، کی امامت کے قائل ہیں، پھر ان کے بعد علی نقی معروف بہادی کے ان کے بعد انکے فرزند حسن عسکری کے۔ ان کے بعد انکے فرزند محمد مہدی کے جن کے خروج کی امید کی جاتی ہے امامت کی مذکورہ ترتیب میں توانکے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ غیبت اور سنہ غیبت میں اختلاف ہے، بعض ان کے موت کے بھی قائل ہیں۔ اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ جب دنیا ظلم و جور سے پر ہوجائے گی تو عدل قائم کرنے کے لئے دنیا میں ظاہر ہوں گے۔ اس فرقہ کا ظہور ۲۵۵ھ میں ہوا ہے یہ فرقہ بدار کا بھی عقیدہ رکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ موسیٰ کاظم کے روضہ کی زیارت کے وقت بآواز بلند کہتے ہیں: انت الذی بدا اللہ فیہ؛ تو ہی ہے کہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو بداء (مغالطہ) ہوگیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے چھٹے امام جعفر صادق کو حکم دیا تھا کہ اپنے بڑے فرزند اسماعیل کو امام نامزد کردیں چونکہ اسماعیل کا انتقال اپنے والد جعفر صادق کی حیات ہی میں ہوگیا تھا لہذا اسماعیل کے انتقال کے بعد اپنے دوسرے صاحبزادے موسیٰ کاظم کو بحکم خداوندی امامت کے لئے نامزد کیا تھا، مطلب یہ ہے کہ اسماعیل کو امام نامزد کرنے میں خدا سے چوک ہوگئی چونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں تھا کہ اسماعیل کا انتقال اس کے والد کی حیات ہی میں ہوجائے گا؛ نعوذ باللہ من ذلک، جب اسماعیل کا انتقال ہوگیا تو اللہ تعالیٰ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا جس کی تلافی جعفر صادق کے ذریعہ دوسرے بیٹے موسیٰ کاظم کو امام نامزد کرا کے کی۔ (۳۳) جعفریہ۔ اس فرقہ کے نزدیک امامت کی وہی ترتیب ہے جو فرقہ اثنا عشریہ کے نزدیک ہے البتہ انکا عقیدہ ہے کہ گیارہویں امام حسن عسکری کے بعد حسن عسکری کے بھائی جعفر بن حسن عسکری امام مقرر ہوتے تھے، ان کے درمیان اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ حسن عسکری کی کوئی اولاد تھی یا نہیں بعض کہتے ہیں کہ حسن عسکری لاولد فوت ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک لڑکا پیدا ہوا تھا مگر بچپن میں ہی اپنے والد کے انتقال کے بعد فوت ہوگیا تھا، یا اس زمانہ کے عباسی خلیفہ نے خفیہ طور پر قتل کرا دیا تھا جب اس کا علم مقتول کے چچا جعفر کو ہوا تو خود وراثت کا دعویٰ کیا، اثنا عشریہ جعفر کو کذاب کہتے ہیں، اگر ان ضمنی فرقوں کو شمار کیا جائے جن کی تعداد چھ ہے تو امامیہ کے فرقوں کی تعداد ۳۹ انتالیس ہوجاتی ہے۔ مذکورہ تفصیل ترجمہ تحفہ اثنا عشریہ اور مختصر تحفہ اثنا عشریہ سے ملخصاً ماخوذ ہے۔

شیعوں کے مشہور فرقوں کا تفصیلی تعارف

فرقہ امامیہ میں تین فرقے زیادہ مشہور ہیں۔ (۱) اثنا عشریہ (۲) اسماعیلیہ (۳) زیدیہ۔ شیعوں میں سب سے بڑا اور مشہور فرقہ اثنا عشریہ ہے، یہ فرقہ برصغیر کے علاوہ دیگر ممالک اسلامیہ میں بھی پایا جاتا ہے، ایران میں اس فرقہ کی اکثریت ہے فی الوقت ایران میں اسی فرقہ کی حکومت بھی ہے، موجودہ دور میں جب شیعہ یا امامیہ بولا جاتا ہے تو عرفِ عام میں اثنا عشریہ ہی مراد ہوتا ہے، گویا کہ شیعہ اور اثنا عشریہ دو مترادف لفظ ہو گئے ہیں۔ اثنا عشری شیعوں کی عراق میں خاصی تعداد ہے۔ آبادی کا تقریباً نصف شیعوں پر مشتمل ہے، اس فرقے کے لوگ شام لبنان اور دیگر ممالکِ اسلامیہ میں بھی پھیلے ہوئے ہیں، ان کی اپنی فقہ ہے جسے یہ فقہ جعفری سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی پر عمل کرتے ہیں۔

شیعہ مذہب کا محور امامت ہے

شیعہ مذہب میں بنیادی عقیدہ امامت ہے، بقیہ تمام عقیدے عقیدۂ امامت کی صیانت وحفاظت کے لئے تصنیف کئے گئے ہیں، شیعوں پر امام کی ہستی ایسی چھائی ہوئی ہے کہ جس نے خدا کی خدائی اور رسول کی رسالۃ کی حیثیت ختم کر دی ہے، بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح "شیعہ عقیدہ کے لوگ ختم نبوت کے منکر ہوتے ہیں"، اثنا عشری چونکہ بارہ اماموں کی امامت کا عقیدہ رکھتے ہیں اسی وجہ سے ان کو اثنا عشری کہتے ہیں۔

فرقہ اثنا عشریہ کے نزدیک ائمہ کی ترتیب

(۱) حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ۔ (۲) حسن بن علی رض، (۳) حسین بن علی رض، (۴) علی بن حسین المعروف بہ زین العابدین، (۵) محمد باقر بن علی، (۶) جعفر صادق بن باقر، (۷) موسیٰ کاظم بن جعفر صادق، (۸) علی رضا بن موسیٰ کاظم، (۹) محمد تقی بن علی المعروف بجوّاد، (۱۰) علی نقی بن محمد تقی المعروفؔ ہادی، (۱۱) حسن عسکری بن علی تقی المعروف بہ زکی، (۱۲) محمد المہدی المنتظر بن حسن عسکری،

فرقہ اثنا عشریہ کے نزدیک امام کا آلِ علی رض سے ہونا ضروری ہے، اور امام حسین کے بعد سے امام کا بیٹا ہی امام ہو سکتا ہے۔ (تاریخ المذاہب الاسلامیہ صفحہ ۵۴)

اثنا عشریہ کے نزدیک مذکورہ ترتیبِ امامت میں کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ بارہویں امام محمد مہدی کی غیبت اور سنہ غیبت میں اختلاف ہے۔ اہل تشیع کے قول کے مطابق بارہویں اور آخری امام محمد بن حسن

عسکری آج سے تقریباً ساڑھے گیارہ سو سال پہلے ۲۵۵ھ میں پیدا ہوکر چار پانچ سال کی عمر میں معجزانہ طور پر خلفاء کے امراء کے خوف سے سُرّمن رائی کے غار میں روپوش ہو گئے تھے اور اب تک روپوش ہیں اور انہی پر امامت کا سلسلہ ختم ہے ـــــــــ اوپر جو کچھ مذکور ہوا شیعہ عقیدہ کے مطابق ہے ورنہ تاریخی حقیقت یہ ہے کہ گیارہویں امام حسن عسکری کی کوئی اولاد نہیں تھی وہ لاولد فوت ہوئے تھے حسن عسکری کے حقیقی بھائی جعفر بن علی نقی کا بھی یہی بیان ہے، اسی وجہ سے حسن عسکری کی میراث ان کے حقیقی بھائی جعفر بن علی کو ملی تھی شیعہ حضرات کے بقول بارہویں امام محمد المہدی چونکہ سر من رائے کے غار میں زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے، قیامت سے قبل جبکہ شیعہ مخلصین کی تعداد اصحابِ بدر کی تعداد کے برابر یعنی تین سو تیرہ ۳۱۳ ہو جائے گی تو غار سے برآمد ہوں گے، اور اپنے ساتھ اصلی قرآن جو بقول شیعہ حضرات حضرت علی رضؓ کا مرتب کیا ہوا ہے اور موجودہ قرآن سے تین گنا بڑا ہے اور اس سے بالکل مختلف بھی ہے، اور علم کا وہ سارا خزانہ، جس کو "الجفر الجامعہ" کہتے ہیں جو ائمہ سابقین سے وراثت میں ملا تھا ساتھ لے کر آئیں گے۔

دوسرا مشہور فرقہ اسماعیلیہ ہے

فرقہ اسماعیلیہ فرقہ امامیہ (اثنا عشریہ) ہی کی ایک شاخ ہے اس فرقے کے لوگ مختلف ممالکِ اسلامیہ میں پائے جاتے ہیں، قلیل تعداد میں جنوبی افریقہ، اور وسط افریقہ، شام، پاکستان میں پائے جاتے ہیں مگر زیادہ تر ہندوستان میں آباد ہیں، مصر کی فاطمی حکومت کا تعلق اسی فرقہ سے تھا، قرامطہ جو تاریخ اسلام کے ایک دور میں متعدد ممالک پر قابض ہو گئے تھے اسی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

یہ فرقہ اسماعیل بن جعفر صادق بن باقر کی طرف منسوب ہے یہ فرقہ ترتیب ائمہ کے معاملہ میں چھٹے امام جعفر صادق تک اثنا عشریہ کے ساتھ متفق ہے۔ جعفر صادق کے بعد اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اثنا عشریہ کے نزدیک امام جعفر صادق کے بعد ان کے چھوٹے بیٹے موسیٰ کاظم منصب امامت پر فائز ہوئے، اس کے برخلاف اسماعیلیہ جعفر صادق کے بعد، جعفر صادق کے بڑے فرزند اسماعیل کی امامت کا عقیدہ رکھتے ہیں، اسماعیل بن جعفر کا انتقال اگرچہ ان کے والد جعفر صادق کی زندگی میں ہو گیا تھا، مگر چونکہ امام جعفر صادق نے نصِ صریح کے ذریعہ اپنے بڑے فرزند اسماعیل کو امام نامزد کیا تھا، اس لئے نص کی رو سے امامت کا منصب ان کے اخلاف میں قائم رہا، اسماعیل کے بعد امامت ان کے بیٹے محمد المکتوم کی جانب منتقل ہو گئی، ائمہ غائبین میں سے پہلے امام ہیں محمد المکتوم کے بعد ان کے فرزند جعفر المصدق ان کے

بعد انکے بیٹے محمد الحبیب انکے بعد ان کے فرزند عبداللہ مہدی امام ہوئے، جو شمالی افریقہ اور ممالک مغرب میں ظاہر ہوئے

(تاریخ المذاہب الاسلامیہ ملخصاً)

دیگر فرقوں کی طرح یہ فرقہ بھی سرزمین عراق میں پروان چڑھا، اس فرقہ کے عقائد میں قدیم فارسی افکار اور ہندی خیالات کی آمیزش پائی جاتی ہے، نیز اس فرقہ میں عجیب وغریب خیالات کے لوگ پیدا ہوئے ہیں، جنہوں نے ہمیشہ دین کے نام پر مقصد برآری کی ہے، فرقہ اسماعیلیہ کو باطنیہ بھی کہتے ہیں، باطنیہ اس لئے کہتے ہیں کہ ان کے عقیدہ کے مطابق امام اکثر حالات میں مخفی و مستور رہتا ہے، اقتدار حاصل ہونے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کا عقیدہ ہے کہ شریعت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، عوام الناس کو صرف ظاہر کا علم ہوتا ہے اور امام ظاہر و باطن دونوں سے واقف ہوتا ہے، اثنا عشریہ بھی اس جز میں اسماعیلیہ کے شریک ہیں، اہل سنت والجماعت سے انکا کوئی تعلق نہیں ہے۔ (تاریخ المذاہب الاسلامیہ، ابوزہرہ صفحہ)

اسماعیلیہ کے ایک گروہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ امام کسی انسان کے سامنے جواب دہ نہیں ہوتا، اور کسی انسان کے لئے یہ جائز نہیں کہ امام کی خردہ گیری کرے، امام جو چاہے کر سکتا ہے کسی کو نکیر یا تنقید کرنے کا کوئی حق نہیں بلکہ ہر شخص پر یہ لازم ہے کہ امام جو کچھ کرتا ہے اس میں خیر کے سوا کچھ نہ سمجھے، امام کے معصوم ہونے کا انکے نزدیک مطلب یہ ہے کہ امام جو کچھ کرتا ہے وہ خطا نہیں ہوتا، اگرچہ لوگوں کو خطا معلوم ہو ان کے نزدیک معصوم کا یہ مطلب نہیں کہ جو خطاء کا ارتکاب نہ کرے وہ معصوم ہے بلکہ جس کو ہم خطاء کہتے ہیں وہ ان کے نزدیک عین صواب ہوتا ہے۔

تیسرا مشہور فرقہ زیدیہ ہے

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ فرقہ زیدیہ بہ نسبت دیگر فرقوں کے اہل سنت والجماعت سے زیادہ قریب تھا، یہ فرقہ اپنی نسبت زید بن علی بن حسین بن علی رضؓ کی طرف کرتا ہے، ان کے عقیدہ کے مطابق ائمہ عام انسان ہی ہوتے ہیں مگر حضرت علی رضؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ہیں، یہ فرقہ اصحاب رسول ﷺ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتا اور نہ تبرا کرتا ہے، ان کے امام زید بن علی نے ہشام بن عبدالملک کے خلاف خروج کیا تھا، مگر انکے معتقدین نے عین جنگ کے دوران بے وفائی کی اور ساتھ چھوڑ دیا، جس کی وجہ سے امام گرفتار ہوئے اور دار پر لٹکا دیئے گئے، یہ واقعہ ۱۲۱-۱۲۲ھ کا ہے۔ اب اکثر زیدیوں کا عقیدہ وہی ہو گیا ہے جو اثنا عشریہ کا ہے صحیح العقیدہ زیدیہ یمن وغیرہ میں قلیل تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں رکھتے ہیں نیز ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ نبوت اور رسالت منقطع نہیں ہوئی یہی وجہ ہے کہ ان میں سے بہت حضرات نے نبوت کا دعویٰ کیا۔

(۳) تیسرا فرقہ سریغیہ ہے۔ بعض اکو شریفیہ بھی کہتے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ ناسوت میں لاہوت کا حلول صرف پانچ آدمیوں میں ہوا ہے، وہ پانچ یہ ہیں (۱) محمد صلی اللہ علیہ وسلم، (۲) حضرت علی رضؓ، (۳) حضرت عباس، (۴) حضرت جعفر، (۵) حضرت عقیل رضؓ۔

(۴) چوتھا فرقہ بزیغیہ ہے۔ یہ فرقہ بزیغ بن یونس کے اصحاب میں سے ہے ان کا عقیدہ ہے کہ الوہیت نے صرف حضرت امام جعفر صادق میں حلول کیا تھا اور وہ یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ لوگ جن کو جعفر صادق کہتے ہیں وہ بظاہر ایک صورت تھی ورنہ حقیقت میں وہ کچھ اور تھے۔

(۵) پانچواں فرقہ کاملیہ ہے۔ یہ فرقہ ابو کامل کے اصحاب میں سے ہے اس کے ماننے والے تناسخ کے قائل ہوتے ہیں چنانچہ ان کا عقیدہ ہے کہ روحِ خداوندی اول حضرت آدم علیہ السلام میں منتقل ہوئی، اس کے بعد حضرت شیث علیہ السلام کے بدن میں حلول کیا اور اس کے بعد تمام انبیاء کے اجسام کی طرف منتقل ہوتی رہی، یہ فرقہ ان حضرات کو جنہوں نے حضرت علی کی بیعت نہیں کی تھی کافر کہتا ہے اور خود حضرت علی رضؓ کو بھی اپنا حق طلب نہ کرنے کی وجہ سے کافر کہتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روح خداوندی امام کے بدن میں حلول کرتی ہے مگر امام کا مومن ہونا شرط نہیں ہے ورنہ حضرت علی رضؓ کو کافر کہنے کا کیا مطلب؟ (۶) چھٹا فرقہ مغیریہ ہے۔ یہ فرقہ مغیر بن عجلی کے متقدین میں سے ہے ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک نورانی انسانی شکل میں ہے اور اس کے سر پر نورانی تاج ہے۔ (۷) ساتواں فرقہ جناحیہ ہے۔ یہ فرقہ عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر ذوالجناحین کے اصحاب میں سے ہے یہ فرقہ بھی تناسخ کا قائل ہے، اور اس بات کا بھی قائل ہے کہ روح تمام انبیاء کے ابدان میں منتقل ہوتی رہتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی، حسن، حسین اور محمد بن حنفیہ اور ان کے بعد عبداللہ بن معاویہ بن جعفر کے بدن میں منتقل ہوئی، یہ فرقہ حرام چیزوں کو حلال سمجھتا ہے۔ (۸) آٹھواں فرقہ بیانیہ ہے۔ یہ فرقہ بیان ابن سمعان تمیمی کی طرف منسوب ہے خدا کو ابن سمعان کی شکل وصورت کے ساتھ متصف مانتے ہیں اور حلول کے بھی قائل ہیں۔ (۹) نواں فرقہ منصوریہ ہے۔ یہ فرقہ ابو منصور عجلی کے اصحاب میں سے ہے، اس کا عقیدہ ہے کہ عالم قدیم ہے اور نبوت ورسالت کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا، شریعت کے احکام ملاؤں کی ایجاد واختراع ہیں دوزخ وجنت کوئی چیز نہیں ہے۔ (۱۰) دسواں فرقہ اموبیہ ہے۔ (ا ماميه) اس

مذکورہ اجمال کی تفصیل

مذکورہ اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت علی بن حسین رضؓ المعروف بہ زین العابدینؒ نبیرۂ حضرت علی رضؓ کا جب انتقال ہوگیا، تو ان کے بعد ان کے فرزند زید نے جن کا لقب شہید ہے، ہشام بن عبدالملک بن مروان کے خلاف خروج کیا، زید بن علی جب کوفہ کے پاس پہنچے تو شیعہ مخلصین کی ایک جماعت اور بارہ ہزار تبرائیوں کا ایک گروہ آپ کے لشکر میں شامل ہوگیا جن میں اکثر مختاریہ اور کیسانیہ تھے جب ہشام کے گورنر یوسف بن عمر ثقفی سے مقابلہ ہوا تو اکثر ساتھیوں نے اس آڑے وقت میں ساتھ چھوڑ دیا، جس کے نتیجے میں حضرت زید شہید کر دیئے گئے۔

شیعوں کو رافضی کیوں کہتے ہیں؟

شیعہ حضرات عام طور پر رافضی کے نام سے بہت چڑتے ہیں، حالانکہ یہ مبارک نام خود ان کے امام زید بن علی رضؓ کا عطا کیا ہوا ہے۔ سنہ ۱۲۲ھ میں جب زید بن علی نے ہشام بن عبدالملک کے خلاف خروج کیا تو عین جنگ کے دوران شیعوں کا گروہ کہنے لگا، کہ ہم اس شرط پر آپ کی مدد کر سکتے ہیں کہ آپ حضرت ابوبکر وعمر کے بارے میں اپنی رائے ظاہر فرمائیں جنہوں نے آپ کے جدّ امجد حضرت علی پر ظلم کیا تھا، زید نے اولاً ان دونوں حضرات کے لئے دعاء رحمت کی اور فرمایا میں ان دونوں کے بارے میں اچھی بات ہی کہونگا، بنو امیہ کے خلاف تو میں نے اس لئے خروج کیا تھا کہ انہوں نے میرے دادا حسین بن علی کو شہید کیا تھا، اور حرّار کے روز مدینہ منورہ میں غارت گری کی تھی، بیت اللہ پر منجنیق سے پتھر اور آگ برسائی تھی، شیعہ انکا یہ جواب سنکر دو فریق ہو گئے، ایک وہ جو امام زید کے ساتھ رہا اور دوسرا وہ جو ساتھ چھوڑ گیا، حضرت زید نے ساتھ چھوڑنے والی جماعت کے بارے میں فرمایا؛ رفضتمونی، تم نے مجھ کو چھوڑ دیا، اسی وقت سے اس جماعت کا نام رافضی پڑ گیا، اور جو ساتھ رہے وہ زیدیہ کہلائے (منہاج السنہ لابن تیمیہ لمخصاً ج۱ ص۱)

فرقہ زیدیہ میں اختلاف

فرقہ زیدیہ میں جب اختلاف ظاہر ہوا تو اس کے نو فرقے ہوگئے

(۱) زیدیہ، یہ فرقہ اصحاب رسول صلعم پر تبرّا نہیں [illegible] اصحاب کو خوبی سے یاد کرتا ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ امامت حضرت علی کا حق تھا، حضرت علی خود اپنے حق سے خلفاء ثلٰثہ کے حق میں دست بردار ہو گئے تھے، ان کا عقیدہ ہے کہ خلفاء ثلٰثہ کی بیعت درست تھی اس لئے کہ حضرت علی اس پر راضی تھے، اور معصوم خطاء و باطل پر راضی نہیں ہو سکتا، اکثر مسائل میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ ہیں، البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ امام کا ان کے نزدیک فاطمی ہونا ضروری ہے ان کی تفویض سے

غیر فاطمی بھی امام ہو سکتا ہے، زیدیہ کے اس فرقے کے علاوہ تمام فرقے غلاۃ میں شمار ہوتے ہیں۔
(۲) جارودیہ (۳) جریریہ (۴) نبریتیہ (۵) نعمیہ (۶) دُکینیہ (۷) خشبیہ (۸) یعقوبیہ (۹) صالحیہ، ان کے عقائد کی تفصیل کے لئے تحفۂ اثنا عشریہ دیکھئے۔

بارہ ۱۲ اماموں کا مختصر تعارف

(۱) حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۳؍ رجب ۶۰۰ء کو مکۃ المکرمہ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی تھی، حضرت عثمان غنی رضؓ کی شہادت کے بعد ۳۵ھ میں آپ خلیفہ مقرر ہوئے۔ ۱۷؍ رجب ۴۰ھ کو کوفہ کی جامع مسجد میں عبدالرحمن ابن ملجم کے ہاتھ سے زخمی ہو کر شہید ہوئے، کوفہ میں بوقت شب اس خوف سے کہ خارجی آپ کے جسم کی بے حرمتی کریں گے کسی نامعلوم جگہ دفن کر دیئے گئے۔ (تاریخ الخلفاء عربی) مؤرخ اسلام مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی کی روایت کے مطابق آپ کی نماز جنازہ حضرت حسنؓ نے پڑھائی۔ (۲) حضرت حسن بن علی رضؓ ۱۵؍ رمضان المبارک ۳ھ بوقت شب مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، جب آپ کے والد حضرت علی کی شہادت ہوئی تو آپ کی عمر ۳۷ سال ۶ یوم تھی، والد کے انتقال کے بعد مسند خلافت پر فائز ہوئے، ۶ ماہ تین یوم کی خلافت کے بعد ۲۴؍ جمادی الاول ۴۱ھ کو حضرت امیر معاویہ سے صلح کر کے خلافت سے دست بردار ہو کر مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے تھے، مدینہ میں دس سال قیام رہا، حضرت حسن جب بیمار ہوئے تو فرمایا کہ مجھے کئی بار زہر دیا گیا مگر اس مرتبہ ایسا سخت ہے کہ میرا کلیجہ کاٹ ڈالا ۵۰ھ میں ۴۷ سال کی عمر میں انتقال فرمایا، مدینہ منورہ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ (۳) حضرت حسین بن علی رضؓ، حضرت حسین رضؓ فاطمہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے حضرت علی رضؓ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں تین یا پانچ شعبان ۴ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے آپ کا نصف اسفل اور امام حسن کا نصف اعلیٰ آنحضرت صلعم سے بہت مشابہ تھا، ۱۰؍ محرم الحرام ۶۱ھ کو میدانِ کربلا میں شہادت پائی، ۵۶ سال عمر پائی۔ (۴) چوتھے امام علی بن حسین المعروف بزین العابدین سجاد ہیں، آپ کی ولادت ۱۵؍ جمادی الاول ۳۶ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی تھی آپ کی عمر دو سال چند یوم تھی کہ آپ کے دادا حضرت علی رضؓ کی شہادت ہوئی، آپ کی وفات ۲۵؍ محرم ۹۵ھ کو ہوئی، جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

(۵) محمد باقر بن علی ہیں آپ کی ولادت یکم رجب ۵۷ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی ۷؍ ذی الحجہ ۱۱۴ھ کو زہر خورانی کے سبب انتقال فرمایا، نام محمد اور باقر لقب اور ابو جعفر کنیت ہے۔ (۶) جعفر صادق بن محمد باقر

ہیں شیعوں کے یہ چھٹے امام ہیں، ۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ بروز جمعہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، ۱۵ شوال ۱۴۸ھ ۶۵ سال کی عمر میں زہرخورانی سے انتقال فرمایا۔ (۷) موسیٰ کاظم بن جعفر صادق ہیں، ۷ صفر ۱۲۸ھ بمقام ابوا پیدا ہوئے ۵۵ سال کی عمر میں ۶ رجب ۱۸۳ھ میں جیل میں وفات پائی۔ (۸) علی رضا بن موسیٰ کاظم ۱۱ ذیقعدہ ۱۴۸ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے ۵۵ سال کی عمر میں ۲۰۳ھ میں شہر طوس میں زہرخورانی سے انتقال فرمایا۔

(۹) محمد تقی بن علی رضا یہ شیعوں کے نویں امام ہیں، رمضان ۱۹۵ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، ۲۵ سال کی عمر میں ۲۹، یا ۳۰ ذی الحجہ ۲۲۰ھ کو زہرخورانی سے انتقال فرمایا۔ (۱۰) علی نقی بن محمد تقی دسویں امام ہیں۔ ۱۵ ذی الحجہ ۲۱۲ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، ۳ رجب ۲۴۵ھ کو زہرخورانی سے شہادت پائی، آپ کا نام علی اور کنیت ابوالحسن اور مشہور لقب نقی ہے۔ (۱۱) حسن عسکری بن علی نقی، رمضان ۲۳۲ھ کو مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ ۲۸ سال کی عمر میں سامرہ کے مقام پر وفات پائی کنیت ابو محمد لقب ہادی ہے شہر سرّمن رائے کے جس محلہ میں آپ مقیم تھے اس کا نام عسکر تھا اسی وجہ سے عسکری نام سے مشہور ہو گئے۔ والدہ کا نام حُدیث ہے جو آپ کے والد کی ام ولد تھیں ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ کو شہر سرّمن رائے میں وفات ہوئی تھی، بعض اہل تشیع کی روایت کے مطابق ایک فرزند محمد المہدی ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ (اصول کافی ص ۳۲۴)

(۱۲) بارہویں اور آخری امام محمد بن حسن عسکری ہیں شیعی روایت کے مطابق ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ کو ملیکہ نامی باندی کے بطن سے پیدا ہوئے والد کا نام حسن عسکری ہے ۴ یا ۵ سال کی عمر میں امراء وقت کے خوف سے سرّمن رائے کے ایک غار میں روپوش ہو گئے تھے، اثنا عشریہ کا عقیدہ ہے کہ امام مہدی بقید حیات ہیں۔ بارہویں امام کی پیدائش اور غیبت کا عجیب واقعہ یا حیرت انگیز داستان اور اہل خاندان اور ماہر نسابین کو ان کی پیدائش سے انکار کی تفصیل مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ کی کتاب "ایرانی انقلاب ص ۱۶۱" پر ملاحظہ فرمائیں۔

امام غائب المہدی صاحب الزماں کا ظہور کب ہوگا

احتجاج طبری جو کہ شیعہ حضرات کی معتبر اور مستند کتابوں میں سے ہے اس میں نویں امام محمد بن علی بن موسیٰ کاظم کا ایک ارشاد نقل کیا گیا ہے، انھوں نے امام مہدی کے بارے میں فرمایا "امام مہدی کی خصوصیت یہ ہوگی کہ ان کی ولادت لوگوں سے پوشیدہ رہے گی، دور دراز دنیا کے اطراف سے جب اہل بدر کی تعداد یعنی ۳۱۳ کے مطابق مخلص اصحاب ان کے پاس جمع ہو جائیں گے، تو اللہ تعالیٰ ان کے معاملہ کو ظاہر فرمائیں گے، یعنی غار سے باہر تشریف لا کر اپنا کام شروع کر دیں گے۔

(احتجاج طبری ص ۲۲۰ بحوالہ ایرانی انقلاب)

آخری امام محمد المہدی کا ابتک ظاہر نہ ہونا شیعہ حضرات کے نویں امام محمد بن علی بن موسیٰ کاظم کے ارشاد کے مطابق اس بات کی دلیل ہے کہ ۲۶۰ھ سے ابتک تقریباً ساڑھے گیارہ سو سال کے عرصہ میں امام آخرالزماں محمد المہدی کا ساتھ دینے والے ۳۱۳ شیعہ مخلصین بھی کسی زمانہ میں نہیں ہوئے اور آج بھی نہیں ہیں ورنہ ان کا ظہور ہوگیا ہوتا، خاص طور سے اس زمانہ میں جبکہ ایران میں امام مہدی کے ماننے والوں کی حکومت ہے اس وقت سے بہتر اور کونسا ظہور کا وقت آئے گا۔ اب تو امام غائب کا خوف ختم ہوجانا چاہیئے، آخر پھر کونسا وقت آئے گا۔

اللھم ارنا الحق حقًا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلًا وارزقنا اجتنابہ اٰمین یارب العالمین، وصلی اللہ علی النبی الکریم وعلیٰ اٰلہ وصحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

بقیہ ص۲ کا ملاحظہ ہو۔

(۵) بخاری شریف ۔ امام بخاری رح

(۶) لغات القرآن ۔ عبدالرشید صاحب نعمانی

(۷) مشکوٰۃ المصابیح ۔ ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب

(۸) نہج البلاغہ ۔ محمد بن ابی احمد الحسین شریف رضی

(۹) الفاروق ۔ مولانا شبلی نعمانی

(۱۰) تاریخ کامل ۔ ابن اثیر

(۱۱) تاریخ اسلام ۔ مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی

(۱۲) التاریخ الاسلامی / والحضارۃ الاسلامیہ } مرتضیٰ العسکری

(۱۳) الفتنۃ الکبریٰ ۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین

(۱۴) مختصر تحفۂ اثنا عشریہ ۔ سید محمود شکری آلوسی

(۱۵) ہدیہ مجیدیہ ۔ مولانا عبدالمجید خاں صاحب

(۱۶) تحفۂ اثنا عشریہ فارسی ۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی

(۱۷) اصولِ کافی ۔ محمد یعقوب ابوجعفر کلینی ۳۲۹ھ

(۱۸) عثمان ذوالنورین ۔ مولانا سعید احمد اکبرآبادی

(۱۹) الملل والنحل ۔ امام شہرستانی

(۲۰) ازالۃ الخفاء ۔ شاہ ولی اللہ المحدث دہلوی ۱۱۷۶ھ

(۲۱) ضحی الاسلام ۔ ڈاکٹر احمد امین

(۲۲) تاریخ المذاہب الاسلامیہ ۔ محمد ابوزہرہ

(۲۳) حقیقۃ رافضیۃ ۔ ڈاکٹر یوسف نگرامی

بابت سنہ ۱۴۱۵ھ

دوسرا مُحاضرۂ علمیہ

بر موضوع

ردِّ شیعیت

پیش کردہ

جناب مولانا محمد جمال صاحب

استاذِ تفسیر دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱) شیعوں کی بنیادی کتابوں کا تعارف (۲) شیعوں کی شخصیات کا تعارف (۳) ردشیعیت پر لکھی گئی کتابوں کا تعارف (۴) اکابر دارالعلوم کی ردشیعیت میں خدمات (۵) مسئلہ امامت

الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی النبی الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ومن تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین وقال اللہ تعالیٰ

ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعًا لست منھم فی شیءٍ" (انعام)

ترجمہ:۔ بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں راہیں نکالیں اور بہت فرقے ہو گئے تجھ کو ان سے کوئی سروکار نہیں۔

شیعہ مذہب میں کتمان عقیدہ کا حکم

ابتداء میں شیعہ مذہب اور ان کی کتابوں نیز انکے عقائد سے عام ناواقفیت رہی اس کی ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ شیعہ مذہب میں اپنے دین اور عقائد کو ظاہر نہ کرنے کا سخت تاکیدی حکم ہے۔ کتمان مذہب کے سلسلہ میں شیعوں کے چھٹے امام جعفر صادق کی جانب منسوب قول محمد بن یعقوب کلینی اپنی مشہور کتاب اصول کافی ص۴۸۵ جلد ۲ پر نقل فرماتے ہیں۔:

"انکم علیٰ دین من کتمہٗ اعزہٗ اللہ ومن اذاعہٗ اذلہ اللہ"

"تم ایسے دین پر ہو کہ جو اس کو چھپائے گا اللہ تعالیٰ اس کو عزت عطا فرمائے گا اور جو اس کو ظاہر کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل و رسوا کرے گا۔"

شیعہ مذہب کی اس تعلیم کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ جب تک پریس کے ذریعہ عربی فارسی کتابوں کی طباعت کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا بلکہ ہاتھ ہی سے کتابیں لکھی جاتی تھیں۔ شیعہ علماء کے علاوہ دیگر حضرات ان کی کتابوں سے کماحقہٗ واقف نہ ہو سکے۔ اس لیے کہ شیعہ مذہب کی اہم کتابیں شیعہ علماء ہی کے پاس ہوتی تھیں اور وہ کتمان کے تاکیدی حکم کی وجہ سے غیر شیعہ کو دینا تو درکنار یہ کوشش کرتے تھے کہ ہوا بھی نہ لگ جائے۔

اس دور میں علماء اہل سنت میں سے بعض خاص ہی حضرات اپنی غیر معمولی کوششوں سے بعض کتابوں کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے، ان ہی خوش قسمت حضرات میں سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے صاحب زادے شاہ عبدالعزیز رح بھی ہیں۔ بعد میں جب دینی کتابیں چھپنے لگیں اور طباعت کا رواج عام ہو گیا جس کی وجہ سے شیعہ مذہب کی کتابیں بھی دستیاب ہونے لگیں۔ تب بھی علماء کرام نے عام طور پر ان کتابوں کے مطالعہ کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں کی۔ سوائے ان چند حضرات کے کہ جن کو اپنے مخصوص مقامی اور علاقائی حالات یا کسی اور وجہ سے ان کتابوں کے مطالعہ کا احساس ہوا، ان حضرات نے مطالعہ کیا اور پھر اپنی تصنیفات کے ذریعہ دوسروں کو واقف کرانے کی کوشش کی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہمارے علماء میں سے ایک مخصوص طبقہ کے علاوہ عام طور سے علمائے نے ان کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا۔ اور جب علماء کا یہ حال ہے تو عوام کا ذکر اور شکایت ہی کیا۔؟

شیعہ مذہب کی اہم کتابوں کا اجمالی تعارف

یوں تو شیعہ مذہب کی سینکڑوں کتابیں ہیں، ہم ان میں سے صرف اہم کتابوں کا اختصار کے ساتھ تعارف کراتے ہیں۔ اہل تشیع میں قیس بن سلیم بن قیس ہلالی پہلا وہ شخص ہے جس نے شیعوں کے اخبار میں کتاب تصنیف کی، اور شیعوں کے تمام فرقوں نے اسکو نظر اعتبار سے دیکھا اور اب بھی اس کو ایک نایاب چیز سمجھتے ہیں۔

فرقۂ سبائیہ کی کتابیں فرقۂ سبائیہ کی کوئی معقول کتاب نہیں ہے مگر ان کے فقہا کا تھوڑا سا جمع کیا ہوا ذخیرہ ہے جس میں حضرت علی رض کی کچھ تعریف اور آپ کی علامات الوہیت، آپ کے خوارق عادات وافعال، اور یہ کہ آپ شہید نہیں ہوئے، بلکہ آسمان پر اٹھا لیے گئے اور اب پھر نزول فرمائیں گے، درج ہے۔

فرقۂ حلولیہ کی کتابیں اس فرقہ کے پاس کچھ مختصر ذخیرہ ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ اوّل محض روح کی شکل میں تھا۔ پھر قالب آدم میں داخل ہوا۔ پھر پشت در پشت انبیاء کے اجسام میں حلول کرتا اور منتقل ہوتا ہوا حضرت علی رض اور آپ کی ذریت تک پہنچا۔

فرقۂ کیسانیہ کی کتابیں فرقہ کیسانیہ کے پاس بھی چند زٹلیات کے علاوہ کچھ نہیں ہے محمد بن حنفیہ کا کچھ فرضی حال اور ان کے کچھ خوارق عادات ان کی کرامات، دیوؤں اور پریوں سے ان کی نبرد آزمائی، جنوں کو مسخر اور تابع کرنے کے واقعات، اس کے ضمن میں حضرت علی رض کی جانب منسوب چند نصوص آپ کی اور آپ کی اولاد کی خلافت کے بارے میں مذکور ہیں۔

فرقۂ زیدیہ کی کتابیں ابتداء میں زیدیہ کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی۔ اصول میں معتزلہ اور فروع میں حنفیہ کے خوشہ چین تھے۔ بعد میں ان کے علماء نے مسائل فقہ میں اجتہاد کرنا شروع کیا اور اپنے اجتہادی مسائل کو جمع کر لیا۔ اس کے بعد اصول و فروع میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں، فروع میں ان کے یہاں کتاب الاحکام معتبر سمجھی جاتی ہے جو بلاد یمن و حجاز میں شرفاء کے پاس ملتی ہے۔ اور اصول میں عقیدۃ الالیاس ہے جو مدلل اور ابواب وفصول پر مرتب ہے۔ اس کے رد میں شیخ ابراہیم کردی مدنی نے ایک مبسوط کتاب "نبراس" نام سے لکھی ہے۔ حدیث واخبار میں بھی ان کے پاس کچھ ذخیرہ ہے۔

فرقۂ اسماعیلیہ کی کتابیں اس فرقہ کے پاس دولت عبیدیئین سے پہلے سوائے کتاب البیان کے اور کوئی کتاب نہیں تھی۔ البتہ مہدی کے خروج کے بعد جب کہ اس کا اور اس کی اولاد کا تسلط مصر و مغرب پر ہو گیا تو بہت سی کتابیں

معرض وجود میں آئیں، ان کا سب سے اچھا مصنف نعمان بن منصور قاضی ہے۔ اس فرقہ کی چند کتابیں یہ ہیں:

۱۔ کتاب اصول مذہب۔
۲۔ کتاب الاخیار فی الفقہ۔
۳۔ کتاب الرد علی المخالفین۔
اس کتاب میں امام ابوحنیفہ، شافعی، مالک اور ابن شریح رحمۃ اللہ کا رد ہے۔
۴۔ کتاب الفقہاء۔
۵۔ کتاب الانتصار فی الفقہ
۶۔ کتاب المناقب والمثالب
۷۔ کتاب الدعوۃ العبیدیہ۔

جب عبیدیئین کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا تو ان کی کتابیں بھی ناپید ہوگئیں، البتہ خال خال... بلاد عدن یا بعض اطراف یمن میں جہاں اس مذہب کے ماننے والے رہتے ہیں ملتی ہیں۔ مزید تفصیل کیلیے تحفہ اثنا عشریہ کی طرف رجوع کریں [1]

فرقہ نزاریہ کی کتابیں اس فرقہ کے پاس خاصی کتابیں ہیں جن کے مصنف ابن صباح اور نصیر الدین طوسی صاحب تجرید العقائد ہیں۔ محقق طوسی اگرچہ خود شیعہ اثنا عشری تھا مگر بعض سلاطین کی فرمائش پر مذہب نزاریہ میں بھی اس نے کتابیں لکھی ہیں، سلطان جلال الدین نے چونکہ اپنے آباء واجداد کے مذہب کو ترک کر دیا تھا اس لیے اس نے ان کے کتبخانہ کو نذرِ آتش کر دیا۔ فتنہ چنگیزی کے وقت نہ تو ان کے فرقے ہی رہے اور نہ کتابیں

فرقہ امامیہ کے عقائد کی کتابیں امامیہ میں سب سے پہلا مصنف ہشام بن حکم ہے۔ انکے یہاں عقائد میں مندرجہ ذیل کتابیں مشہور ہیں:

۱۔ کتاب القائم، فضل بن شاذان قمی کی نہایت مشہور اور ان کے نزدیک معتبر سمجھی جاتی ہے۔

---

[1] ترجمہ تحفہ ص۱۶۸۔

۲۔ کتابُ الیاقوت، مسیحی کی۔
۳۔ بصائرُالدرجات، محمد بن حسن صفار کی کافی مشہور ہے۔
۴۔ کتابُ التوحید والاعتقادات علی بن بابویہ کی جو کہ اعتقادات صدوق کے نام سے مشہور ہے۔
۵۔ کتابُ التوحید، حسین بن علی کی۔
۶۔ کتابُ الشافی، مرتضیٰ کی۔
۷۔ تجرید العقائد، اور اس کی شرح طوسی کی۔
۸۔ نہج الحق اور منہاج الکرامہ، ابن مطہر کی۔
۹۔ الباب الحادی عشر، مقداد کی۔
۱۰۔ نہج البلاغہ کی شرح میم کمال الدین بن میم نجرانی کی۔
۱۱۔ فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب علامہ نوری طبرسی کی۔
۱۲۔ حق الیقین اور جلاء العیون ملا باقر مجلسی اصفہانی کی
۱۳۔ احقاق الحق، شہید ثالث نور اللہ شوشتری کی۔
۱۴۔ نہج البلاغہ، شریف رضی کی۔
۱۵۔ متاخرین میں "عماد الاسلام" اور "اساس الاصول" دلدار حسین لکھنوی کی۔

تفسیر کی کتابیں

۱۔ تفسیر مجمع البیان طبری کی۔
۲۔ تفسیر البیان محمد بن حسن طوسی کی۔
۳۔ تفسیر النعمان، تفسیر العیاشی، تفسیر المحیط الاعظم، حیدر آملی کی۔
۴۔ تفسیر کنز العرفان فی احکام القرآن، مقداد کی
۵ تفسیر امام حسن عسکری۔

حدیث کی کتابیں

اہل تشیع کا خیال ہے کہ ان کے اکابر کے پاس چار سو مصنفین کی چار سو کتابیں تھیں مگر وہ بتدریج تقریباً ضائع ہو گئیں۔ اس کے بعد ایک جماعت نے ان کی تلخیص کر کے چار نسخے تیار کیے، ان میں ایک محمد بن یعقوب کلینی کی الجامع الکافی ہے اور ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی کی التہذیب اور الاستبصار فی ما اختلف فیہ الاخبار ہے۔ اور محمد بن علی بابویہ

قمی المعروف بصدوق کی ،، من لا یحضرہ الفقیہ" ہے۔ ان کے علاوہ حدیث میں اور بہت سی کتابیں ہیں جن کی تفصیل تحفہ اثنا عشریہ ص۲۰۱ پر دیکھی جا سکتی ہے۔ کلینی کی اصول کافی بقول شیعہ حضرت امام غائب کی مصدقہ ہے۔ آخری سفیر ابوالحسن علی سمیری کے ذریعہ تصدیق کرائی گئی تھی۔

الجامع الکافی پانچ جلدوں میں ہے پہلی جلد کا نام اصول کافی ہے اس میں عقائد و اخلاق کا بیان ہے۔ اس کے بعد کی تین جلدیں فروع کہلاتی ہیں، ان میں احکام و مسائل کا ذکر ہے۔ آخری جلد کا نام روضہ ہے گویا کہ یہ پوری کتاب کا تتمہ ہے۔ مطبوعہ لکھنو ۱۳۰۲ھ ڈھائی ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔

اس میں سترہ ہزار حدیثیں ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث تو برائے نام زیادہ سے زیادہ ۵ فیصدی ہوں گی۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ ائمہ کی طرف منسوب اقوال ہیں۔

اصول حدیث کی کتابیں

یہ بات قابل ذکر ہے کہ اصول حدیث میں اس فرقہ کی کوئی کتاب نہیں تھی۔ ابتداء میں اہل سنت والجماعت سے اصول حدیث کا فن حاصل کیا بعد میں کچھ قواعد و اصول کا حذف و اضافہ کر کے ایک کتاب "ہدایہ فی علم الدرایۃ" اور اس کی شرح تحفۃ القاصدین فی معرفۃ اصطلاح المحدثین تالیف کی۔

اسماء رجال کی کتابیں

جرح و تعدیل میں بھی شیعہ متقدمین کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی۔ اس فن میں سب سے پہلی کتاب کشی ہے جو نہایت مختصر ہے۔ اس کے بعد کتاب عضایری، کتاب نجاشی، کتاب ابوجعفر طوسی، اور جمال الدین ابن طاؤس کی کتاب "الخلاصہ" اور علامہ حلی کی "ایضاح" زبدۃ الاصول اور اس کی شروحات جن میں سب سے بہتر مازندانی کی شرح مانی جاتی ہے، اور ہندوستان میں شرح مولوی حمداللہ سندھی کی جو نواب صفدر جنگ کے حصول تقرب کے لیے لکھی تھی۔

فقہ کی کتابیں

فقہ میں ان کے پاس سب سے پہلی کتاب فقہ الرضا ہے اس کے علاوہ ابن مطہر حلی کی "قزب المسائل، مبسوط، استاد، منتہی طب، تحریر تذکرۃ الفقہاء، ابن بابویہ کی فلاح المسائل، اور محمد بن علی بن عثمان الکراجکی "المتوفی ۴۲۹ھ" کی کتاب الافعال، مدینۃ العلم، اور مجلس بھی شیعہ حضرات کے نزدیک مستند سمجھی جاتی ہے۔ انکے

علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں ہیں، اطناب کے خوف سے ترک کردیا ہے۔ تفصیل کے لیے تحفہ کی جانب رجوع کریں۔

اہل تشیع کے بعض فرقوں کے علوم وفنون شلاً کلام، عقائد، تفسیر کا دارومدار احادیث اور محدثین پر ہے اور ان کی تمام احادیث کا ذخیرہ باجماع اثنا عشریہ چار نسخوں میں محصور ہے جن کو شیعہ حضرات اصح الکتب اور اصول اربعہ کہتے ہیں۔ وہ یہ ہیں:

۱:- اصول کافی۔
۲:- تہذیب۔
۳:- الاستبصار
۴:- من لا یحضرہ الفقیہ۔

ابوجعفر طوسی، شریف مرتضیٰ فخرالدین ملقب بمحقق حلی کی تصریح کے مطابق مذکورہ چاروں کتابوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔

مذکورہ چار کتابوں میں کون اصح ہے

اس بات میں علماء اثنا عشریہ مختلف الرائے ہیں کہ مذکورہ چاروں کتابوں میں کون صحیح ہے۔ بعض علماء کافی کو اصح کہتے ہیں اور بعض من لا یحضرہ الفقیہ کو۔ ان کے اکابر عظام نے فیصلہ کیا ہے کہ اصول میں کافی اور تہذیب اور استبصار احسن ہیں اور من لا یحضرہ الفقیہ حسن ہے نہ کہ احسن۔

شیعہ مذہب کے مختلف فرقوں کے علماء کا تعارف

فرقہ غلاۃ کے علماء اس فرقہ کے عقائد اور اقسام کا ذکر پہلے محاضرہ ۱۳۱۵ھ میں ہو چکا ہے اس فرقہ کا بانی سب سے بڑا عالم عبداللہ ابن سبا المعروف بابن سوا د یہودی یمنی ہے۔ اس کے بعد ابو کامل، مغیرہ عجلی، امام جعفر صادق نے ان دونوں سے نفرت کا اظہار کیا ہے اور ان کی تکذیب کی ہے۔ امام جعفر نے فرمایا۔

"انهما يفترِيان علينا اهل البيت ويرويان الاكاذيب"[1]

ترجمہ:- یہ ہم اہل بیت پر افترا کرتے ہیں اور ہم سے جھوٹی روایتیں بیان کرتے ہیں۔

فرقہ کیسانیہ کے اہم علماء ان کا سب سے بڑا عالم کیسان ہے جو خود کو محمد بن علی رض کا شاگرد کہتا تھا۔ اس کے بعد ابو کریب ضریر، عبداللہ بن حرب ہیں،

فرقہ زیدیہ کے اہم علماء ان کا سب سے بڑا عالم یحیٰی بن زید ہے۔ یہ حضرت امام حسین رض کا پوتا ہے۔ ان کے بڑے علماء میں ناصر بھی ہے جس کا مذہب ہے کہ وضو میں ------ پیر دھوئے بھی جائیں اور مسح بھی کیا جائے۔ نیز ہارون بھی بڑے علماء میں شمار ہوتا ہے۔ اس نے ۲۰۸ھ کے بعد اس مذہب کو رواج دیا، اس کا بیٹا مرتضیٰ بھی بڑے علماء میں شمار ہوتا ہے۔ یہ حسینی سادات سے ہیں۔

فرقہ اسماعیلیہ کے علماء ان کے اہم علماء میں مبارک، عبداللہ میمون قداح جو کتاب البیان کا مصنف ہے اور محمد بن علی برقعی ہیں۔

فرقہ مہدویہ کے علماء یہ فرقہ اسماعیلیہ ہی کی ایک شاخ ہے۔ ابتداء میں نہ تو ان کا کوئی عالم تھا اور نہ کوئی کتاب۔ لیکن جب دیار مصر میں ان کا اقتدار مستحکم

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ۔

ہوگیا اور لوگ مالی لالچ سے ان کے مذہب میں داخل ہوئے تو ان میں بھی علماء و فضلا پیدا ہوئے ان کے چوٹی کے علماء میں ابوالحسن بن نعمان اور ابوعبداللہ محمد بن نعمان شمار ہوتے ہیں۔

ابوالقاسم عبدالعزیز حاکم کے زمانہ میں فقیہ عمارہ یمنی نے مال و جاہ کی لالچ میں اس مذہب کو قبول کرلیا تھا۔ یہ بہت بڑا عالم شمار ہوتا تھا۔ مہدی کی اولاد میں بھی بعض علماء گزرے ہیں۔ مثلاً عزیز باللہ جو خود شاعر و ادیب اور فاضل شخص تھا۔ اسی طرح معز اور اس کا بیٹا حاکم بھی بڑے علماء میں شمار ہوتے تھے، ان میں سے اکثریت غیب دانی کا دعوی کرتی تھی۔ حاکم کہا کرتا تھا کہ کوہ طور پر میرے ساتھ اسی طرح مکالمے اور مناجات ہوئی جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوئی تھی۔ یہ شخص علم الکیمیا سے واقف تھا علم الکیمیا میں تعویذ الحاکم اس کی مشہور کتاب ہے کتاب الہیا کل بھی اس کی مشہور کتابوں میں شمار ہوتی ہے، حاکم بہت کٹر رافضی تھا۔ اس نے چند آدمیوں کو خفیہ طور سے مدینہ منورہ روانہ کیا تھا تاکہ حضرات شیخین کے جسموں کو سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کے جوار مبارک سے نکال دیں ان لوگوں نے روضہ مبارک کے پاس دھوکے سے ایک علوی کے مکان میں قیام کیا۔ رات کے وقت نقب لگایا یہاں تک کہ جسد مبارک تک پہنچ گئے۔ یکایک مدینہ پر سخت تاریکی چھاگئی اور شدید غبار اٹھا۔ ہیبتناک بجلیاں چمکنے لگیں۔ یہ ہیبتناک فضا یہاں تک بڑھی کہ اہل مدینہ کو اپنی ہلاکت کا یقین ہوگیا۔ آخر اس علوی نے امیر مدینہ کو اطلاع دی، امیر نے ان کو گرفتار کرا کر قتل کرا دیا۔ فی الفور تاریکی چھٹ گئی اور بجلیاں کوندنی بند ہوگئیں۔ قاضی فاضل ابوعبداللہ منصور سمتانی نے اپنی کتاب الاستبصار میں یہ واقعہ لکھا ہے [1]

فرقۂ نزاریہ کے علماء

فرقۂ نزاریہ کا سب سے بڑا عالم حسن بن صبا حمیری تھا۔ اس کے بعد سلیمان بن محمد کا درجہ ہے جس کا لقب اشد الدین ہے۔

فرقۂ امامیہ کے علماء

۱۔ محمد بن محمد بن النعمان بن عبدالسلام البغدادی (۳۳۶ - ۴۱۳) حلہ کے شیخ المشائخ میں شمار ہوتا تھا اس کی چھوٹی بڑی کتابیں تقریباً دو سو ہیں [2]

---

[1] بحوالہ تحفہ

[2] المنتقی صـ۱۰

۱۲۔ محمد بن علی بن عثمان الکراجکی المتوفی ۴۴۹ھ شیخ مفید کے تلامذہ میں سے ہیں۔ کراجک باب واسط کے پاس ایک قریہ ہے۔

۱۳۔ ابوالقاسم علی بن الحسین بن موسی المعروف بالمرتضی (۳۵۵-۴۳۶) یہ محمد بن حسین المعروف برضی شاعر (۳۵۹-۴۰۶) کا بھائی ہے۔ ان دونوں بھائیوں نے امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ کے خطبوں میں اپنی طرف سے کافی اضافہ کیا ہے اور صحابہ کرام پر سخت تعریض کی ہے حالانکہ جناب امیر اس سے بری ہیں۔ اور ان کے اخلاق کریمانہ سے نہایت بعید ہے۔[1]

۱۴۔ ابن علقمی موید الدین محمد دولت عباسیہ کے آخری وزراء میں سے تھا، ہلاکو خاں کو خطوط کے ذریعہ بغداد پر حملہ آور ہونے کی دعوت اور ترغیب دی تھی جس کے نتیجہ میں دولت عباسیہ کا خاتمہ ہوگیا۔ المتوفی ۶۵۸ھ[2]

۱۵۔ ہشام بن الکلبی یہ ابوالمنذر ہشام بن محمد بن سائب مورخ اور نساب تھا۔ المتوفی ۲۰۴ھ امام احمد بن حنبل رہ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے:

"قصہ گو اور مورخ ہے"۔

ابن عساکر نے کہا ہے: "کٹر رافضی تھا غیر ثقہ ہے"[3]

۱۶۔ حسن بن یوسف بن علی المطہر الحلی (۶۴۸-۷۲۶) اعیان شیعہ میں سے ہے۔۔۔ نصیر الدین طوسی کے مخصوص تلامذہ میں شمار ہوتا ہے۔

۱۷۔ ہشام بن الحکم، کندہ کا غلام تھا، ابوشاکر کی زیر نگرانی تربیت پائی تھی۔ ملحد اور زندیق تھا، خدا کے لیے جسم کا عقیدہ رکھتا تھا۔ ۱۹۹ھ میں وفات پائی۔

۱۸۔ ہشام ابن سالم جوالیقی بشر بن مروان کا غلام تھا۔ خدا کے لیے صورت کا عقیدہ رکھتا تھا، اس کا عقیدہ تھا کہ اللہ سر سے ناف تک ٹھوس اور ناف سے پیروں تک خالی ہے۔ ہشام بن الحکم اور شیطان الطاق کا معاصر ہے۔

---

[1] المنتقی صفحہ ۲۰ [3] ایضاً صفحہ ۲۴۔

[2] ایضاً؛

۱۹۔ یونس بن عبدالرحمن القمی یہ مولا بن علی یقطین کا غلام تھا۔ ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا۔ موسیٰ رضا کا معاصر ہے، فاسد عقیدہ رکھتا تھا اس کے باوجود شیعہ اس کو ثقہ کہتے ہیں۔

مذکورہ چاروں کتابوں کے راویوں کی حیثیت

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے راویوں میں ہمہ رنگ کے راوی ملتے ہیں۔ یہاں ان میں سے صرف بعض کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ان میں بعض مجسمیہ بھی ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ خدا کے جسم ہے۔ ہشامین اور صاحب الطاق کا بھی عقیدہ تھا۔ بعض راوی ایسے بھی ہیں کہ جو خدا کو ازل میں جاہل مانتے ہیں۔ جیسے زرارہ بن اعین اور بکیر بن اعین اور احولین، سلمان، محمد بن مسلم وغیرہ۔ ان کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ ان کے علاوہ ان میں ایسے بدعقیدہ بھی ہیں جو کسی امام کو نہیں مانتے یا امام وقت کو نہیں مانتے۔ جیسا کہ بنی فضال، ابن مہران، ابن بکیر وغیرہ۔ بعض ان میں وہ ہیں جو وضاع حدیث ہیں جن کے متعلق شیعہ حضرات کے علماء نے اقرار کیا ہے کہ ان کا یہی پیشہ تھا۔ مثلاً جعفر فرادی اور ابن عباش، اور بعض ایسے ہیں جو خود شیعہ حضرات کے نزدیک کذاب ہیں۔ مثلاً محمد بن عیسیٰ اور نامعلوم الحال جیسے ابن عمارہ ابن مسکان، ابن سکر، زید یمانی، نیز کتابوں کی سندوں کی آخری کڑیاں ایسے لوگ ہیں جو گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے تھے اور امام وقت کا ان پر غضب ہے۔ جیسے حضرت علیؓ کے لشکری حضرت سبط مجتبیٰ امام حسن کے فوجی امام حسن کے ساتھ غداری اور بے وفائی کرنے والے۔ چنانچہ اصول کافی ابن عباش کی روایات سے بھری پڑی ہے جس پر سب کا اتفاق ہے کہ کذاب اور وضاع حدیث تھا۔ اسی طرح ابوجعفر طوسی ایسے لوگوں سے روایت کرتا ہے کہ جن کا دعویٰ ہے کہ وہ براہ راست امام عالی مقام سے روایت کرتے ہیں حالانکہ ان کو صحبت نصیب نہیں ہے۔ امام کے دوستوں نے ان کی نہایت شد و مد سے مذمت کی ہے اور کہا ہے کہ ان کو امام کی ملاقات نصیب نہیں ہوئی۔ مثلاً ابن مسکان جو براہ راست امام جعفر صادق سے روایت کرتا ہے مگر امام جعفر صادق کے دوسرے دوست اس کی تکذیب کرتے ہیں۔

حیرت تو شریف مرتضیٰ پر ہے کہ عقل و سمجھ رکھتے ہوئے یہ دعویٰ کر بیٹھا کہ ہمارے فرقہ کی تمام احادیث درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں، حالانکہ خود ان کے علماء نے اپنی کتابوں میں صاف لکھا ہے کہ سوائے حدیث " من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہٗ من النار" کے کوئی حدیث

متواتر نہیں ہے اور شیخ مقتول نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ انکے ثقات کی ایک جماعت ایک حدیث کو صحیح قرار دیتی ہے۔ اور ثقات کی دوسری جماعت اسی حدیث کو موضوع قرار دیتی ہے۔ مثلاً ابن بابویہ نے ان احادیث کو موضوع قرار دیا ہے جو تحریف قرآن کے بارے میں ہیں اور یہی روایات کلینی کی کافی میں ہیں۔ اس کے گمان کے مطابق صحیح سندوں سے لائی گئی ہیں۔ اسی طرح ابن مطہر حلی حدیث لیلۃ التعریس اور حدیث ذوالیدین کو موضوع قرار دیتا ہے جو کہ کلینی کے نزدیک صحیح ہے اور کافی میں موجود ہے۔ اسی طرح شریف مرتضیٰ نے نہایت زوردار الفاظ میں خبر میثاق کو جو کہ اس کے استاذ ابن بابویہ اور محمد بن حسن صفار کی روایت ہے موضوع قرار دیا ہے حالانکہ ان کے خیال میں ان میں سے ہر ایک کی سند صحیح ہے۔

غلاۃ کے نزدیک وضع حدیث جائز ہے

غلاۃ کی ایک بڑی جماعت وضع حدیث کو جائز سمجھتی ہے۔ چنانچہ ابوالخطاب یونس بن ظبیان اور یزید بن صائغ نے بے شمار حدیثیں اپنے مذہب کی تائید میں وضع کی ہیں۔

صاحب تحفۃ القاصدین فی اصطلاح المحدثین نے اس بات کو صاف طور پر لکھا ہے[1]:

"ایک شخص بنان بن مہدی جو مشائخ امامیہ میں سے ہے اور ان کا مجتہد شمار ہوتا ہے مگر پکا زندیق ہے۔ دوسرا شخص مغیرہ بن سعید بجلی ہے جو کوفہ کا باشندہ تھا کذاب اور جادوگر تھا۔ یہ دونوں احادیث وضع کرنے میں مشہور و معروف تھے۔ ان دونوں کو خالد بن عبداللہ قسری نے قتل کرا کے جلا دیا تھا۔ ان کی عادت تھی کہ جب کسی بارے میں ان کی رائے ہوتی تھی تو اس کے لیے حدیث گھڑ لیتے تھے۔ اثنا عشریہ کے رجال میں باطنیہ، اسماعیلیہ، قرامطہ بکثرت ملتے ہیں جو کہ ان کے نزدیک کافر ہیں[2]۔

اپنے ایک اہم راوی کو امام جعفر نے دوزخی بتایا

قاضی نور اللہ شوستری، زرارہ بن اعین شیبانی کوفی المتوفی ۱۵۰ھ

---

[1] ہدیہ مجیدیہ ترجمہ اثنا عشریہ مطبوعہ مصطفائی ص۲۰۸،

[2] ترجمہ تحفہ اثنا عشریہ ص۲۰۹۔

کے حالات میزان ذہبی سے نقل کر کے اس پر سکوت اختیار کرتا ہے۔ یحییٰ نے سند کے ساتھ ابن سمان سے روایت بیان کی کہ :

"حج کے موقع پر قادسیہ میں زرارہ بن اعین سے ملاقات ہوئی تو اس نے مجھ سے کہا کہ مجھے تجھ سے بہت ضروری کام ہے، میں نے کہا کیا کام ہے؟ تو اس نے کہا کہ جب تو جعفر بن محمد باقر سے ملاقات کرے تو پہلے میرا اسلام کہنا، پھر ان سے میری جانب سے یہ معلوم کرنا کہ میں دوزخیوں میں سے ہوں یا جنتیوں میں سے۔ سمان کہتے ہیں کہ میں اس کے اس سوال سے حیران رہ گیا کہ جعفر کو یہ بات کیسے معلوم ہے۔ تو اس نے کہا۔ وہ اس بات کو جانتے ہیں، جب میں جعفر بن محمد باقر سے ملا تو میں نے عرض کیا اور سارا قصہ ان کو سنایا۔ تو انہوں نے کہا وہ دوزخیوں میں سے ہے۔ میں نے عرض کیا آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا۔ فرمایا، اس کے عقیدہ سے" [1]

قاضی نوراللہ شوشتری نے لکھا ہے کہ :

"زرارہ کے چار بھائی تھے (۱) حمران (۲) عبدالملک (۳) بکیر (۴) عبدالرحمٰن نیز زرارہ کے دو لڑکے تھے ان سب کا عقیدہ زرارہ کے مطابق تھا"

قاضی نوراللہ شوشتری عضایری سے جعفر جعفی کوفی کا حال نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے :

"جعفر خود ثقہ ہیں لیکن اس کے اکثر رواۃ جو اس سے نقل کرتے ہیں ضعیف ہیں"۔

جناب امیر اپنی شیعت کا دم بھرنے والوں کو کاذب سمجھتے تھے :

جو حضرات جناب امیر علی رض کی شیعت کا دم بھرتے تھے ان کا یہ حال تھا کہ ارتکاب کبائر کے عادی تھے۔ حضرت امیر رض کو تکلیف پہنچاتے تھے اور جناب امیر رض ان کو کذاب اور مفتری سمجھتے تھے ان کے قول پر ہرگز اعتماد نہیں کرتے تھے۔ ان میں سے بعض نے بر وقت حضرت امام حسن و حسین کی مدد سے کنارہ کشی اختیار کی اور امیر معاویہ و یزید سے خفیہ خط و کتابت کرتے تھے۔ جن حضرات نے اپنے

---

[1] لسان المیزان جلد ۲ ص ۴۷۳۔

ائمہ کے ساتھ ایسی حرکتیں کی ہوں ان سے دین لینے اور اپنا پیشوا بنانے نیز ان کی روایت
وقعت کی نظر سے دیکھنے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے ؟

جب یہ اجمال ذہن نشین ہوگیا تو اب اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں ۔

مثلاً جعفر بن محمد بن عیسیٰ ابن شاپور قواریری جس کی کنیت ابوعبداللہ ہے کذاب ہے ۔ حدیثیں
گھڑنے میں بہت ماہر ہے اسکے باوجود ان کے ثقات اس سے روایت کرتے ہیں ؛

قال النجاشی کان ابوعبد اللہ ضعیفا فی الحدیث وقال احمد بن
حسین یضع الاحادیث الخ

نجاشی نے کہا کہ ابوعبداللہ حدیث میں ضعیف ہے اور احمد بن حسین نے کہا کہ حدیثیں
وضع کرتا ہے اور اس میں خوب مشاق ہے نامعلوم راویوں سے روایت کرتا ہے ۔
میں نے بعض کو یہ کہتے سنا کہ وہ بد دین ہے حالانکہ اس سے شیخ الطائفہ ابوجعفر طوسی
نے روایت کی ہے اور اس پر اعتماد کیا ہے ۔ اسی طرح علی بن حسان واضع حدیث
ہے جس کو نجاشی نے (ضعیف جداً) کہا ہے اور بعض نے فاسد العقیدہ کہا ہے
حالانکہ کلینی نے اپنی صحیح میں اس سے روایت کی ہے ۔ محمد بن عیسیٰ نے نضر بن صباح
کو کذاب کہا ہے حالانکہ ابوعمر اور کشی نے اس سے روایت کی ۔

ہشامین کے بارے میں یہ بات پہلے محاضرہ میں گزر چکی ہے کہ یہ باری تعالیٰ کے لیے جسم اور صورت
مانتے ہیں نیز ائمہ پر صاف اور کھلا بہتان لگاتے ہیں ۔ چنانچہ شیعوں کے آٹھویں امام علی رضا نے ا
افتراء اور بہتان پر گواہی دی ہے حالانکہ ان کے محدثین کا مدار انہی کی روایت پر ہے ۔ ان کے علا
ضعیف اور مجہول راویوں کی ایک طویل فہرست ہے کہ جنکے ضعف پر انکے تمام علماء حدیث خصوصاً علماء جرح و تعد
متفق ہیں ۔ مثلاً نجاشی، غضائری، تقی الدین ابن داؤد سبکی نے ان کو ضعیف کہا ہے اور ابن م
حلی نے اپنی کتاب "خلاصہ" میں انکے ضعف کی صراحت کی ہے اس کے باوجود انکے محدثین
ان ہی راویوں سے روایت کرتے ہیں ۔ مثلاً عبداللہ مسکان جو امام جعفر صادق سے روایت کرتا
نہایت ضعیف ہے مگر اس کے باوجود محمد بن یعقوب کلینی نے "کافی" میں اور ابن بابویہ نے فـ
میں اور ابوجعفر نے تہذیب میں روایت کی ہے ۔

اصول کافی کا ایک اہم راوی اقراری کذاب ہے

شیعی احادیث کا تقریباً آدھا حصہ ایسے راویوں کی روایات سے بھرا پڑا ہے کہ جو اپنی دروغ گوئی کا اعتراف کر چکے ہیں۔ حال یہ ہے کہ ان کے نزدیک ثقہ راویوں میں سے شمار ہوتے ہیں۔ مثلاً ابوبصیر کہ اصول کافی کا ایک چوتھائی حصہ اسی کی روایتوں سے بھرا پڑا ہے۔ کلینی ابوبصیر کے بارے میں خود اسی کا قول نقل کرتا ہے :

"کنت اسمعُ الحدیث من الصادق وارویہ عن ابیہ واسمعہ عن ابیہ وارویہ عنہ"

اس نے اقرار کیا کہ ایک ایک حدیث حضرت جعفر صادق سے سنتا ہوں اور انکے والد سے روایت کر دیتا ہوں۔ اور اگر ان کے والد سے سنتا ہوں تو خود حضرت صادق سے روایت کر دیتا ہوں۔ اور یہ ابوبصیر وہی تو ہے کہ جس نے بقول اہل تشیع امام کے منع کرنے کے باوجود ان کے راز کو اس قدر شہرت دی کہ اس نے کتب شیعہ میں جگہ لے لی۔"[1]

شیعہ حضرات کی بعض اہم شخصیات کا تعارف

ائمہ اثنا عشر اور مولفین اصول اربعہ کے علاوہ شیعہ حضرات کے نزدیک مندرجہ ذیل حضرات کا بھی اہم شخصیات میں شمار ہوتا ہے۔

۱۔ قاضی نور اللہ شوشتری شہید ثالث المتوفی ۱۰۱۹ھ احقاق حق جو کہ شیعہ حضرات کے نزدیک معتبر اور مستند کتاب سمجھی جاتی ہے موصوف ہی کی تصنیف ہے۔ قاضی صاحب جب لاہور پہنچے تو اکبر بادشاہ نے ان کو قاضی مقرر کر دیا۔ موصوف بادشاہ جہانگیر کے دور میں شیعہ محدثین و مجتہدین میں شمار ہوتے تھے مگر زندگی بھر تقیہ کا نقاب ڈال کر خود کو اہل سنت والجماعت

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ۔

ظاہر کرتے رہے یہاں تک کہ قاضی القضاۃ کے منصب تک رسائی حاصل کرلی۔ مگر جب جہانگیر کو اس کے اصل عقائد کا علم ہوا تو اس کو قتل کرا دیا اسی لیے اس کو شہید کہتے ہیں۔[1]

۲۔ علامہ نوری طبری۔ ان کا نام احمد ابو منصور نوری طبری ہے۔ تیسری صدی کے شیعہ علماء میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ شیخ طبری اول کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں، ان میں سے ایک احتجاج علی اہل اللجاج، اور دوسری الانتصار لاہل البینت ہے شیعہ حضرات کے نزدیک ان کا مقام و مرتبہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب ۳۲۰ھ میں موصوف کا انتقال ہوا تو ان کو نجف اشرف میں مشہد مرتضوی کی عمارت میں دفن کیا گیا جو شیعہ حضرات کے نزدیک اقدس بقعہ یعنی روئے زمین کا مقدس ترین مقام سمجھا جاتا ہے۔ فصل الخطاب موصوف ہی کی تصنیف ہے جو اہل تشیع کے نزدیک معرکۃ الآراء کتابوں میں شمار ہوتی ہے جس کا پورا نام "فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب" ہے۔ جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے۔ یہ کتاب اللہ میں تحریف کو ثابت کرنے کے لیے لکھی گئی ہے۔ شیعہ حضرات کو اس کتاب پر بڑا فخر ہے۔

۳۔ ہشام بن الحکم، یہ کبار شیعہ متکلمین میں سے ہے کوفہ میں پرورش پائی تھی ۱۹۹ھ میں بغداد میں آیا تھا۔ یحییٰ برمکی سے تقرب حاصل کرلیا تھا یہ دراصل بنی شیبان کا غلام تھا امام جعفر صادق کے شاگردوں میں شمار ہوتا ہے۔ برامکہ کے نزدیک اس کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ اپنے زمانہ کا بڑا مناظر بھی تھا۔ اس کے بعض مناظرے کتب ادب میں منقول ہیں۔

۴۔ شیطان الطاق، شیعہ حضرات اس کو مومن الطاق کہتے ہیں اس کا نام محمد بن نعمان ہے، اہل سنت والجماعت شیطان الطاق کہتے ہیں۔ ایک مناظرہ جو کہ ابو خدرہ خارجی کے ساتھ ہوا تھا۔ بہت مشہور ہے جس کی تفصیل ڈاکٹر احمد امین کی کتاب ضحی الاسلام[2] پر ملاحظہ فرمائیں۔

---

[1] اتحادی فتنہ قاضی مظہر حسین پاکستان۔

ردِ شیعیت میں عُلماء حق کی تصانیف

حق وباطل کی جنگ، نیکی وبدی کا معرکہ، فرعون وموسیٰ کا مقابلہ ہر دور میں رہا ہے اور آئندہ تاقیامت رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے باطل کی سرکوبی کے لیے ہر دور میں حق کو کسی نہ کسی روپ میں ظاہر فرمایا ہے اور آئندہ بھی فرماتا رہے گا۔ ابتداء میں باطل بڑی قوت وشدت کے ساتھ حق کے مقابلہ میں آتا ہے۔ مگر آخرکار اللہ تعالیٰ باطل کے سر پر حق کا ایسا ہتھوڑا مارتا ہے کہ باطل کا سر پاش پاش ہوتا ہے:

بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ فاذا ھو زاھق۔ (سورۃ الانبیاء)

ہم حق کو باطل کے سر پر دے مارتے ہیں سو وہ حق وباطل کا بھیجہ نکال دیتا ہے کہ باطل مغلوب ہوکر دفع ہوجاتا ہے۔

ماضی میں جس دور میں بھی باطل نے سر اٹھایا ہے تو باطل کا سر توڑنے کے لیے علماء حق بروقت میدان میں آئے ہیں۔ خاص طور سے اکابر دارالعلوم دیوبند سربکف ہوکر باطل کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوگئے ہیں۔ انہی باطل فتنوں میں سے ایک سبائی فتنہ بھی ہے۔ سبائی فتنہ دراصل ابتداء اسلام ہی سے اسلام کے خلاف ایک منظم تحریک ہے جس کا مقصد اسلام کی بیخ کنی اور یہودیت کا احیاء اور اس کی ترویج وتبلیغ ہے۔

سبائی تحریک کا مقصد یہودی نظام حکومت قائم کرنا ہے

اصول کافی میں کلینی نے امام جعفر سے ایک روایت کی ہے۔ امام جعفر نے فرمایا:

"دنیا اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک میری نسل سے ایک آدمی نہ نکلے جو آل داؤد کے نظام پر فیصلے کرے گا گواہ نہ مانگے گا۔ ہر شخص کو اس کا حق دے گا۔" [1]

علامہ ساباطی کہتے ہیں کہ:

---

[1] اصول کافی جلد ۱ ص ۳۹۷۔

"میں نے امام جعفر سے معلوم کیا کہ آپ فیصلے کس قانون پر کرتے ہیں۔ فرمایا' اللہ اور حضرت داؤد علیہ السلام کے قانون پر" [1]

مذکورہ روایات سے واضح ہوتا ہے کہ شیعی نظام امامت کا مقصد دراصل یہودیت کی ترویج اور اسرائیلی حکومت پوری دنیا پر قائم کرنا ہے کوئی امام یہ نہیں کہتا کہ وہ قرآن وسنت محمدی کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ بار بار داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کا نام لیتے ہیں حالانکہ پہلی شریعتیں اور نظامہائے عدالت منسوخ ہو چکے ہیں۔

جب بھی اس سبائی فتنہ نے ہندوستان میں سر اٹھایا ہے تو علماء حق اور اکابر دارالعلوم اس کی سرکوبی کے لیے میدان میں آئے ہیں، اور قلم وزبان' تحریر وبیان نیز سیف وسنان کے ذریعہ اس فتنہ کا مقابلہ کر کے دفن درگور کر دیا ہے۔ ہم اسی سلسلہ میں اولاً علماء حق کی بعض اہم تصنیفات کا ذکر کرتے ہیں:۔

ردشیعیت میں علماء حق کی چند اہم کتابوں کا تعارف

منہاج السنۃ النبویہ فی نقض کلام الشیعہ والقدریہ۔ اسکا دوسرا نام منہاج الاعتدال فی نقض کلام اہل الرفض والاعتزال بھی ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ابوالعباس، تقی الدین، احمد بن عبدالحلیم الحرانی، الدمشقی، الحنبلی، المتوفی ۷۲۸ھ کی تصنیف ہے۔ چار جلدیں ہیں۔ تقریباً ایک ہزار تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔ مکتبہ الریاض کی مطبوعہ ہے۔ موصوف نے یہ کتاب حسن بن یوسف بن علی بن المطہر الحلی المتوفی ۷۲۶ھ کی کتاب منہاج الکرامہ فی معرفۃ الامامہ کے جواب میں تحریر فرمائی ہے۔

منہاج الکرامہ کی وجہ تصنیف

ابن مطہر حلی نے ایلخانیہ کے آٹھویں اور آل چنگیز کے چھٹے بادشاہ خدابندہ کے لیے لکھی تھی۔ خدابندہ کا اصل نام جاتیو تھا جس کا زمانہ (۶۸۰ — ۷۱۶) ہے۔ خدابندہ کا والد ارغوان بت پرست تھا۔ ارغوان کے دو لڑکے تھے۔ ایک کا نام جاتیو عرف خدابندہ تھا۔ اور دوسرے کا نام غازان تھا۔ یہ دونوں لڑکے سیاسی

---

[1] عقائد الشیعہ ص ۲۔

مصلحت کی وجہ سے مسلمان ہو گئے تھے ۔ غازان نے اہل سنت والجماعت کا طریقہ اختیار کیا۔ جب اقتدار اس کے بھائی خدابندہ کی طرف منتقل ہوا تو ۷۰۳ھ میں خدابندہ پر شیعہ مبلغین کا اثر غالب ہو گیا جس کی وجہ سے خدابندہ اہل تشیع کے زیر اثر آ گیا۔

ایک روز خدابندہ کسی وجہ سے اپنی بیوی سے ناراض ہو گیا جس کی وجہ سے تین طلاقیں دے دی اس کے بعد اس نے چاہا کہ مطلقہ بیوی کو اپنے حرم میں دوبارہ داخل کرے ۔ علماء اہل سنت سے فتویٰ طلب کیا گیا۔ علماء نے فتویٰ دیا کہ حلالہ کے علاوہ اس کی اور کوئی شکل نہیں ہے ۔ یہ بات خدابندہ کو ناپسند تھی۔ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شیعہ علماء اور حاشیہ نشینوں نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ کسی ایسے مفتی سے فتویٰ طلب کیا جائے جو حلت کا فتویٰ دے دے ۔ چنانچہ ابن مطہر حلی کو بلایا گیا ابن مطہر نے بادشاہ سے سوال کیا، کیا آپ نے دو عادل گواہوں کے سامنے طلاق دی ہے. بادشاہ نے کہا نہیں. چنانچہ ابن مطہر نے فتویٰ دے دیا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی. خدابندہ اس فتوے سے بہت خوش ہوا۔

ابن مطہر کی تحریک و تلقین کی وجہ سے خدابندہ نے ملک کے تمام عمال کو سرکاری حکم نافذ کر دیا کہ جمعہ کے خطبوں میں ائمہ اثنا عشر کے نام پڑھے جائیں اور اپنے سکہ پر بھی بارہ اماموں کے نام کندہ کرا دیئے۔ اور یہ بھی حکم دے دیا کہ مساجد کی دیواروں پر ائمہ کے نام نقش کرائے جائیں ۔ ابن مطہر کے اس فتویٰ کی وجہ سے سرکاری مذہب شیعہ ہو گیا ۔[1]

۲۔ نہج السلامہ فی مباحث الامامہ ، شہاب الدین محمود آلوسی صاحب روح المعانی ۔ المتوفی ۱۲۷۰ھ

۳۔ تحفہ اثنا عشریہ فارسی ، شاہ عبدالعزیز ابن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی ۱۲۳۹ھ رد روافض میں بہت نفیس کتاب ہے بعد میں رد شیعیت میں جتنی کتابیں لکھی گئیں ہیں اکثر مصنفین نے اسی سے استفادہ کیا ہے. مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ۷۴۳ صفحات پر مشتمل ہے ۔ رد روافض میں بیش بہا معلومات کا خزینہ ہے ۔

---

[1] المنتقی للذہبی ص۱۷ حاشیہ محب الدین خطیب ۔

کتاب	مصنف
۱۳۔ منتہی الکلام ؛	مولانا حیدر علی فیض آبادی کی ردشیعیت پر نہایت عمدہ کتاب ہے۔
۱۴۔ ازالۃ الغین ؛	〃 〃 〃 〃 〃 〃
۱۵۔ دفع الباطل ؛	〃 〃 〃 〃 〃 〃
۱۶۔ آیات بینات ؛	
۱۷۔ الکافی للاعتقاد الصافی ؛	حکیم محمد رحیم اللہ بجنوری شاگرد رشید حضرت نانوتوی رح
۱۸۔ ابطال اصول الشیعہ بالدلائل عقلیہ والنقلیہ ؛	〃 〃 〃 〃 〃
۱۹۔ نصیحۃ الشیعہ ؛	مولانا احتشام الحق صاحب مراد آبادی
۲۰۔ اظہار الحق ؛	مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی لکھنوی کی عمدہ کتاب ہے
۲۱۔ النصرۃ الغیبیہ علی فرقۃ الشیعہ ؛	〃 〃 〃 〃 〃
۲۲۔ اجوبۃ المتحیرین فی ترک کتاب المبین ؛	〃 〃 〃 〃 〃 〃
۲۳۔ تحذیر المسلمین ؛	〃 〃 〃 〃 〃
۲۴۔ رسالہ النجم ؛	〃 〃 〃 〃 〃

جس کا مقصد اولی ردشیعیت ہے۔ "رسالہ النجم" مختلف شمارہ مختلف عنوانات پر نہایت کار آمد اور مفید چیز ہے۔

اکابر دار العلوم کی ردشیعیت میں خدمات

کتاب	مصنف
۱۔ ہدیۃ الشیعہ ؛	حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح المتوفی ۱۲۹۷ھ
۲۔ اجوبۃ الاربعین ؛	〃 〃 〃 〃 〃 〃

اجوبۃ الاربعین کے دو حصے ہیں۔ دونوں حصے ۲۸۰ صفحات پر مشتمل ہیں حضرت مولانا یعقوب صاحب رح کے پاس کسی شیعہ نے چالیس سوالات لکھ کر بھیجے تھے۔ حضرت نے حاجی ظہور الدین کی معرفت حضرت نانوتوی قدس سرہ کی خدمت میں جواب لکھنے کے لیے ارسال فرمایا۔ حضرت

۴۔ السر الجلیل فی مسئلۃ التفضیل ؛ شاہ عبد العزیز دہلوی کی تصنیف ہے قابلِ مطالعہ ہے۔

۵۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ؛ احمد ابو الفیاض شاہ ولی اللہ بن عبد الرحیم محدث دہلوی المتوفی ۱۱۷۲ھ

مغل شہنشاہوں کے دور میں ہندوستان میں اہلِ تشیع کو کافی فروغ ہوا۔ خلفاء راشدین کی خلافت میں لوگ شبہ کرنے لگے۔ اسی زمانہ میں انہوں نے بالہام ایزدی خلفاء راشدین کی خلافت کے اثبات میں مذکورہ کتاب لکھی۔ خلفاء راشدین کی خلافت کو علی الترتیب اس طرح ثابت کیا کہ جس سے فضیلت شیخین خود بخود ثابت ہو کر شیعی عقائد کا بخوبی رد ہو گیا۔ کتاب دو مقصدوں پر مشتمل ہے۔ پہلا مقصد خلافت عامہ اور خاصہ اور اس کی شرائط کے بیان میں ہے۔ اور دوسرا مقصد خلفاء راشدین کے فضائل میں ہے۔ پوری کتاب چھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔

۶۔ قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین ؛ یہ کتاب بھی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تصنیف ہے۔

۷۔ رسالہ رد روافض ؛ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کا مختصر مگر نہایت مفید رسالہ ہے۔

۸۔ السیف المسلول ؛ قاضی ثناء اللہ پانی پتی المتوفی ۱۲۲۵ھ رد روافض میں تقریباً دو سو صفحات پر مشتمل فارسی زبان میں اچھی کتاب ہے۔

۹۔ الصواعق المحرقہ فی الرد علی اہل البدعۃ والزندقہ ؛ شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی کی بہت عمدہ کتاب ہے

۱۰۔ الشیعہ والسنہ ؛ ڈاکٹر احسان الٰہی ظہیر کی عربی تصنیف ہے تقریباً ڈیڑھ سو صفحات کی کتاب ہے۔

۱۱۔ الشیعہ فی المیزان ؛ ڈاکٹر محمد یوسف نگرامی کی عربی زبان میں تصنیف ہے۔ محمد شعیب نگرامی نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔

۱۲۔ الوشیعۃ فی نقد عقائد الشیعہ ؛ موسیٰ جار اللہ کی عربی زبان کی تصنیف ہے۔

مذہب شیعہ اور عقیدۂ امامت

اہل تشیع کی اصطلاح میں جب امام بولا جاتا ہے تو اس سے وہ ذات مراد ہوتی ہے جو معصوم عن الخطاء، مفترض الطاعت، معین من اللہ اور صفات خداوندی کی حامل ہو۔ نیز محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے علاوہ تمام انبیاء سے افضل ہو۔

اکثر اہل علم بھی اس بات سے کماحقہ واقف نہیں ہیں کہ روافض کے نزدیک امامت کی کیا حقیقت وحیثیت ہے اور ان کے نزدیک دین میں اس کا کیا مقام و مرتبہ ہے۔ اصول و اعتقادیات میں سب سے بڑی اصل اہل تشیع کے نزدیک مسئلہ امامت ہے جس پر شیعیت کا دارومدار ہے۔ اہل تشیع امامت کو اصل الاصول قرار دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے نزدیک تعین امام خدا پر واجب اور لازم ہے۔ عقیدہ امامت اہل تشیع کے نزدیک اسی طرح رکن ایمان ہے جس طرح توحید و رسالت اور عقیدہ آخرت، جس طرح توحید و رسالت کے عقیدہ کے بغیر انسان اسلام میں داخل نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح عقیدہ امامت کے بغیر بھی دائرہ اسلام سے خارج رہے گا۔ نیز امامت اسی طرح منصوص ہے جس طرح توحید و رسالت۔

مشہور رافضی عالم محسن امین لکھتے ہیں:

"امامت دین و دنیا سے متعلق مسائل کی اعلیٰ ترین ذمہ داری کا منصب ہے جس پر فائز ہونے والا نبی کا نائب یا خلیفہ کہلائے گا اور یہ تو نبوت کی طرح کا فریضہ ہے۔" ——— آگے چل کر لکھتے ہیں:

"جو دلائل اثبات نبوت کے لیے پیش کئے جاتے ہیں وہی دلائل منصب امامت کو بھی ثابت کرتے ہیں۔"[1]

---

[1] اعیان الشیعہ جلد ۲ ص ۲ بحوالہ حقیقت رافضیت۔

نانوتوی رح نے عدیم الفرصت ہونے کے باوجود بہت عجلت اور نہایت کم وقت میں نہایت مدلل جوابات تحریر فرمائے۔ اوّل حصہ میں ۲۰ سوالوں کے جواب ہیں۔ نیز ساتھ ہی مولانا عبداللہ بن مولانا محمد انصار صاحب مرحوم کے جوابات بھی مرقوم ہیں۔ دوسرا حصہ جو کہ حضرت نانوتوی کا تحریر کردہ ہے بقیہ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے۔

۳۔ فیوض قاسمیہ ؛ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ

۴۔ انتباہ المومنین ؛ " " "

۵۔ ھدایۃ الشیعہ ؛ قطب الارشاد فقیہ الامت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی۔ المتوفی ۱۳۲۳ھ۔

۶۔ ھدایات الرشید فی افحام العنید ؛ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری۔ المتوفی ۱۳۴۶ھ۔

۷۔ مطرقۃ الکرامہ علی مرآۃ الامامہ ؛ " " " "

۸۔ ارشاد الثقلین ؛ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب محدث اعظمی

مذکورہ کتابوں کے علاوہ اکابر دارالعلوم اور ابناء دارالعلوم قدیم وجدید کی ردشیعیت میں بہت سی کتابیں ہیں۔ طوالت کے خیال سے ہم نے ان کا ذکر ترک کر دیا۔

شجرۂ امامت بہ ترتیبِ اسماعیلیہ

شجرۂ امامت بہ ترتیب اثنا عشریہ
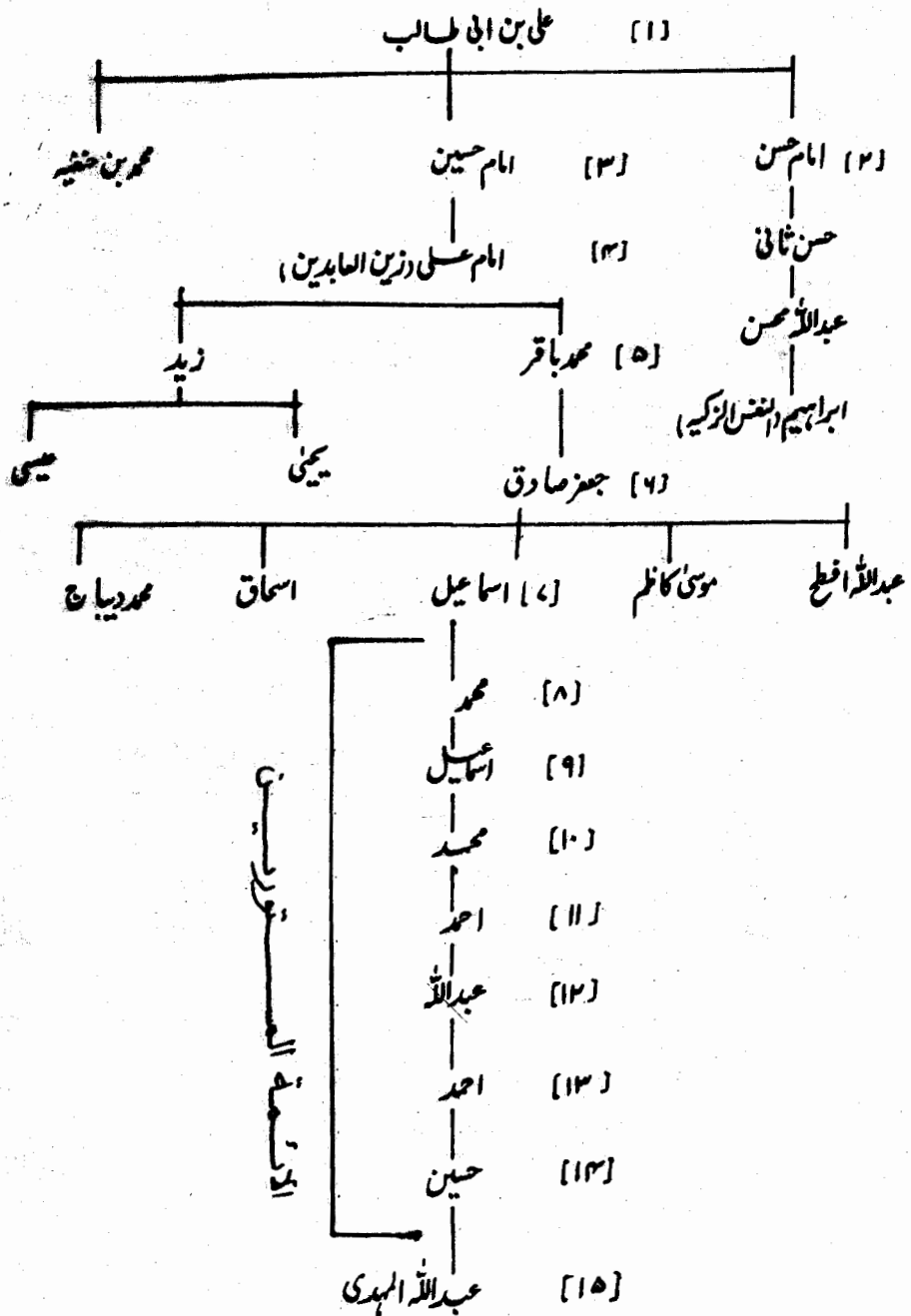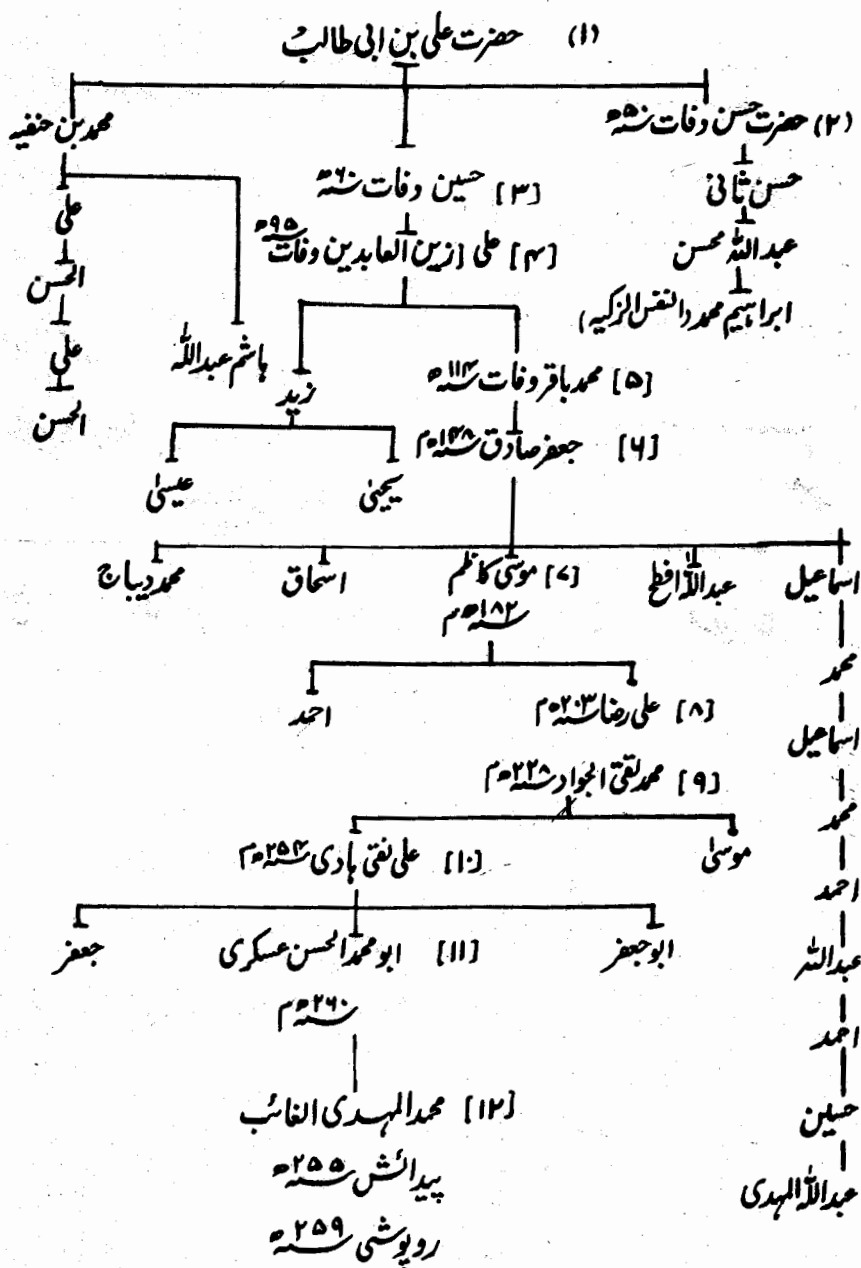
فرض کی ہے۔ ہماری معرفت کے بغیر لوگوں کو چارہ نہیں۔ ہماری پہچان نہ ہونے میں لوگوں کو معذور نہ سمجھا جائے گا (من عرفنا کان مومنا و من انکرنا کان کافرا) جس نے ہم کو پہچانا وہ مومن ہے اور جس نے ہمارا انکار کیا وہ کافر ہے۔[1]

دوسری روایت میں فرماتے ہیں:

"فلا یدخل الجنۃ الا من عرفنا و عرفناہ ولا یدخل النار الا من انکرنا و انکرناہ[2]

جنت میں صرف وہی داخل ہوگا جس نے ہم کو پہچانا اور ہم نے اس کو پہچانا۔ اور دوزخ میں صرف وہی داخل ہوگا جس نے ہمارا انکار کیا اور ہم نے اس کا انکار کیا۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدۂ امامت

اہل سنت والجماعت کے نزدیک امامت نہ بنیادی عقائد سے ہے اور نہ اصول دین سے بلکہ فروعی اور عملی مسائل میں سے ہے اہل سنت والجماعت کے نزدیک نام زدگی نہ من جانب اللہ ہوتی ہے نہ خدا پر لازم اور واجب ہے کہ وہ کسی کو امام نام زد کردے بلکہ مسلمانوں میں سے اہل حل و عقد پر لازم ہے کہ وہ اپنے درمیان سے ایک امیر منتخب کریں اور شریعت کی روشنی میں اپنے اوپر اس کی اتباع لازم سمجھیں اور امور شریعت میں امیر کی معاونت کریں۔ شارع نے امام نام زد نہیں فرمایا البتہ اس نے امیر کے اوصاف و شرائط بیان فرما دیئے ہیں۔ امیر اہل سنت والجماعت کے نزدیک شریعت کے حکم سے بالاتر نہیں ہوتا[3]

فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کا عقیدہ بلکہ عین ایمان ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت عدل اور حکمت و رحمت کے لازمی تقاضہ سے نبوت اور رسالت کا سلسلہ جاری فرمایا تھا اور بندوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے انبیاء علیہم السلام مبعوث اور نام زد ہوتے تھے جو معصوم اور

---

[1] اصول کافی جلد ۱ ص۱۸۷
[2] " " ص۱۸۴
[3] تحفہ اثنا عشریہ ص —

شیعہ اسماعیلیہ چھٹے امام جعفر صادق تک اثنا عشریہ کے ساتھ سلسلہ امامت میں متفق ہیں۔ ساتویں امام سے اختلاف شروع ہوتا ہے۔ اسماعیلیہ حضرت جعفر صادق کے بڑے صاحب زادے اسماعیل کی امامت کے قائل ہیں، اثنا عشریہ دوسرے صاحب زادے موسیٰ کاظم کی امامت کے قائل ہیں۔ اس کے بعد اسماعیلیہ کے نزدیک سلسلہ امامت اسماعیل کی اولاد میں جاری ہوا۔ اور اب بھی جاری ہے۔ اثنا عشریہ کے مانند صرف بارہ ائمہ کے قائل نہیں ہیں البتہ اسماعیلیہ امام کے نزدیک اکثر مستور رہتا ہے اور جب حالات سازگار ہوتے ہیں تو ظاہر ہوتا ہے چنانچہ ساتویں امام اسماعیل کے بعد سات امام مسلسل مستور رہے۔ آٹھویں امام عبداللہ المہدی حالات کی سازگاری کی وجہ سے ظاہر ہوئے۔ اسماعیلیہ کے نزدیک ائمہ کی تعداد محدود نہیں ہے۔ ایک امام کے انتقال کے بعد دوسرا امام خود ہی متعین ہوجاتا ہے۔ اثنا عشریہ کے نزدیک بارہویں امام محمد المہدی ۲۵۹ھ میں روپوش ہوگئے اور وہ تاقیامت حیات رہیں گے۔ دنیا انہی کے دم قدم سے قائم ہے۔ بقول شیعہ حضرات

"اگر ایک لمحہ کے لیے بھی دنیا امام سے خالی ہوجائے تو زمین دھنس جائے اور ساری کائنات فنا ہوجائے۔ یہ تمام ائمہ صاحب معجزہ تھے ان کے پاس ملائکہ اسی طرح آتے تھے۔ جس طرح انبیا علیہم السلام کے پاس آیا کرتے تھے۔

تمام ائمہ ماکان ومایکون کے عالم تھے کوئی شی ان سے پوشیدہ نہیں تھی۔ ان کے پاس بہت سے ایسے علوم تھے جو قرآن یا رسول کے ذریعہ نہیں بلکہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے دوسرے ذرائع سے حاصل ہوتے تھے۔ ائمہ کو اختیار تھا جس شئی کو چاہیں حلال یا حرام قرار دے دیں۔ ہر امام کو اپنی موت کے وقت کا بھی علم ہوتا تھا اور موت ان کے اختیار میں تھی۔ مذکورہ پوری تفصیل اصول کافی سے ماخوذ ہے جس کو ہم نے اپنے الفاظ میں نذر ناظرین کر دیا ہے" [1]

امامت کا منکر کافر ہے

(۱) امام جعفر صادق فرماتے ہیں:

"ہم ہی وہ لوگ ہیں جن کی فرمانبرداری اللہ نے

---

[1] اصول کافی جلد۱ ص۱۵۶ تا ص۱۶۱۔

"کافر سے وہ کافر مراد ہے جو اسلام میں داخل ہی نہ ہوا ہو۔ اس لیے کہ ازروئے حدیث حَرۡبُکَ حَرۡبِی کفر محارب کو مستلزم ہے لہٰذا مفتونین سے وہ کافر مراد ہوں گے جنھوں نے اسلام میں داخل ہونے کے بعد جناب امیر سے قتال کیا جس کی وجہ سے وہ مرتد اور کافر ہوئے"[1]

مذکورہ توجیہ کا جواب مذکورہ توجیہ ہمارے مدعاء کے لیے مفید ہے نہ کہ مضر۔ اس لیے کہ توجیہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ازروئے حدیث "حربک حربی" جناب امیر کے ساتھ مقابلہ کرنے والے قتال کے بعد قتال کی وجہ سے کافر ہوئے اور قتال سے پہلے جب کہ وہ صرف منکر امامت تھے بوجہ انکار امامت کافر نہیں ہوئے تھے۔ اور ہمارا مدعا بھی یہی ہے کہ انکار امامت کفر نہیں ہے۔ لہٰذا صرف لسانی اور قلبی مخالفت اور انکار امامت کفر نہ ہوئی۔ اب رہا محاربین کا کفر تو اس کا جواب ہم آئندہ سطروں میں دیں گے۔

شریف رضی نے نہج البلاغہ میں اسی مضمون کو جناب امیر سے دوسری جگہ اس سے بھی زیادہ واضح طریقہ پر نقل کیا ہے جس سے مذکورہ توجیہ پاش پاش ہو جاتی ہے:

قال یا علی ان القوم سیفتنون بعدی الی، ان قال فقلت یارسول اللّٰہ فبای المنازل انزلہم عند ذلک أبمنزلۃ ردۃ ام بمنزلۃ فتنۃ فقال بمنزلۃ فتنۃ۔[2]	اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی میرے بعد لوگ بدمذہب ہو جائیں گے میں نے دریافت کیا یارسول اللہ ان کو اس وقت کس مرتبہ میں رکھوں۔ ردت میں یا بدعت میں۔ آپ نے فرمایا بدعت میں۔

اس قول میں فتنہ کو ردت کے مقابلہ میں بیان فرمایا ہے لہٰذا ردت مراد نہیں ہو سکتی۔ اور ردت اس کفر کو کہتے ہیں جو اسلام میں داخل ہونے کے بعد حادث ہو لہٰذا دخول اسلام کے بعد بھی کفر نہ ہوا۔ اس لیے کہ اگر ردت ثابت ہوتی تو کفر حادث ہوتا اور کفر اصلی کا بطلان کلام سابق سے ثابت ہو گیا تھا۔ جب کسی قسم کا کفر ثابت نہ ہوا نہ اصلی اور نہ حادث تو مفتونین

---

[1] مطرقہ الکرامہ صـ۳۱
[2] " " " صـ۳۱

واجب الاطاعت تھے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انبیاء ورسل کے سلسلہ کے منقطع ہو جانے کے بعد بندوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے اوران پر حجت قائم کرنے کے لیے امامت کا سلسلہ قائم فرمایا۔ اور قیامت تک کے لیے بارہ امام نامزد فرما دیئے۔ بارھویں امام پر دنیا کا خاتمہ اور قیامت ہے یہ بارہ امام انبیاء کی طرح حجت اور معصوم نیز واجب الاطاعت اور مرتبہ اور درجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر اور دیگر انبیاء علیہم السلام سے افضل اور برتر ہیں۔ بارہ اماموں کی امامت کو ماننا اور ایمان لانا اس طرح شرطِ ایمان ہے جس طرح انبیاء علیہم السلام کی نبوت و رسالت پر ایمان لانا شرطِ نجات ہے۔

منکرِ امامت کے کافر نہ ہونے کی پہلی دلیل

یہ امر مسلم بین الفریقین ہے کہ تمام اصول اعتقادیات اجزاءِ مذہب ہوتے ہیں ہر اصل اعتقادی کا اعتقاد متبع مذہب پر لازم اور واجب ہوتا ہے اور اس کا انکار مذہب سے خروج سمجھا جاتا ہے اس لیے کہ ضروریاتِ دین میں سے ایک امر کا انکار بھی کفر ہے۔ اس مسلم قاعدہ کی رو سے انکارِ امامت کفر ہونا چاہیئے۔ حالانکہ جناب امیر کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ انکارِ امامت کفر نہیں ہے،

نہج البلاغہ میں جناب امیر کا قول تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"مالی ولقریش واللّٰہ لقد قاتلتھم کافرین ولاقاتلھم مفتونین"[1]

ترجمہ:۔ کیا ہے میرے اور قریش کے لیے، خدا کی قسم میں ان سے قتال کر چکا ہوں جب وہ کافر تھے۔ اور بے شک قتال کروں گا جب وہ بدمذہب ہوں گے۔

جناب امیر کے قول میں مفتونین کافرین کے مقابلہ میں واقع ہوا ہے۔ لہٰذا باغی اور منکرین امامت اور جناب امیر سے قتال کرنے والے کافر نہ ہوئے۔ لہٰذا انکارِ امامت کفر نہ ہوا۔

بعض شراحِ نہج البلاغہ کی توجیہ

نہج البلاغہ کے بعض شارحین نے جناب امیر کے مذکورہ قول کی توجیہ کی ہے کہ:

---

[1] نہج البلاغہ بحوالہ طرقہ الکرامہ ص۳۱۔

کفر نہ ہوگا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون ع وغیرہ کے قصوں میں مذکور ہے :

" یا ابن ام لاتاخذ بلحیتی ولا براسی"

اے میرے بھائی میری داڑھی اور سر نہ پکڑ۔

" فلما ذھب عن ابراھیم الروع وجاءته البشری یجادلنا فی قوم لوط ،

اور جب ابراہیم علیہ السلام سے گھبراہٹ جاتی رہی اور خوشخبری پہنچی قوم لوط کے معاملہ میں تو ہم سے جھگڑنے لگا۔

قد سمع اللّٰه قول التی تجادلك فی زوجها ۔

اللہ نے سن لی اس عورت کی جو اپنے شوہر کے معاملہ میں تجھ سے جھگڑتی تھی۔

فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللّٰه ورسوله ۔

اگر سود نہ چھوڑا تو اللہ اور اس کے رسول کی لڑائی سے خبردار ہوجاؤ۔

مذکورہ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض محاربہ اور مخالفت اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ بھی کفر نہیں ہوتے۔ لہٰذا امام کے ساتھ بھی کفر نہیں ہوں گے۔ مثلاً آیت مذکورہ میں سودخور کو چیلنج دیا گیا ہے کہ اگر وہ سودخوری سے باز نہیں آیا تو اس کو خدا اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کا چیلنج قبول کرنا چاہیے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص سودخوری سے باز نہیں آتا لیا وہ محاربہ خدا اور رسول کی وجہ سے کافر ہے۔ ؟ ظاہر ہے کہ فریقین کے نزدیک کافر نہیں ہے۔

بغاوت کی وجہ سے امام کے ساتھ محاربہ کفر نہیں ہے

وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینهما فان بغت احداهما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٔ الی امر اللّٰه ،

ترجمہ :۔ اور اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو۔ پھر اگر

کا کافر نہ ہونا ثابت ہوگیا۔ لہٰذا منکرین ائمہ خواہ وہ صرف مخالفین تھے یا محاربین کافر نہ ہوئے۔
لہٰذا ہمارا مدعا، کہ انکار امامت اور محاربہ با ائمہ کفر نہیں ہے ثابت ہوگیا۔

منکر امامت کے کافر نہ ہونے کی دوسری دلیل

یہ بات قابل غور ہے کہ اہل تشیع کی اکثر مرویات کا مدار منکرین امامت اور بد دین راویوں کی روایت پر ہے باوجودیکہ یہ بات مسلم ہے کہ کافر کی روایت بالاتفاق مقبول نہیں ہے۔ کلینی وغیرہ کی صحاح، واقفیہ، نادوسیہ، افطحیہ، قرامطہ، اسماعیلیہ وغیرہ منکرین امامت اور بد دینوں کی مرویات سے پُر ہیں۔ اگر انکار امامت کفر ہوتا تو یہ تمام روایات جن پر شیعیت کا دار و مدار ہے سب باطل اور غیر معتبر قرار پائیں گی اور اگر انکار امامت کفر نہ ہو تو عقیدہ امامت اصول دین سے نہ رہا، بلکہ اہل سنت والجماعت کے مانند فروع دین سے ہوا اور یہ بات مخفی نہیں کہ مذکورہ راویوں کی روایت اہل تشیع کے ناقدین کے نزدیک معتبر اور قابل قبول ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ عقیدہ امامت اصول دین سے نہیں ہے اور یہی ہمارا مدعا ہے۔

شیعی محقق طوسی کی تصریح

شیعی محقق نصیر الدین طوسی نے تجرید میں تصریح کی ہے کہ:
"مخالفوہ فسقۃ ومحاربوہ کفرۃ"۔[1]

محقق طوسی کی اس تصریح کو تمام اثنا عشریہ نے قبول کیا۔ لہٰذا یہ قول اہل تشیع کے اجماعیات میں سے ہے اس قول سے بھی ہمارا مدعا ثابت ہوتا ہے اس لیے کہ محارب پر صرف از روئے حدیث "حربک حربی" خلاف قیاس کفر کا حکم لگایا گیا ہے۔ ورنہ تو اگر انکار امامت موجب کفر ہوتا تو یہ تفریق بین المخالفین والمحاربین خلاف عقل والنقل ہوتی۔ اسلیے کہ امامت، خلافتِ نبوت ہے اور دونوں کا حکم متحد ہے۔ لہٰذا جس طرح نبی کی مخالفت اور اس کے ساتھ محاربہ کفر ہے۔ اسی طرح امام کے ساتھ بھی مخالفت اور محاربہ کفر ہوگا البتہ جو مخالفت اور محاربہ نبی کے ساتھ کفر نہ ہو وہ امام کے ساتھ بھی کفر نہ ہوگا بلکہ خدا کے ساتھ بھی

---

[1] طریقۃ الکرامہ ص ۳۱۔

من الزيغ والاعوجاج والشبهة و التاويل۔[1] تا درستگی آگئی ہے۔

جناب امیر نے اپنے اس قول میں اپنے محاربین کو اخوت اسلامی کے تاج سے سرفراز فرمایا جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ وہ کافر نہیں ہوئے اور نہ فاسق بلکہ صرف خطائے اجتہادی سرزد ہوئی۔

دوسری دلیل اگر ہم محاربہ با ائمہ اور انکار امامت ائمہ کے کفر نہ ہونے کے دلائل سے صرف نظر کرلیں اور تسلیم کرلیں کہ انکار امامت ائمہ کفر ہے تو مذہب اہل تشیع ایسی گرداب میں پھنس جائے گا کہ استیصال مذہب کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہوگا۔ وہ یہ کہ جناب امیر منکرین امامت کے ساتھ اتحاد و یگانگت کا معاملہ کرتے تھے۔ اور ہر معاملہ میں مشورہ اور عمل سے شریک کار رہے۔ پنجوقتہ نمازیں انہی منکرین امامت کے پیچھے پڑھتے رہے حتی کہ ان کی لڑکیاں اپنے عقد میں اور اپنی لڑکیاں ان کے عقد میں لیتے اور دیتے رہے۔ نیز اپنے لڑکوں کے نام ان منکرین امامت کے نام پر رکھتے رہے۔ چنانچہ جناب امیر نے اپنے ایک لڑکے کا نام ابوبکر اور دوسرے کا عمر اور تیسرے کا عثمان رکھا۔ یہ بات آپسی تعلقات کی خوش گواری اور محبت پر دلالت کے لیے کافی ہے۔

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر و عمر، ابوسفیان کی لڑکیوں سے نکاح فرمایا اور اپنی دو صاحب زادیاں حضرت عثمان غنی رضی کے نکاح میں دیں اور دونوں بیٹیوں کے انتقال کے بعد فرمایا کہ اگر میری تیسری بیٹی بھی ہوتی تو میں اس کو بھی عثمان کے نکاح میں دیتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحب زادی ام کلثوم کو جو کہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بطن سے تھیں۔ حضرت عمر فاروق رضی کے عقد میں دیا۔ اور حضرت سکینہ بنت حسین کا نکاح مصعب بن زبیر رضی کے ساتھ ہوا اور ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر والدہ ماجدہ امام جعفر صادق، پانچویں امام محمد باقر کے نکاح میں آئیں اور

---

[1] طریقۃ الکرامہ صہ ۳۲۔

ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ
رجوع کرنے اللہ کے حکم کی طرف ؛

یہ آیت صراحتاً محاربین جناب امیر کے ایمان پر دلالت کر رہی ہے۔ مفسرین شیعہ حضرات نے اس آیت کا شان نزول محاربہ جناب امیر بیان کیا ہے ـــــــــ تفسیر صافی میں ہے ؛

وفی الکافی والتھذیب والقمی عن الصادق عن ابیه قال لما نزلت ھذہ الآیة قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ان منکم من یقاتل بعدی علی التاویل کما قاتلت علی التنزیل فسئل من ھو قال خاصف النعل یعنی امیر المومنین۔

کافی اور تہذیب اور قمی میں صادق نے اپنے باپ سے روایت کی کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بیشک بعض تم میں سے میرے بعد قرآن کی تاویل پر قتال کریں گے جس طرح میں نے قرآن کی تنزیل پر قتال کیا تھا۔ کسی نے معلوم کیا وہ کون ہے ؟ تو آپ نے فرمایا جوتی سینے والا۔ یعنی امیر المومنین ۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ محاربہ بغاوت کی وجہ سے کفر نہیں ہے اور حدیث "حربک حربی" چونکہ خبر واحد ہے لہٰذا مثبت کفر نہیں ہو سکتی ۔

محاربہ با ائمہ کفر نہ ہونے کی پہلی دلیل

سابق دلیل سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ائمہ کی مخالفت حتیٰ کہ انکار امامت بھی کفر نہیں ہے

اب ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ ائمہ کے ساتھ محاربہ بھی کفر نہیں ہے۔ اس لیے کہ اگر امام کے ساتھ محاربہ کفر ہوتا تو ارتداد کے حکم میں ہوتا۔ حالانکہ جناب امیر کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب امیر کے ساتھ محاربہ کفر نہیں ہے چہ جائیکہ انکار امامت اور مخالفت کفر ہو ـــــــــ نہج البلاغہ میں ۔ (جو کہ شیعہ حضرات کے نزدیک منزل من السماء کا درجہ رکھتی ہے ۔ جناب امیر کا قول منقول ہے ؛

انما اصبحنا نقاتل اخواننا فی الاسلام علی ما دخل فیھم

لیکن ہم اپنے اسلامی بھائیوں سے اس وجہ سے قتال کرتے ہیں کہ ان میں کجی اور

کافر کے حوالہ کردے ، یا کوئی کافر زبردستی لے جانا چاہے تو اپنی جان قربان نہ کردے حضرت امیر ذرا سی بات پر عراق وشام کی فوج سے تو لڑمرے، اور ایسی پاکدامن لخت جگر کو بے چوں وچرا ایک کافر کے حوالہ کردیا۔ ہمارا تو اس کے خیال وتصور سے بھی بال بال کانپتا ہے۔ مگر یہ بدباطن اپنے منہ سے کس طرح ایسی باتیں نکال دیتے ہیں۔ اگر حضرت عمر کا لحاظ نہیں کرتے تو نہ کریں مگر ننگ وناموس اہل بیت نبوت کا تو لحاظ کریں۔[1]

انہی ام کلثوم جگر گوشۂ بتول اور لخت جگر علی کے بطن سے حضرت عمرؓ کے ایک صاحب زادے پیدا ہوئے جن کا نام زید ابن عمر تھا۔ اور جس روز ان کی والدہ ام کلثوم کا انتقال ہوا اسی روز خانہ جنگی میں حضرت زید بن عمر بھی مارے گیے۔ اور ماں اور بیٹے دونوں کی نماز جنازہ ایک ساتھ پڑھی گئی۔ مذکورہ تمام باتوں کے حوالہ انشاء اللّٰہ خلافت بلا فصل کے زیر عنوان پیش کیے جائیں گے۔

مذکورہ فرضی اور خود ساختہ عقیدہ کی وجہ سے صدہا سادات حسنیہ اور حسینیہ علی الخصوص وہ حضرات جنکو شیعہ حضرات اپنے بزرگوں میں شمار کرتے ہیں اور نہایت ادب تعظیم سے ان کا نام لیتے ہیں، کافر مطلق قرار پائیں گے۔ چنانچہ محمد بن حنفیہ یعنی محمد بن علی رضؓ نے چوتھے امام علی بن حسین المعروف زین العابدین کی امامت سے انکار کیا اور خود، امامت کا دعویٰ کیا یہاں تک کہ بقول شیعہ حضرات جب نزاع واختلاف زیادہ بڑھا تو حجر اسود کے محاکمہ کی نوبت آئی، اور حجر اسود نے امام زین العابدین کی امامت کی شہادت دی تاہم محمد بن علی اپنے دعویٰ امامت سے دست بردار نہ ہوئے اور انتقال کے وقت اپنی اولاد کو امامت کی وصیت فرمائی جس کی وجہ سے ان کی اولاد میں سلسلہ امامت جاری ہوا۔

زید بن علی بن حسین نے پانچویں امام محمد باقر کی امامت کا انکار کیا اور خود اپنی امامت کا دعویٰ کیا۔ امام جعفر صادق نے اپنے چچا زید بن علی کو بہت سمجھایا مگر ایک نہ سنی۔ خرائج وجرائح میں روایت ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے ؛

---

[1] مطرقۃ الکرامہ مولانا خلیل احمد صاحب محدث ص۳۷ ؛

ان سے چھٹے امام جعفر صادق پیدا ہوئے۔ اگر انکار امامت کو کفر قرار دیا جائے تو اس کا فساد کہاں تک پہنچے گا اور کون کون مرتکب حرام کے ملزم قرار دیئے جائیں گے۔ نیز کون کون حرام کی اولاد قرار پائیں گے۔ جن میں بعض ائمہ کرام بھی داخل ہوں گے۔ مثلاً نویں امام محمد تقی نے ام فضل کے ساتھ نکاح کیا۔ جن کے بطن سے دسویں امام علی نقی پیدا ہوئے۔

بقول اہل تشیع اگر منکرین امامت کافر ہیں تو ظاہر ہے کہ نہ ان کی خلافت درست اور نہ انکا جہاد اسلامی جہاد بلکہ سراسر ظلم و فساد ہے اور جو کچھ جہاد میں مال غنیمت اور باندی و غلام حاصل ہوئے وہ مال مغصوب اور حرام ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے مرتدین بنو حنفیہ سے جہاد کیا۔ قیدیوں میں ایک باندی خولہ بھی ہاتھ لگیں جو حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت علی رض کو عنایت فرمائی اور جناب امیر نے اس کو اپنے تصرف میں رکھا۔ اور محمد بن حنفیہ اس کے بطن سے پیدا ہوئے اسی طرح حضرت عمر رض کے دور خلافت میں بادشاہ ایران یزدگرد کی بیٹی شہر بانو قید ہو کر آئیں اور حضرت عمر رض نے حضرت امام حسین کو عنایت فرمائیں اور ان کے بطن سے علی بن حسین المعروف بہ زین العابدین چوتھے امام پیدا ہوئے۔

شیعہ حضرات اپنے غلط اور خود ساختہ عقیدہ امامت اور منکرین امامت کو کافر قرار دینے کی وجہ سے ایسی گرداب میں پھنسے ہیں کہ سب چوکڑیاں بھول گئے۔ اگر منکرین امامت کو کافر قرار دیتے ہیں تو ان کے جہاد سے حاصل ہونے والی باندیاں حرام اور مغصوب قرار پاتی ہیں جس کی وجہ خود جناب امیر اور امام حسین کا مغصوبہ باندیوں کو اپنے حرم اور تصرف میں رکھنا ارتکاب حرام کو لازم کرتا ہے اور مغصوبہ باندی سے پیدا ہونے والی اولاد جس میں چوتھے امام جناب علی بن حسین المعروف بہ زین العابدین بھی شامل ہیں۔ آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کیسی اولاد قرار پائیں گے (نعوذ باللہ من ذالک) شیعہ حضرات اپنے اس فرضی اور خود ساختہ عقیدہ کی وجہ سے خود تو ذلیل ہوئے ہی مگر اپنے ائمہ کو بھی لے ڈوبے۔

بقول شیعہ حضرات حضرت عمر رض غصب خلافت اور انکار امامت کی وجہ سے کافر ہو گیے تھے تو حضرت ام کلثوم جگر گوشہ بتول اور اپنی خورد سال لخت جگر کو ایک کافر کہنہ سال عمر رض کے حوالہ کیوں کر دیا۔؟ کیا کوئی شیعہ اس بات کی ہمت کر سکتا ہے کہ اپنے لخت جگر کو کسی

علامہ الطاف حسین حالی نے کیا خوب کہا ہے ؎

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر	جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
کہے آگ کو قبلہ اپنا تو کافر	کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں	پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں	اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں	شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے	نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

اماموں سے متعلق شیعہ عقائد اور ائمہ کے ارشادات

ائمہ کو علم غیب حاصل تھا اہل تشیع نے اپنے ائمہ کے لیے تقریباً وہ تمام صفات ثابت کی ہیں جو خدا کی ذات کے ساتھ خاص ہیں۔ کلینی نے اپنی کتاب اصول کافی میں امام جعفر صادق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اگر امام چاہے تو علم غیب حاصل کر سکتا ہے۔ اصول کافی کی ایک روایت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

"امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ اگر میں موسیٰ اور خضر کے درمیان ہوتا تو میں ان کو بتاتا کہ میں ان دونوں سے زیادہ علم رکھتا ہوں اور ان کو ان باتوں سے باخبر کرتا جو ان کے علم میں نہیں تھیں کیوں کہ موسیٰ اور خضر کو صرف گذری ہوئی باتوں کا علم عطا ہوا تھا اور قیامت تک جو کچھ ہوگا اس کا علم ان کو نہیں دیا گیا تھا اور ہم کو وہ علم رسول کی وراثت میں ملا ہے۔"[1]

" اصول کافی کا ایک باب ہے جس کا عنوان ہے " ان الائمة علیهم الصلوٰة والسلام یعلمون ما کان وما یکون وانه لا یخفی علیهم شی

---

[1] اصول کافی جلد ۱ ص ۲۶۱۔

عن الحسن بن راشد قال ذکرت زیداً فتنقصته عند ابی عبد اللّٰہ فقال رحم اللّٰہ عمی زیداً انہ اتانی فقال انی ارید الخروج علی ہذہ الطاغۃ فقلت لا تفعل [1]

حسن بن راشد سے روایت ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں نے ابوعبداللّٰہ (امام جعفر صادق) کے سامنے زید بن علی کا ذکر کیا اور اس کی تنقیص کی۔ ابوعبداللّٰہ نے فرمایا، ایسا نہ کرو اللّٰہ تعالیٰ تیرے چچا زید پر رحم کرے۔ میرے پاس آئے اور کہا کہ میں اس سرکش گروہ پر خروج کا ارادہ رکھتا ہوں۔ میں نے کہا ایسا نہ کرو۔

اس کے بعد یحییٰ بن زید اور متوکل بن زید نے امام جعفر صادق کی امامت کا انکار کیا اس کے بعد امام جعفر صادق کی اولاد میں سے عبداللّٰہ افطح بن جعفر اور اسحاق بن جعفر صادق نے اپنے حقیقی بھائی موسیٰ کاظم کی امامت کا انکار کیا اور خود امامت کا دعویٰ کیا۔ اسی طرح اگر سادات حسنیہ کو بھی شمار کیا جاوے۔ مثلاً ابراہیم محمد المعروف بہ نفس زکیہ نے اپنی امامت کا دعویٰ کیا اور دیگر ائمہ کی امامت کے منکر ہوئے تو منکرین امامت کی کوئی حد ہی نہ رہے گی۔ پس اگر انکار امامت کفر ہو تو یہ تمام آل رسول نعوذ باللّٰہ کافر قرار پائیں گے۔ پس اس وقت بیچارے اہل تشیع کی حالت قابل رحم اور قابل دید ہو گی۔ اس ظاہری تشیع کی آڑ میں صدہا اہل بیت کو کافر اور بد دین قرار دے ڈالا۔ کسی نے سچ کہا ہے، نادان کی دوستی سے دانا کی دشمنی اچھی ہوتی ہے۔

اہل بیت کی کشتی میں جس کو سفینہ نجات سمجھتے ہیں صدہا سوراخ کر ڈالے اور پھر بھی کشتی میں سوار ہو کر نجات کی امید رکھتے ہیں۔ طرفہ تماشہ تو یہ ہے کہ بے چارے خوارج تو صرف ایک دو حضرات کو کافر کہہ کر کافر و ملعون ٹھہرائیں جائیں اور یہ جھوٹے مدعیان تشیع صدہا اہل بیت اور ہزاروں صحابہ کو مرتد و کافر قرار دے کر بھی ان کے تشیع اور ولا میں فرق نہیں آتا۔

---

[1] مطرقۃ الکرامہ ص۳۰

وہرکہ دوستی علی نہ کند اگرچہ مطیع خدا باشد معذب ومخلد فی النار است"
مطلب یہ کہ جو شخص حضرت علی رضؓ سے محبت رکھتا ہو وہ ہرگز دوزخ میں داخل نہ ہوگا خواہ خدا کا کتنا ہی عاصی اور نافرمان ہو، اور جو شخص حضرت علیؓ کی محبت نہ رکھتا ہو خواہ کتنا ہی متقی اور پرہیزگار کیوں نہ ہو، وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

اثنا عشریہ کی بڑی مصیبت

اثنا عشریہ کا یہ عقیدہ ہے کہ تیسرے امام کے بعد امام کا بیٹا ہی امام ہو سکتا ہے۔ اصول کافی میں ایک مستقل باب ہے۔

"باب اثبات الامامة فی الاعقاب" [1]

اس باب میں جتنی روایتیں ہیں ان سب کا خلاصہ یہی ہے کہ امام کا بیٹا ہی امام ہو سکتا ہے دوسرا کوئی عزیز یا قریب امام نہیں ہو سکتا، اس عقیدہ کی وجہ سے اثنا عشریہ کو یہ مشکل پیش آئی کہ گیارھویں امام حسن عسکری کے بعد امامت کا سلسلہ کیسے چلے۔ بارھواں اور آخری امام کس کو قرار دیا جائے۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لیے یہ دعویٰ کیا گیا کہ حسن عسکری کی وفات سے چار، پانچ سال قبل ۲۵۵ھ یا ۲۵۶ھ میں ان کے ایک صاحب زادے ان کی ملیکہ نامی باندی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے جن کو عام نظروں سے پوشیدہ رکھا جاتا تھا۔ اسی لیے ان کو کوئی دیکھ بھی نہیں سکتا تھا۔ یہ خورد سال صاحب زادے اپنے والد محترم حسن عسکری کی وفات سے صرف دس دن پہلے چار، پانچ سال کی خورد سالی میں سُرمن رائے غار میں روپوش ہو گئے تھے۔ اور وہ تمام چیزیں اور سارا سامان جو حضرت علی رضؓ سے منتقل ہو کر ہر امام کے پاس رہتا ہے۔ (مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جمع کیا ہوا اصلی قرآن، اس کے علاوہ تمام آسمانی کتابیں، انبیاء کے صحیفے اور مصحف فاطمہ نیز الجفر الجامعہ (جو کہ چمڑے کا ایک بہت بڑا تھیلا تھا) اور آدم علیہ السلام کی قمیص، سلیمان علیہ السلام کی انگشتری عصائے موسیٰ وغیرہ۔ الغرض شیعی روایات اور عقیدہ کے مطابق چار، پانچ سال کے کم سن صاحبزادے

---

[1] اصول کافی جلد ۱ ص ۱۳۵۔

مذکورہ تمام سامان تن تنہا لے کر اپنے شہر سامرا کے سرمن رائے نامی ایک غار میں روپوش ہو گیے۔

بارھویں امام کی پیدائش اور پھر روپوشی سے متعلق روایات اصول کافی ص۲۰۲ تا ص۲۰۷ پر ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

ہمارا خیال ہے کہ ان روایات کے مطالعہ سے ہر اس شخص کا تاثر کہ جس کو اللہ نے بصیرت و فراست کا کچھ بھی حصہ عطاء فرمایا ہے، یہی ہوگا کہ مقدمہ بنایا گیا لیکن اچھا نہیں بنایا جا سکا اس لیے کہ حسن عسکری کے بھائی جعفر بن علی اور دوسرے اہل خاندان کا بیان ہے کہ

"حسن عسکری لاولد فوت ہوئے تھے اور حکومت کے ذمہ داروں کو بھی تحقیق و تفتیش سے یہی بات ثابت ہوئی کہ حسن عسکری ۲۸ سال کی نوجوانی میں ربیع الاوّل ۲۶۰ھ میں فوت ہو گیے"۔ [۱]

حسن عسکری چونکہ لاولد فوت ہوئے تھے لہٰذا حسن عسکری کا ترکہ شرعی قانون کے مطابق ان کے بھائی جعفر بن علی اور دیگر موجود ورثاء کے درمیان تقسیم کر دیا گیا" [۲]

نسب کے ماہر عبدالباقی اور جریر طبری کا بھی یہی قول ہے کہ حسن عسکری لاولد فوت ہوئے تھے۔

بارھویں امام کی غیبت صغریٰ و کبریٰ

اختصار کے ساتھ پہلے بھی یہ بات گزر چکی ہے کہ بارھویں امام کی غیبت کے بعد بعض باکمال شیعہ صاحبان نے اپنے عوام کو یہ باور کرایا کہ امام غائب کے پاس پوشیدہ طور پر ان کی آمد و رفت ہے اور وہ ان کے خصوصی سفیر ہیں۔ یکے بعد دیگرے چار حضرات نے سفارت کا دعویٰ کیا ـــــــ ان میں آخری سفیر علی بن محمد سمیری ہیں جن کا انتقال ۳۲۹ھ میں ہوا ہے سادہ لوح شیعہ صاحبان امام غائب تک پہنچانے کے لیے ان سفراء حضرات کو خطوط اور درخواستیں اور طرح طرح کے قیمتی ہدایا، تحفے دیتے تھے۔ اور یہ امام غائب کی طرف سے

---

[۱] اصول کافی ص۳۲۴، [۲] 〃 ص۳۰۶،

ان کو جواب لاکر دے دیتے تھے جن پر امام مہدی کی مہر ہوتی تھی۔ یہ سارا کاروبار انتہائی رازداری کے ساتھ چل رہا تھا۔

رہا یہ سوال کہ حقیقت اور اصلیت کیا تھی؟ تو ہمارا خیال یہ ہے کہ ہر وہ شخص جس کو اللہ نے فراست و بصیرت کا کچھ بھی حصہ عطا فرمایا ہے وہ یہی سمجھے گا کہ یہ ان ہوشیار اور چالاک اور مکار لوگوں کا نہایت نفع بخش کاروبار تھا جو خود کو امام غائب کا سفیر بتاتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ نہایت رازداری کے ساتھ چلنے والا یہ کاروبار اس وقت ختم ہوا جب حکام وقت کو اس کی اطلاع ہوئی اور ان کی طرف سے تحقیق و تفتیش کا سلسلہ شروع ہوا کہ یہ کون لوگ ہیں جو اس طرح کا فریب دے کر رعایا کے سادہ لوح عوام کو لوٹ رہے ہیں؟ اس کے بعد یہ سلسلہ بند کر دیا گیا اور مشہور کر دیا گیا کہ اب غیبت صغریٰ کا دور ختم ہو کر غیبت کبریٰ کا دور شروع ہو گیا ہے اور اب امام غائب کے ظہور تک کسی کا ان سے رابطہ قائم نہیں ہو سکتا۔ اب انکے ظہور کا انتظار کیا جائے۔

مذکورہ نفع بخش کاروبار کی منصوبہ بندی کرنے والی اور روبعمل لانے والی ایک جماعت تھی جو امام وقت حسن عسکری پر مسلط رہتی تھی اور امام پر اس طرح چھائی رہتی تھی گویا امام ان کے سامنے بے بس نظر آتا تھا اور کوئی بھی شخص ان لوگوں کی اجازت کے بغیر امام سے ملاقات بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس ٹیم کا سرغنہ اور قائد محمد بن نُصَیر تھا۔ یہ وہی محمد بن نصیر ہے جس کی طرف فرقہ نُصَیریہ منسوب ہے اس نے بعد میں نصیریہ کے نام سے اپنا ایک مستقل فرقہ بنا لیا تھا گیارھویں امام حسن عسکری کا جب ۲۶۰ھ میں انتقال ہوا تو مذکورہ مکار اور خود غرض لوگوں کی جماعت امام کو بے گور وکفن چھوڑ کر اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو گئی حسن عسکری کے بھائی جعفر بن علی نے اپنے بھائی کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا۔ یہ مکار اور عیار لوگ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ حسن عسکری کے کوئی اولاد نہیں ہے کہ جس کو بارھواں امام نامزد کیا جائے۔ علویوں کے نقیب کہ جس کے پاس وہ رجسٹر تھا جس میں علویوں کی اولاد کے نام درج کیے جاتے تھے۔ اس رجسٹر سے بھی یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ حسن عسکری لاولد فوت ہوئے تھے۔ ان عیاروں اور مکاروں کو یہ فکر ہوئی کہ اب آئندہ یہ نفع بخش کاروبار

کیسے جاری رہے۔ چنانچہ باہمی مشورہ سے ان لوگوں نے ایک اسکیم کے تحت امام غائب کا نظریہ ایجاد کیا اور یہ شہرت دے دی کہ حسن عسکری کا ایک لڑکا تھا جو حسن عسکری کی وفات کے پانچ سال پہلے پیدا ہوا تھا اور وہ دشمنوں کے خوف سے سُر من رائے غار میں پوشیدہ رکھا گیا تھا۔ اس موہوم اور فرضی امام کے ساتھ رابطہ قائم رکھنے کے لیے کسی ایسے شخص کی ضرورت تھی کہ قوم اور امام کے درمیان سفارت کے فرائض دانشمندی اور رازداری سے انجام دے سکے۔ چنانچہ اس مسئلہ میں ان مکاروں کے درمیان اختلاف ہوا۔ محمد بن نصیر خود یہ چاہتا تھا کہ میں یہ فریضہ انجام دوں۔ دیگر لوگوں کی رائے یہ تھی کہ حسن عسکری اور انکے والد کے قدیم خادم عثمان بن سعید زیات اور اس کے لڑکے محمد بن عثمان کو یہ خدمت سپرد کی جائے۔ اسی اختلاف کی وجہ سے محمد بن نصیر جماعت سے الگ ہو گیا اور اس نے الگ نصیریہ نام سے ایک فرقہ بنا لیا" [1]

امام مہدی کے ظہور کا وقت کئی بار ٹالا جا چکا ہے

شیعہ حضرات کو امام مہدی صاحب الزمان کے ظہور کا بڑی بے تابی سے انتظار ہے۔ چنانچہ "عجل اللہ فرجہٗ" ان کے نام کے ساتھ لازمًا لکھتے بولتے ہیں ان کا انتظار اور بے تابی معقول اور قرین قیاس ہی ہے کہ شیعہ حضرات کے عقیدہ کے مطابق ظہور مہدی ہی کے بعد ان کے مصائب اور ذلت وخواری کا انت ہوگا ہزاروں سال سے ظلم و ذلت کی چکی میں پس رہے ہیں۔ ابتداءً اللہ تعالیٰ نے ۷۰ھ ظہور مہدی کا وقت متعین فرمایا تھا مگر ۶۱ھ میں امام حسین کو شہید کر دیا گیا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ناراض ہو کر ظہور مہدی کو ۱۴۰ھ تک کے لیے موخر کر دیا اور پھر اس کے بعد غیر متعین مدت کے لیے ظہور کو ملتوی کر دیا گیا۔

ایک عجیب بات

بقول شیعہ حضرات امام حسین کو سنیوں نے شہید کیا تھا۔ اس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ قاتلانِ حسین یعنی سنیوں کی ناراض ہو

---

[1] حاشیہ منتقی ص ۹۸ محب الدین خطیب۔

،کو سزا دینے کے لیے امام مہدی کو جلدی ظاہر فرماتا۔ اس لیے کہ اہل تشیع کا عقیدہ ہے کہ
ب امام مہدی ظاہر ہوں گے تو سب سے پہلے اپنی مخصوص تلوار سے سنیوں کو قتل فرمائیں
ے اور ابتداء سنی علماء سے ہوگی۔ بڑی عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ناراض تو سنیوں
ے ہوئے اور امام مہدی کے ظہور کو موخر کرکے نقصان شیعوں کا کر دیا۔

شیعہ حضرات کا کہنا ہے کہ خلفاء بنی عباس اور اپنے چچا جعفر کذاب کے خوف سے
رمن رائے غار میں روپوش ہو گیے تھے۔ اول تو قابل غور بات یہ ہے کہ ان کے آباء و
راد کیوں روپوش نہیں ہوئے۔ کیا ان کو خلفاء بنی عباس کا خوف نہیں تھا اس کے علاوہ ائمہ
وف کس بات کا جب کہ عصائے موسیٰ اور انگشتری سلیمان جیسی عظیم الشان چیزیں انکے
ں تھیں اگر چاہتے تو ان کے ذریعہ اپنے تمام دشمنوں اور مخالفوں کو بھسم کر دیتے اس
علاوہ سب سے بڑی بات یہ کہ بقول شیعہ حضرات ان کی موت ان کے اختیار میں تھی
ر خوف کس بات کا، انسان کو سب سے بڑا خوف جان ہی کا ہوتا ہے اور وہ ان کے
ار میں تھی۔[1]

بالفرض اگر خلفاء بنو عباس اور جعفر کذاب کا خوف تھا بھی تو خلافت عباسیہ ختم ہونے
جعفر کذاب کے انتقال کے بعد کس کا خوف باقی رہ گیا تھا۔ حالانکہ خلافت عباسیہ کا خاتمہ
ں ہی کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھا۔ خلافت عباسیہ کے خاتمہ میں خلیفہ معتصم باللہ
یعنی وزیر ابن علقمی کا زبردست ہاتھ تھا۔ ابن علقمی نے خفیہ طور پر ہلاکو خاں کو متعدد خطوط
، جن میں خلافت کی اندرونی کمزوریوں کو بیان کر کے حملہ کی ترغیب دی گئی تھی اور اپنی
ی کا یقین دلایا گیا تھا اور لکھا تھا کہ اس وقت بغداد پر میرا پورا کنٹرول ہے بغداد پر حملہ آور ہونے
ایت ہی سنہرا موقعہ ہے۔ چنانچہ ہلاکو خطوط پاتے ہی اپنے درندہ صفت فوجیوں کو
بغداد پر بلائے ناگہانی بن کر ٹوٹ پڑا اور رافضیوں کی مدد سے چشم زدن میں خلافت
یہ کا خاتمہ ہو گیا۔

مرصاد العیاد کے مولف بغداد کی تباہی و بربادی کے چشم دید گواہ ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:
"ہلاکو کی فوجوں نے تباہی و بربادی کا جو کھیل کھیلا اسے دیکھ کر

---

[1] اصول کافی ج ۱ ص ۲۶۰ باب کراہیۃ التوقیت بحوالہ عقائد الشیعہ ص ۱۰۱۔

رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کلیجہ منہ کو آتا ہے، ان مجرموں نے صرف علاقہ "رے" میں ایک محتاط اندازہ اور خود ہلاکو کی بیان کردہ تعداد کے مطابق دس لاکھ اسی ہزار مسلمان شہید کیے ---- اس تاریخ انسانی کے بھیانک ترین قتل عام کے پیچھے ابن علقمی اور نصیرالدین طوسی کا ہاتھ تھا . . . اور ابن خلدون کی روایت کے مطابق شہیدوں کی تعداد سولہ لاکھ تھی" [1]

ہلاکو کے دور میں رافضیوں کو اقتدار میں کافی عمل دخل حاصل تھا۔ ایسے وقت میں اگر امام مہدی ظہور فرماتے تو کس کا خوف تھا چاروں طرف سے پزیرائی ہوتی۔

اس کے بعد ہندوستان میں اکثر مغل شہنشاہوں کے دور میں شیعہ حضرات عملی طور پر کافی دخیل رہے۔ ایک زمانہ میں تو ممتاز محل اور نور جہاں کی بدولت عملاً شیعہ حکومت قائم تھی۔ اس وقت ظہور سے کیا چیز مانع تھی۔ ظہور کے لیے اس سے بہتر وقت اور کیا ہو سکتا تھا۔ امراء و وزراء سے لے کر ادنیٰ و اعلیٰ حکام تک اکثر شیعہ تھے۔ سنیوں پر مصائب و آلام کے اس قدر پہاڑ توڑے گیے کہ ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تھا۔ سنی علماء کی زبان و قلم پر عملی طور پر پابندی لگا دی گئی تھی۔ مغل شہنشاہیت کے آخری دور میں نجف علی خاں ایک نہایت متعصب رافضی حاکم تھا جس نے سنی علماء کو دردناک سزائیں دی تھیں۔

امیرالروایات کی روایت کے مطابق اس نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح کے پہنچے اتروا دیئے تھے۔ تاکہ کوئی کتاب یا مضمون نہ لکھ سکیں۔ سادات بارہا کا ایوانِ شاہی پر اس قدر تسلط تھا کہ ان کی مرضی کے خلاف ملک میں کوئی کچھ نہیں کر سکتا تھا حتیٰ کہ بادشاہ بھی وہی شخص ہو سکتا تھا جس کو وہ چاہیں۔ اسی وجہ سے ان کو بادشاہ گر کہا جاتا تھا۔ امام مہدی کے ظہور کے لیے اس سے بہتر موقعہ اور کیا ہو سکتا تھا۔ اگر مذکورہ تمام باتوں کو نظرانداز کر دیا جائے تو ایران میں تو عرصہ دراز سے شیعی حکومت قائم ہے خاص طور سے موجودہ زمانہ میں اثنا عشریہ ہی کی حکومت ہے اور انہی کے نام پر انقلاب

---

[1] ابن خلدون ص۵۴۷ جلد ۳۔

لایا گیا ہے۔ اب کس بات کا خوف، اس سے بہتر اور کون سا موقعہ میسر ہوگا۔ تمام معتقدین بے تابی سے انتظار بھی کر رہے اور اگر خود تشریف نہیں لاتے تو کم ازکم اصلی قرآن ہی کسی کے ذریعہ بھیج دیں۔ کروڑوں معتقدین اصلی قرآن کی زیارت کے بغیر دنیا سے تشریف لیجا رہے ہیں۔ ان کو کم ازکم زیارت ہی نصیب ہو جائے۔ جب کہ شیعہ حضرات امام محمد المہدی المنتظر کے نام کے ساتھ لکھنے اور بولنے میں عجل اللہ فرجہ لازمی طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اللہ تعالٰی نے امام غائب کے ظہور کو موخر کر کے شیعوں کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے۔ جیسا کہ حقیقت بھی یہی ہے کہ امام حسین رضہ کے قاتلین شیعہ حضرات ہی ہیں جیسا کہ کتب تاریخ سے ثابت ہے۔

دوسری عجیب بات یہ ہے کہ امام مہدی ۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے تو پھر ان کے ظہور کا وقت ۷۰ھ اور پھر اس کے بعد ۱۴۰ھ کیسے متعین کر دیا گیا۔ کیا پیدا ہونے سے پہلے ہی ان کا ظہور ہونے والا تھا؟ جو عقیدہ خود ساختہ ہوتا ہے اس کا یہی حال ہوتا ہے۔

شیعی ذہن کی آئینہ دار ایک روایت

علامہ باقر مجلسی کی مشہور کتاب "حق الیقین" میں ایک روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام غائب جب ظاہر ہوں گے تو کافروں سے پہلے سنیوں کو قتل کریں گے:

وقتیکہ قائم علیہ السلام ظاہر شود پیش از کفار ابتدا، بہ سنیاں خواہد کرد با علماء ایشان وایشاں را خواہد کشت۔

(حق الیقین)

جس وقت مہدی علیہ السلام ظاہر ہوں گے تو کافروں سے پہلے سنیوں خصوصاً علماء سے قتل کی کارروائی شروع کریں گے اور ان سب کو قتل کر کے نیست و نابود کر دیں گے۔

رسولِ خدا امام مہدی کی بیعت کریں گے

باقر مجلسی نے اپنی کتاب "حق الیقین" میں امام باقر سے روایت نقل کی ہے۔ انہوں نے فرمایا:

چوں قائم آل محمد صلے اللہ علیہ وسلم بیرون آید خدا اورا یاری کند بملائکہ واول کسے کہ بیعت کند محمد صلے اللہ علیہ وسلم باشد وبعد ازاں علی۔ [۱]

جب قائم آل محمد (یعنی امام مہدی) ظاہر ہوں گے تو خدا فرشتوں کے ذریعہ ان کی مدد کرے گا اور سب سے پہلے ان سے بیعت کرنے والے محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہوں گے اور آپ کے بعد حضرت علی رض بیعت فرمائیں گے۔

ابوبکر کی بیعت سب سے پہلے ابلیس نے کی تھی

ابوجعفر کلینی نے اپنی کتاب "روضہ کافی" میں سند کے ساتھ سلمان فارسی سے ایک روایت نقل کی ہے۔ اس کے ایک حصہ کا خلاصہ جو کہ ہمارے موضوع سے متعلق ہے۔ نذر ناظرین کیا جا رہا ہے:

"رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب ثقیفہ بنی ساعدہ میں ابوبکر کی بیعت کا فیصلہ ہوگیا اور وہاں سے آکر مسجد نبوی میں رسول اللہ کے منبر پر بیٹھ کر لوگوں سے بیعت لینا شروع کی تو سلمان فارسی نے اس منظر کو دیکھ کر حضرت علی رض کو جا کر اطلاع دی۔ حضرت علی رض نے سلمان سے دریافت فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ اس وقت ابوبکر رض کے ہاتھ پر سب سے پہلے بیعت کرنے والا کون شخص تھا۔ سلمان رض نے عرض کیا میں اس شخص کو تو نہیں جانتا۔ لیکن میں نے ایک بوڑھے بزرگ کو دیکھا تھا وہ اپنے عصا کے سہارے آگے آیا اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان پیشانی پر سجدہ کا نشان تھا۔ اسی شخص نے سب سے پہلے ابوبکر کی بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ وہ رو رہا تھا اور کہہ رہا تھا:

الحمد لله الذی لم یمتنی من — تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے

---

[۱] حق الیقین ربا قر مجلسی ص۱۳۹۔

الدنیا حتی رایتك فی هذا المکان ابسط یدك فبسط یدهٗ فبایعهٗ،

مجھے موت دے کر اس سے پہلے دنیا سے نہیں اٹھایا کہ جب تک میں نے تم کو اس مقام پر نہ دیکھ لیا۔ تم اپنا ہاتھ بڑھاؤ۔ تو ابو بکر نے ہاتھ بڑھایا اور اس بزرگ نے ابو بکر رض کے ہاتھ پر بیعت کی۔

حضرت علی رض نے سلمان فارسی سے یہ سن کر فرمایا "هل تدری من هو" تم جانتے ہو وہ کون تھا؟ سلمان رض نے کہا میں نہیں جانتا۔ حضرت علی رض نے فرمایا: (ذالك ابلیس لعنة الله علیه) وہ ابلیس تھا خدا اس پر لعنت کرے۔

اللّٰھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه، آمین یارب العالمین وصلی الله علی النبی الکریم وعلیٰ آله وصحبه اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین

تیسرا محاضرۂ علمیہ

برموضوع

ردِّ شیعیت

پیش کردہ

جناب مولانا محمد جمال صاحب

استاذِ تفسیر دارالعلوم دیوبند

خلافت و امامت ـــــ (جزء اوّل)

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہِ الکریم.. امّا بعد

گذشتہ محاضرہ میں مسئلہ امامت سے متعلق شیعوں کے عقائد نیز ائمہ کی خصوصیات اور ان کے اختیارات و امتیازات بیان کیے جا چکے ہیں، جو کہ شیعہ حضرات کے نظریات اور اہل سنت والجماعت کے خلاف ان کے جذبات کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں، ہمارے اس محاضرہ کا موضوع خلافتِ بلافصل اور خلفاءِ ثلٰثہ کی خلافت کے اشارات ہیں،

شیعیّت اور اسلام

خلافت و امامت کی بحث بالفاظ دیگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا مسئلہ تقریباً چودہ سو سال سے شیعوں اور سنیوں کے درمیان ایک بنیادی متنازعہ مسئلہ کی حیثیت سے چلا آرہا ہے، اور بظاہر امید نہیں کہ اس مسئلہ کا قیامت تک کوئی ایسا حل نکل سکے گا جو فریقین کے لیے قابل قبول ہو، اس لیے کہ دنیا میں جتنے بھی فرق باطلہ وجود میں آئے ان میں سے ہر ایک کی بنیاد کسی نہ کسی غلط فہمی یا مغالطہ پر ہے، مگر شیعہ فرقہ ایک ایسا فرقہ ہے کہ اس کی بنیاد کسی غلط فہمی یا تاویل پر نہیں ہے، بلکہ اس فرقہ کی بنیاد منصوبہ بند سازش کے تحت اسلام دشمنی اور اسلامی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے پر ہے اس سازش کا سرچشمہ یہودیت اور صیہونیت ہے، اس کا بانی اور معلم اول عبداللہ ابن سبا المعروف با بن سوداء یہودی ہے۔

خلافت سے متعلق اہل سنت کا عقیدہ

مسلمانوں کے سواد اعظم یعنی سب سے بڑی جماعت اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ظاہری کے بعد آپؐ کی پیش گوئی کے مطابق خلافت تیس سال تک رہی اور وہی خلافت راشدہ ہے جس کا وعدہ آیۃ استخلاف میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے فرمایا ہے۔ خلافت راشدہ کی ابتدا صدیق اکبر سے ہوئی اور حضرت

حسن رضؓ بن علیؓ پر ختم ہوئی، اس کے بعد بادشاہت کا دور شروع ہو گیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی حرف بہ حرف صادق آگئی۔ جو حضرات مذکورہ خلافت راشدہ کو تسلیم نہیں کرتے وہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اہم دلیل نبوت سے انکار کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں۔

اہل سنت والجماعت کے نزدیک چاروں خلیفہ راشد اور برحق ہیں، اور ترتیب فضیلت بھی وہی ہے جس ترتیب سے خلافت وجود میں آئی۔

حضرت مجدد شیخ احمد سرہندیؒ دفتر دوم کے ایک طویل مکتوب میں جو کہ رکن سلطنت خان جہان کو تحریر فرمایا ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد خلیفہ مطلق و برحق ابوبکر صدیق ہیں، ان کے بعد عمر فاروقؓ، ان کے بعد حضرت عثمان غنیؓ، ان کے بعد خلیفہ رابع علی کرم اللہ وجہہ ہیں، نیز ان حضرات کی فضیلت بھی اسی ترتیب سے ہے، شیخین کی فضیلت صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہے، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جو کوئی مجھے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر پر فضیلت دے گا وہ مفتری ہے، میں اس کو کوڑوں کی سزا دوں گا جس طرح افترا کرنے والے کو دی جاتی ہے [1]

حضرت مجددؒ نے اپنے متعدد مکاتیب میں نہایت صفائی کے ساتھ یہ تشریح فرمائی ہے کہ افضلیت شیخین کا عقیدہ اہل سنت والجماعت کی ضروریات اور اجماعیات میں سے ہے، اور اس سے اختلاف کرنے والا اہل سنت والجماعت سے خارج ہے [2]

خلافت سے متعلق شیعوں کا عقیدہ

اہل سنت والجماعت کے مقابل اہل تشیع کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ مبینہ خلافت راشدہ ناجائز طور پر قائم ہوئی تھی، اور اللہ کے رسولؐ نے جس شخص کو اپنا حقیقی جانشین بلافصل قرار دیا تھا اس کو غاصبین نے خلافت سے محروم کر دیا اور غاصبانہ طور پر خلافت پر قابض ہو گئے، اس جماعت کے عقیدہ کے مطابق حضرت علی کی خلافت بلا فصل کا اعلان و اظہار جناب رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] مکتوب ۶۷ دفتر دوم صفحہ ۱۳ [2] مکتوب ۹

علیہ وسلم آغاز بعثت سے اپنی وفات کے زمانہ تک مسلسل سرًّا وجہرًا لیلاً ونہارًا کرتے رہے، مگر غاصبوں اور ظالموں نے رسولؐ کی وفاتؐ کے بعد نامزد اصل جانشین اور اس کے بعد آنے والے تمام مستحقین نامزد جانشینوں کو بدستور محروم ہی رکھا۔

مسلمانوں میں ایک تیسرا گروہ

مسلمانوں میں ایک تیسرا گروہ اور بھی ہے جس کو خلیفۂ رابع حضرت علی کی خلافت پر اعتراض ہے، بلکہ یہ گروہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اسلام سے خارج مانتا ہے، اس گروہ کا نام خارجی ہے

ہم اس محاضرہ میں صرف شیعوں کے اختلافی مسائل سے بحث کریں گے، خوارج کے عقائد سے کوئی بحث نہ ہو گی۔

حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل پر اہل تشیّع کے دلائل

شیعہ حضرات اپنے مدعا کے اثبات میں تین قسم کے دلائل پیش کرتے ہیں (۱) آیات قرآنی سے (۲) احادیث نبوی سے (۳) عقل سے، اہل تشیّع کے علماء اپنے مدعا کے اثبات میں بہت سے دلائل پیش کرتے ہیں، تمام دلائل کو پیش کر کے ان کی تردید کرنا نہ ہمارا مقصد ہے، اور نہ اس مختصر مقالہ میں اس کی گنجائش، اس کے علاوہ دوسری بات یہ ہے کہ ان کے اکثر دلائل تو ایسے ہیں کہ جن کو سن کر بے ساختہ ہنسی آتی ہے اور خود شیعہ حضرات میں سے وہ لوگ جو علم وبصیرت سے کچھ بھی تعلق رکھتے ہیں وہ ان دلائل کی بے وزنی کو خوب سمجھتے ہیں لہٰذا ہم ایسے دلائل کی تردید میں اپنا اور ناظرین کا قیمتی وقت ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھتے، البتہ بعض ایسے دلائل کہ جن پر شیعہ حضرات کو بڑا فخر وناز ہے جن کو عروۃ الوثقیٰ اور ناقابل تسخیر قلعہ سمجھتے ہیں، ہم انشاء اللہ دلائل سے ثابت کر دیں گے کہ ان کی حیثیت بھی اہل عقل وخرد کے نزدیک تار عنکبوت سے زیادہ نہیں ہے، ہم اولاً ان آیات کا جواب پیش کرتے ہیں کہ جن کو شیعہ حضرات اپنے مدعا کے لیے نص صریح خیال کرتے ہیں۔

حسن ابن یوسف المعروف بابن مطہر حلی المتوفیٰ ۷۲۶ھ نے جو کہ صنادید شیعہ میں شمار ہوتے ہیں اور نصیر الدین طوسی نصیر الکفر والالحاد کے مشہور شاگرد رشید ہیں۔ اپنی مشہور کتاب منہاج الکرامہ فی معرفۃ الامامہ میں حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل کے اثبات میں قرآن کریم

چالیس دلائل پیش کیے ہیں ان میں سے اکثر تو ایسے ہیں کہ جن کو دلیل کہنا دلیل کی توہین ہے۔

اہل تشیع کی پہلی قرآنی دلیل

شیعہ حضرات حضرت علی کی خلافت بلافصل کے لیے "اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الذین یقیمون الصلٰوۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون" کو نص صریح بیان کرتے ہیں۔

ترجمہ ——— بے شک تمہارا دلی اللہ اور اس کا رسول ہے اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں، دراں حالیکہ یہ مومنین تواضع اختیار کرنے والے ہیں۔

جہاں تک آیت کے الفاظ کا تعلق ہے، نہ تو کسی خاص شخص یا اشخاص کا ذکر ہے اور نہ ہی کسی کی خلافت بلا فصل کا بیان البتہ آیت سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ اللہ اور رسول کے علاوہ ولی وہ لوگ بھی ہیں جو مومن ہیں نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور تواضع و انکساری کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں، جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے ہرگز کسی کی خلافت و امامت کے لیے نص صریح تو کجا نص خفی بھی نہیں ہے، صراحت تو در کنار اشارہ بھی نہیں ہے مگر اہل تشیع کا اصرار ہے کہ یہ آیت جناب امیر سیدنا علی رض کی خلافت بلافصل کے لیے نص جلی و صریح ہے۔

آیت میں موضوع روایت کا پیوند

شیعہ حضرات کا دعویٰ ہے کہ مذکورہ آیت باجماع مفسرین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں نازل ہوئی ہے جبکہ آپ نے بحالت رکوع ایک سائل کو اپنی انگشتری عنایت فرمائی تھی، علامہ حلیؒ اپنے دعوے کی تائید میں حضرت ابوذر سے ثعلبی کی ایک روایت پیش کرتے ہیں، ابن مطہر حلی آیت مذکور سے حضرت علی کی خلافت بلافصل پر استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیت بالاتفاق حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے دلیل میں ثعلبی کی ابوذر رض سے ایک روایت پیش فرماتے ہیں ——— ترجمہ

قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ ——— ابوذر رض کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ

عليه وسلم بهاتين والا صمّتا
يقول، عليٌّ قائدُ البررة، قاتلُ
الكفرة منصورٌ من نصره مخذولٌ
من خذله اما انى صليتُ مع
رسول الله صلى الله عليه وسلم
يومًا الظهر، فسأل سائل فى
المسجد فلم يعطه احد شيئًا
فرفع يده الى السماء وقال :
اللهم اشهد انى سألت فى مسجد
نبيك فلم اعط شيئًا وكان علىٌّ
راكعًا فاومأ اليه بخنصره فاقبل
فاخذ الخاتم، وذلك بعين رسول
الله صلى الله عليه وسلم فلما
فرغ رفع راسه الى السماء وقال
اللهم ان موسى سألك (واجعل لى
وزيرًا من اهلى هرون اخى اشدد به
ازرى واشركه فى امرى) فانزلت
عليه قرآنا ناطقًا (سنشد عضدك
باخيك) اللهم وانا نبيك وصفيك
(اللهم فاشرح لى صدرى ويسر
لى امرى واجعل لى وزيرًا من اهلى
عليًا اشدد به ظهرى) قال ابوذر
فما استتم كلامه حتى نزل عليه

علیہ وسلم سے اپنے ان دونوں کانوں سے
سنا ہے کہ گر نہ سنا ہو تو میرے یہ دونوں کان
بہرے ہو جائیں ۔ آپؐ نے فرمایا علی نیکوں
کے قائد ہیں کافروں کے قاتل ہیں، جس
نے اس کی مدد کی وہ منصور ہے اور جس نے
اس کی مدد نہ کی وہ مخذول ہے۔
میں نے ایک روز نبیؐ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی
ایک سائل نے مسجد میں سوال کیا مگر اس کو
کسی نے کچھ نہ دیا اس سائل نے اپنا ہاتھ آسمان
کی طرف اٹھایا اور کہا اے اللہ تو گواہ رہ
میں نے تیرے نبی کی مسجد میں سوال کیا مگر کچھ
نہ ملا (ابوذر فرماتے ہیں کہ) حضرت علیؓ نماز
میں رکوع کی حالت میں تھے حضرت علیؓ
نے اپنی کنکی انگلی سے سائل کی طرف اشارہ
کیا چنانچہ سائل آگے بڑھا اور انگلی سے انگشتری
اتار لی اور یہ سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم
کی موجودگی میں ہوا، جب آپؐ نماز سے فارغ
ہو گئے تو آپ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا
اور فرمایا: اے میرے اللہ موسیٰؑ نے تجھ
سے سوال کیا، کہ میرے اہل میں سے میرے
بھائی ہارون کو میرا مددگار بنادے اور اس
کے ذریعہ میری تقویت فرمادے تو تو نے
اس پر ناطق قرآن نازل فرمایا یعنی کہ ہم عنقریب

جبرئیلؑ بھٰذہ الآیۃ "انما ولیکم اللّٰہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون ــــــ" ونقل الفقیہ ابن المغازی الواسطی عن ابن عباس ان الآیۃ نزلت فی علیؓ (الخ) [1]

آپ کی آپ کے بھائی کے ذریعہ مدد کریں گے۔ اے میرے اللہ میں بھی تیرا نبی اور برگزیدہ ہوں، اے میرے اللہ میرے سینہ کو کھول دے اور میرے کام کو آسان کردے اور میرے اہل میں سے علی کو میرا معاون بنا دے اور اس کے ذریعہ میری پشت کو مضبوط فرما دے۔ (ابوذر کہتے ہیں) کہ ابھی دعا ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ جبرئیلؑ یہ آیت لیکر نازل ہوئے "انما ولیکم اللہ ورسولہ الخ" اور ولی کے معنیٰ متصرف فی الامور کے ہیں۔

دوسری روایت فقیہ ابن مغازی واسطی، ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اور آیت میں حضرت علی کے لیے ویسی ہی ولایت ثابت کی گئی ہے جیسی اللہ نے اپنے اور اپنے رسول کے لیے ثابت کی ہے۔

جواب علامہ حلی نے مفسرین کا اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ یہ آیت حضرت علی کے بارے میں نازل ہوئی ہے، علامہ نے اجماع مفسرین کا دعویٰ کر کے غالباً اپنی صدی کا سب سے بڑا جھوٹ بولا ہے یا پھر تقیہ کے کارآمد ہتھیار سے فائدہ اٹھانے کی ناکام کوشش کی ہے، غالباً علامہ کو معلوم نہیں کہ ابھی تو دیہاتوں میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو خارتلاشی لینے کے لیے کافی ہیں۔

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالیست ــــــ شاید کہ پلنگ خفتہ باشد،

حضرت علی کی شان میں نازل ہونے کا اجماع تو درکنار، اجماع تو اس بات پر ہے کہ خاصۃً حضرت علی کی شان میں نازل نہیں ہوئی [2] اہل علم اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ

---

[1] المنتقی ص۴۱۹ / محمد بن عثمان الذہبی [2] المنتقی ص۴۱۹

ثعلبی کی تفسیر موضوعات سے پُر ہے ، مذکورہ روایت میں ثعلبی تنہا ہے اور محدثین کرام ثعلبی کی روایت کو ہیچ سمجھتے ہیں ، ذرہ برابر اہمیت نہیں دیتے ، محدثین کی اصطلاح میں موصوف حاطب اللیل کے لقب سے مشہور رہیں ، جس طرح رات میں لکڑیاں جمع کرنے والا ہر قسم کی گیلی سوکھی لکڑیاں جمع کرلیتا ہے اسی طرح ثعلبی بھی ہر قسم کی روایات خواہ ضعیف ہوں یا موضوع روایت کردیتا ہے ۔ اس کے علاوہ اس کی روایت تفسیر میں کلبی سے ہے ۔ ابو صالح کہتا ہے کہ ان کی روایات تفسیر میں سب سے زیادہ رکیک ہوتی ہیں ، قاضی شمس الدین ابن خلکان کلبی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ کلبی ابن سبا کے ساتھیوں میں سے تھا جس کا عقیدہ تھا کہ حضرت علی ابن ابی طالب کا انتقال نہیں ہوا ہے وہ دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے ثعلبی کی بعض روایات کا سلسلہ محمد بن مروان سدّی صغیر پر ختم ہوتا ہے جس کو سلسلۂ کذب و وضع کی ایک کڑی مانا جاتا ہے ، سدّی کٹر رافضی تھا [1]

اجماع کے دعوے کی حقیقت

ناظرین آپ نے دیکھا کہ ثعلبی نے حضرت ابوذر سے مذکورہ روایت کا حضرت علی کے بارے میں ہونا روایت کیا ہے ، اور یہی ثعلبی حضرت ابن عباس سے اپنی تفسیر میں مذکورہ آیت حضرت ابوبکر صدیق کے حق میں نازل ہونا روایت کرتا ہے [2] اس کھلے ہوئے تضاد کے باوجود معلوم علیؔ صاحب کو مفسرین کا اجماع کہاں سے نظر آگیا ۔

ابن ابی حاتم اپنی تفسیر میں ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ مذکورہ آیت ہر اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اللہ پر ایمان لایا ہو ، عبدالملک سے مروی ہے کہ میں نے ابوجعفر محمد باقر سے مذکورہ آیت کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا (ھم المؤمنون) یعنی اس آیت کے مصداق تمام مومنین ہیں ، عبدالملک نے عرض کیا لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علی کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو امام باقر نے جواب دیا کہ علی بھی مومنین میں شامل ہیں ۔ امام محمد باقر چھٹے امام جعفر صادق کے والد محترم ہیں ، آپ نے دیکھا کہ آخر کار حق بات

---

[1] ترجمہ تحفہ اثنا عشریہ صـ۳۱۲ [2] منہاج السنۃ صـ۴/۴

زبان پر آہی گئی اور صاف فرما دیا کہ مذکورہ آیت حضرت علی کے بارے میں نازل نہیں ہوئی بلکہ تمام مومنین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ البتہ حضرت علیؓ بھی تمام مومنین میں داخل ہیں۔ علی ابن ابی طلحہ ابن عباس سے روایت فرماتے ہیں "کل من اسلم فقد تولی اللہ و رسولہ والذین آمنوا"، ہر وہ شخص جس نے اسلام قبول کیا وہ اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کا ولی ہے۔ صاحب لباب التفسیر فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیت حضرت عبادہ بن صامت کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جب کہ انہوں نے عبداللہ ابن ابیؔ کے برخلاف اپنے حلفاءِ یہود سے اظہار بیزاری کرتے ہوئے اپنی دیرینہ محبت اور تعلقات کو منقطع کرلیا تھا۔ مفسرین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ عبداللہ ابن سلام نے جب اسلام قبول کیا تو ان کے قبیلے کے تمام لوگوں نے ان سے مقاطعہ کرلیا، اس کی شکایت آنحضرت صلعم کی خدمت میں کرتے ہوئے فرمایا "یارسول اللہ" ان قومنا ھجرونا اے اللہ کے رسول ہماری قوم نے ہم کو چھوڑ دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی[2]۔ ناظرین آپ نے دیکھا ہے یہ ہے علامہ حلیؔ کے اجماع کی حقیقت

موضوع ہونے پر داخلی شہادت

مذکورہ حدیث میں ثعلبی نے ابوذر کے واسطہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں "منصور من نصرہ مخذول من خذلہ"، مطلب یہ ہے کہ جس نے جناب امیر کی مدد کی وہ منصور و مقبول ہے اور جس نے جناب امیر کی مدد نہ کی وہ ذلیل و خوار ہے۔ اہل تشیع کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ امت قتل عثمان تک ذلیل و خوار نیز مخذول و محروم رہی۔ حالانکہ ہر وہ شخص جو تاریخ اسلام سے ادنیٰ سی بھی واقفیت رکھتا ہے وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہے کہ خلفاء ثلٰثہ کے دور میں امت جتنی کامیاب اور باعزت رہی اس کی نظیر قرون سابقہ اور لاحقہ میں نہیں ملتی، یہاں تک کہ وہ حضرات بھی جو اسلام دشمنی میں اپنی مثال آپ ہیں اس بات کے معترف ہیں۔ اس کے علاوہ حدیث مذکور کے الفاظ کی رکاکت بتا رہی ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اس لیے کہ از روئے حدیثِ مذکور جناب علیؓ کے مخالفین شیعی عقیدہ

---

[1] ترجمہ تحفہ ص ۳۱۲ [2] ترجمہ تحفہ ص ۳۱۲

کے مطابق ذلیل وخوار ہوں، اگر حدیث مذکو رصحیح ہو تو اس کا لازمی اور غیر متخلف نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ خلفاء ثلثہ اور ان کے معاونین ذلیل وخوار اور ناکام و نامراد ہوں حالانکہ واقعاتی شہادت اور خود شیعہ حضرات کے بیان سے اس کا برعکس ثابت ہوتا ہے وہ یہ کہ جناب امیر کے معاونین حتی کہ بقول شیعہ حضرات خود جناب امیر بھی اپنے دور خلافت میں مخذول و مجبور ہی رہے (معاذ اللہ) مذکورہ حدیث کے متعلق شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں کہ ,, قصۂ موضوعہ عطائے انگشتری روایت می کنند،، یعنی بعض رواۃ انگشتری دینے کا موضوع واقعہ روایت کرتے ہیں۔
الغرض صدہا اکابر اہل سنّت اس روایت کو بے اصل قرار دیتے چلے آرہے ہیں مگر پھر بھی شیعہ علماء مذکورہ واقعہ کو مقبولۂ فریقین قرار دیتے ہیں، اہل نظر حضرات ذرا غور فرمائیں کہ جس روایت کا یہ حال ہو اس کی امداد اور پیوند کاری سے کسی آیت قرآنی کے ذریعہ حضرت علی کی ببینہ خلافت بلا فصل کو ثابت کیا جا سکتا ہے؟ چہ جائیکہ آیت کو اثبات خلافت کے لیے نص صریح قرار دیا جائے شیعوں کے ایک مقتدر عالم اور پیشوا علامہ ابن مطہر حلی نے منہاج الکرامہ میں مذکورہ آیت کے حضرت علیؓ کے بارے میں نازل ہونے پر اہل سنت کا اجماع نقل کیا ہے کس قدر حیرت کی بات ہے اپنے طبقہ کے ذمہ دار شخص نے اس قدر غیر ذمہ داری کی بات کی ہے ممکن ہے کہ تقیہ کا ثواب دارین حاصل کرنے کے لیے اپنی ذمہ داری کو بھی نظر انداز کر دیا ہو۔

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی بھی اپنے دور میں معزز اور منصور رہے ہیں اور حضرت علیؓ نے خلفاء ثلثہ کی بیعت بطیب خاطر فرمائی تھی اور ہمیشہ شریک کار اور شریک مشورہ رہے حافظ ابو بکر بیہقی اپنی سند کے واسطہ سے ابو سعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر جب ممبر پر چڑھے اور لوگوں پر نظر ڈالی تو ان میں حضرت علیؓ کو نہ پایا تو ان کو بلا کر فرمایا، اے رسول اللہ کے چچا زاد بھائی اور آپ کے داماد کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ مسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ ہو جائے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں اے خلیفہ رسولؐ یہ کہکر حضرت علی نے ابو بکر صدیقؓ کی بیعت کر لی [1]۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۲۴۹ ج ۵

شیعہ حضرات اس پر یہ حاشیہ لگاتے ہیں کہ جناب امیر نے بحالت مجبوری بیعت کی تھی، ابو بکر صدیق کے نمائندے جن میں عمرؓ بھی شامل تھے حضرت فاطمہؓ کے مکان پر پہنچے۔ حضرت فاطمہ نے مزاحمت کی تو عمرؓ نے ان کے اوپر دروازہ گرادیا جس کی وجہ سے جناب سیدہ فاطمہ کو ضرب شدید پہنچی اور اسی صدمہ کی وجہ سے حمل بھی ضائع ہوگیا آخر کار زبردستی جناب امیر کی گردن میں رسی باندھ کر ابو بکرؓ کے پاس لائے اور زبردستی بیعت لی۔

شیعہ حضرات کی مقبول و مستند کتاب "احتجاج طبرسی" میں لکھا ہے "ثم نادی قبل ان بایع یا ابن ام ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی ثم تناول ید ابی بکر فبایعہ"، یعنی جناب امیر نے بآواز بلند پکار کر کہا اے میری ماں کے بیٹے (رسول اللہ) مجھے میری قوم نے کمزور سمجھا ہے اور قریب ہے کہ مجھے قتل کر دے پس کہتے ہی حضرت ابو بکر کا ہاتھ پکڑا اور بیعت کر لی [1]

مذکورہ شیعی روایت سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس سے زیادہ اور کیا بے عزتی ہو سکتی ہے بقول شیعہ حضرات گردن میں رسی باندھ کر کھینچے گئے اہلیہ محترمہ کی بے عزتی کو اپنی نظروں سے دیکھتے رہے اور دم نہ مار سکے، ہمارا خیال یہ ہے کہ ابتدائی شکر رنجی کے بعد جناب امیر نے بطیب خاطر حضرت ابو بکرؓ کی بیعت فرمائی تھی ورنہ یہ ناممکن تھا کہ شیر خدا کسی سے دب کے یا ڈر کر بیعت فرمائے، آپ کے صاحبزادے حسین نے سر تو کٹنا ناگوارا کیا مگر باطل کے سامنے سر جھکانا گوارا نہ کیا، باپ کو تو بیٹے سے کچھ زیادہ ہی بہادر اور غیور ہونا چاہیے، شیر خدا کی بزدلی کا عقیدہ شیعہ حضرات ہی کو مبارک ہو، اہل سنت اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، شیعہ حضرات کے بیان کے مطابق ذلت و خواری کا یہ سلسلہ جناب امیر ہی پر ختم نہیں ہوگیا بلکہ نسلاً بعد نسل تمام ائمہ میں جاری رہا، اور آج تک جاری ہے، شیعہ حضرات حسن سے دلی طور پر اس لیے سخت ناراض ہیں کہ موصوف نے امیر معاویہؓ سے ذلت کے ساتھ صلح کیوں کی، حسن بن علیؓ کو شیعہ حضرات زبانی حد تک تو امام تسلیم کرتے ہیں مگر دلی طور پر ان سے مقاطعہ کیے ہوئے ہیں، اگر

---

[1] احتجاج طبرسی ص ۴۸

ہمارے اس بیان کو باور کرنے میں تامل ہو تو احتجاج طبرسی جو شیعہ حضرات کی معتبر ترین کتاب مانی جاتی ہے ملاحظہ فرمائی جائے جس میں شیعوں کے چھٹے امام جناب جعفر صادق کا بیان جگر گوشہ رسول دلبند علی نور چشم بتول جناب حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق درج ہے (لوتوفی الحسن بن علی علی الزنا والربو وشرب الخمر خیرًا مما توفی) یعنی اگر حسن بن علی زناکاری، سودخوری، شراب نوشی کی علت میں مرجاتے تو جس حال میں وہ مرے ہیں اس سے بہتر ہوتا) امام کے متعلق جو کہ شیعہ عقیدہ کے مطابق پیدائشی معصوم ومحفوظ عن الخطاء والنسیان ہوتا ہے، ایک امام کا یہ فرمانا کہ امام حسن نے زنا، شراب وسودخوری سے بھی بڑے گناہ کا ارتکاب کیا تھا کس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے اب آپ ہی ذرا سینہ پر ہاتھ رکھ کر انصاف سے فرمائیے کہ مرتکب گناہ کبیرہ معصوم ہو سکتا ہے؟ اور سنیئے حضرت حسین شہید کربلا نے اپنے بڑے بھائی امام حسن کے بارے میں فرمایا "انہ قال کان الحسین بن علی یبدی الکراھیۃ لما کان من اخیہ الحسن من صلح المعاویۃ ویقول لوجز انفی لکان احب الیّ مما فعلہ اخی" امام حسین شہید کربلا فرماتے ہیں کہ میرے بھائی نے جو عمل کیا یعنی دب کر ذلت کے ساتھ صلح کر لی اگر میری ناک کاٹ لی جاتی تو اس سے بہتر ہوتا، فرمائیے اب کیا خیال ہے امام حسین فرماتے ہیں کہ برادر بزرگ امام حسن نے تو ذلت کی حد ہی کر دی منہ دکھانے کے لائق بھی نہ چھوڑا اس کے بجائے اگر میری ناک کٹ جاتی تو بہتر ہوتا اس سے بڑھ کر اور ذلت کی بات سماعت فرمائیے۔

ام کلثوم بنت علی کا نکاح عمرؓ سے

اس میں کوئی شک نہیں کہ عقد ام کلثوم کے مسئلہ میں علماء شیعہ بے حد پریشان ہیں کیوں کہ اگر اس عقد کے واقعہ کو اس طرح تسلیم کرتے ہیں کہ فی الواقع یہ نکاح حسب معمول بتراضیٔ طرفین ہوا تھا تو اہل تشیّع کے قصر دینی کی عمارت منہدم ہوئی جاتی ہے کیوں کہ اس طرح عقد کے واقعہ کو تسلیم کر لینے سے یہ ماننا لازم ہو جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ صاحب ایمان تھے منافق و مرتد نہیں تھے اور نہ خلافت علی کے غاصب تھے اور خلیفہ وقت اور اہل بیت میں باہم کوئی دشمنی بھی نہیں تھی، اور طریقہ موالات وتعاون موجود تھا مگر ان امور کے تسلیم کر لینے سے شیعہ عقیدہ کی بنیاد ہی متزلزل ہوئی جاتی ہے کیوں کہ شیعی عقائد کی بنیاد ان فرضی اور محض بے اصل قیاسات پر قائم کی گئی ہے کہ خلفاء ثلثہ اول درجہ کے چھٹے ہوئے

منافق بد دین و مرتد و غاصب اور اہل بیت کے دشمن نمبر ایک تھے (معاذ اللہ)

اب اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ عقدِ ام کلثوم حسب معمول بتراضی طرفین و بطیب خاطر ہی ہوا تھا تو خلفاء یا کم از کم حضرت عمر کا نفاق و بے دینی و ارتداد و دشمنی وغیرہ کی نفی ہو جاتی ہے۔ ورنہ بصورت دیگر اہل بیت رسول پر یہ شدید اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ایسے غیر مستحق بد دین دشمن اہل بیت کافر و منافق کے حبالۂ عقد میں بطیب خاطر یہ نور دیدۂ بتول اور جگر گوشۂ رسول اور دختر نیک اختر ابو الائمہ جناب امیر کو کس طرح دے دیا گیا، کیا اور کوئی مومن کامل اس عقد کے لیے کفو میں نہ مل سکا تھا چنانچہ متقدمین شیعہ حضرات نے اس اعتراض سے بچنے کے لیے اولاً ایک لغو عذر یہ تراشا کہ لڑکی جبراً ہم سے غصب کر لی گئی جب دیکھا کہ اس اقرار میں تو بڑی ذلت ہے اور یہ عذر گناہ بدتر از گناہ کے قبیل سے ہے اس لیے کہ اس میں اہل بیت رسول پر بے حمیتی اور بے غیرتی کا الزام بجا طور پر وارد ہوتا ہے تو ایک طلسماتی عذر یہ تراشا گیا کہ دراصل ام کلثوم سے عقد نہیں ہوا تھا بلکہ جناب امیر نے بزور اعجاز ایک اجنبیہ کو ام کلثوم کی شکل میں متشکل کر کے عمر کے عقد میں دے دیا تھا اور حضرت عمر، ام کلثوم بنت علی سمجھ کر وظیفۂ زوجیت ادا کرتے رہے ہے [۱] یہ عذر جو کہ سراسر لغویت کی ایک زندہ مثال ہے دنیا کے سامنے پیش تو کر دیا گیا مگر بعد میں چل کر بعض حضرات کو اس لغویت کا احساس ہوا کہ دنیا اس بیان کو سن کر انگشت بدنداں ہو رہی ہے تو ایک جدید عذر یہ تراشا گیا کہ ام کلثوم دختر علی تو ضرور تھیں مگر دختر فاطمہ رض نہیں تھیں، غرضیکہ اس سراسر سیدھے سادے اور سچے عقد نکاح سے بچنے کے لیے مختلف اعذار علماء شیعہ نے تراشے اور اس نکاح کے نتائج واضحہ سے بچنے کے لیے حد درجہ ناکام کوششیں اختیار کیں [۲]

اہل سنت والجماعت ایک لمحہ کے لیے بھی یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ حضرت عمر رض نے بالجبر ام کلثوم کو اپنے تصرف میں رکھا تھا، یہ انتہائی رسوا کن عذر شیعہ حضرات ہی کو مبارک ہو ہمارے معاشرہ میں جو انتہائی رذیل اور پست اقوام سمجھی جاتی ہیں وہ بھی ایسے موقع پر جبکہ اپنی عزت و ناموس کا سوال در پیش ہو، غصب فرج کی انتہائی ذلت گوارا نہیں کر سکتے اپنی جان

۱؎ اصول کافی ص ۱۴۱ ج ۲   ۲؎ نفس مناظرہ ص ۲۸۶ ج ۱

جسے کبھی اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرنا اپنا لازمی فرض سمجھتے ہیں، افرادِ طاہرینِ اہلِ بیت نے نہایت خاموشی کے ساتھ یہ کیسے گوارا کرلیا۔ اور روزِ روشن میں ایک منافق و مرتد دشمنِ خدا و رسول نورِ دیدہ بتول اور جگر گوشۂ رسول کو چھین کر لے گیا۔

اب ہم اہلِ علم حضرات کے لیے شیعہ حضرات کی چند معتبر کتابوں کے اقتباسات اپنے بیان کی تائید میں پیش کرتے ہیں ملاحظہ ہو۔ فروع کافی کی مندرجہ حدیث، عن زرارہ عن ابی عبداللہ فی تزویج ام کلثوم فقال ذالک فرج غصبناہ [1] یعنی زرارہ نے امام جعفر صادق سے نکاح ام کلثوم کی بابت روایت کی ہے کہ امام نے فرمایا کہ وہ ایک شرم گاہ تھی جو ہم سے غصب کرلی گئی،

شیعوں کے نزدیک علم حدیث کی سب سے زیادہ معتبر کتاب جس کی ہم نے ابھی اوپر روایت نقل کی ہے اسی میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ جب حضرت عمرؓ کی وفات ہوئی اور ام کلثوم بنت علی بیوہ ہوئیں تو جناب امیر ان کے پاس گئے اور (عدت گذاری کے لیے) ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے آئے (لما مات عمرؓ اتی ام کلثوم فاخذ بیدھا فانطلق بھا الی بیتہ) اگر ام کلثوم بنت علی کے علاوہ دوسری کوئی ہوتیں تو حضرت علیؓ ان کو عدت گذاری کے لیے اپنے یہاں کیوں لاتے؟ اور امام جعفر صادق (ذالک فرج غصبناہ) کیوں فرماتے؟ حضرت عمرؓ کے ساتھ نکاحِ ام کلثوم کا واقعہ متعدد تاریخی کتابوں میں منقول ہے ان میں سے ایک شیعہ عالم کی کتاب ہے (تاریخ طرازِ مذہب مظفری) جس میں یہ عبارت تحریر ہے "چوں جناب ام کلثوم کبری دختر فاطمہ زہرا در سرائے عمر ابن الخطاب بود از وے فرزندے بیاورد چنانکہ مذکور گشت و چوں عمر مقتول شد محمد بن جعفر بن ابی طالب او را در حبالۂ نکاح در آورد"، یعنی ام کلثوم کبری دختر فاطمہ زہرا حضرت عمر بن خطاب کے نکاح میں تھیں جیسا کہ مذکور ہوا، ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا تھا اور جب حضرت عمر مقتول ہوگئے تو ام کلثوم سے محمد بن جعفر بن ابی طالب نے نکاح کرلیا، دیکھیے کس قدر حصر و یقین کے ساتھ یہ امور ثابت

---

[1] اصول کافی ۱۴۱ ج ۲

ہو رہے ہیں کہ ام کلثوم بنت علی فاطمہ زہرا کے بطن سے تھیں کہ جو حضرت عمرؓ کے نکاح میں آئیں اور صاحب اولاد ہوئیں ،

ہم نے ذلت وخواری کی یہ چند مثالیں اس بات کو ثابت کرنے کیلیے پیش کی ہیں کہ جس حدیث سے علامہ علی صاحب نے استدلال کیا ہے خارجی شہادت کے علاوہ اس حدیث کے الفاظ کی داخلی شہادت ہی حدیث کو موضوع ثابت کرنے کے لیے کافی ہے اس لیے کہ اہل بیت او اماماں اہل بیت کے ساتھ جو کچھ بھی ذلت وخواری کا معاملہ ہوا وہ الفاظ حدیث (منصور منصورہ مخذول من خذلہ) کے بالکل برعکس اور ضد ہے ، ہم اس عنوان کو طول دینا نہیں چاہتے ورنہ شیعہ حضرات ہی کی معتبر کتابوں سے ثابت کر سکتے ہیں کہ حضرت علی سے لیکر آخری امام مہدی صاحب الزماں تک سب نے ذلت وخواری میں زندگی بسر کی اور آج تک دشمنوں کے خوف کی وجہ سے روپوشی کی زندگی بسر کر رہے ہیں اس کے برخلاف وہ حضرات جنہوں نے بقول شیعہ حضرات حضرت علی کی مدد نہیں کی ان کو حدیث کی رو سے مخذول ومغلوب ہونا چاہیے ، حالانکہ حضرت ابوبکر صدیق کے دور خلافت سے لیکر حضرت عثمان رضؓ کے دور خلافت میں خصوصاً حضرت عمرؓ کے دور میں جو شیعہ حضرات کے نزدیک اہل بیت کے دشمن شمار ہوتے ہیں اسلام اور مسلمانوں کو جو عزت وسربلندی نیز کامیابی وکامرانی حاصل ہوئی اس کی نظیر نہ قرون سابقہ میں تاریخ پیش کر سکی ہے اور نہ لاحقہ میں ، یہ حضرت عمرؓ ہی تو ہیں کہ جن کے دور اقتدار میں اس زمانہ کی سب سے عظیم دو طاقتیں روم وفارس مفتوح ہو کر سلطنت اسلامی کا حصہ بنیں حضرت عمرؓ کے مفتوحہ ممالک کا رقبہ بائیس[۲۲] لاکھ اکاون ہزار تین[۳] مربع میل تھا[۱] شیعہ حضرات کو عمرؓ کا شکرگزار ہونا چاہیے کہ ایران کو فتح کر کے وہاں کے باشندوں کو اسلام سے روشناس کرایا ، ورنہ خدا معلوم کون سے آتش کدہ میں آتش پرستی کر رہے ہوتے ، یہ حضرت عمرؓ ہی کا تو طفیل ہے کہ ہر ملک کے گلی کوچوں میں آزادی کے ساتھ یا حسین کی صدا بلند کرتے پھر رہے ہیں ، اس کے برخلاف کیا شیعہ حضرات حضرت علی یا بارہ اماموں میں سے کسی امام کے متعلق تاریخ سے یہ ثابت کر سکتے ہیں

---

[۱] الفاروق صہ ۲۶

کہ خلفاء ثلثہ کے مقبوضہ علاقے میں ایک انچ زمین کا بھی اضافہ کیا ہو،

اہل تشیع کا کلمہ انما سے استدلال

شیعہ حضرات کا دعویٰ ہے کہ آیت میں "ولی" بمعنی متصرف اور حاکم کے ہیں مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ اور رسول مسلمانوں پر حاکم ہیں جناب امیر بھی مسلمانوں پر اسی طرح حاکم ہیں اور اسی تصرف کا نام امامت ہے۔

آیت کے شروع میں (انما) کلمہ حصر موجود ہے، جو حصر حقیقی کا فائدہ دیتا ہے جس سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کے حاکم اور متصرف فی الامور صرف تین ہی ہیں (۱) اللہ (۲) رسول (۳) جناب امیر ان کے علاوہ کی حاکمیت کی نفی آیت سے بصراحت ثابت ہوتی ہے، لہذا اہل سنّت کے خلفاء راشدین کی خلافت و امامت باطل ہوگئی (وہو المدعیٰ)

جواب

شیعہ حضرات کے بیان کے مطابق اگر جناب امیر میں خلافت و امامت کے حصر کی وجہ سے خلفاء ثلثہ کی خلافت باطل قرار پاتی ہے تو کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ کلمہ (انما) کے مبینہ حصر کی وجہ سے حسنین رض سے لیکر شیعوں کے آخری امام مہدی تک تمام ائمہ کی امامت باطل قرار پائے گی، اس لیے کہ کلمہ (انما) اپنے ماقبل اور مابعد دونوں پر مساوی حیثیت سے اثر انداز ہوتا ہے، لہذا اگر شیعہ حضرات کی دلیل تسلیم کر لی جائے تو اہل سنت والجماعت کا تو صرف تین اماموں کا نقصان ہوگا مگر جماعت اثنا عشریہ کو گیارہ اماموں سے ہاتھ دھونا پڑے گا، صرف ایک امام جناب امیر کی امامت جو کہ فریقین کے درمیان متفق علیہ ہے باقی رہ جائے گی۔ اور اگر حصر سے حصر اضافی مراد لیا جائے کہ بعض اوقات میں امامت جناب امیر پر منحصر ہے تو اہل سنت والجماعت بھی اس بات کے قائل ہیں کہ جناب امیر کی امامت بعض اوقات یعنی ان کے وقت میں منحصر ہے اس وقت میں دوسرا کوئی امیر نہیں ہے (فہو مذہبنا)

آیت میں ولی سے امامت عامہ مراد نہیں

آیت میں مذکور والذین آمنو کی ولایت بوقت نزول آیت بالاتفاق مراد نہیں ہے اس لیے کہ جس وقت آیت کا نزول ہوا اور الذین آمنوا کو خطاب ہوا ہے اس وقت رسول خدا خود بقید حیات ہیں اور امامت نیابت نبی کا نام ہے جو کہ نبی کی وفات کے بعد ہی ہو سکتی

ہے ورنہ تو نبی کی وفات کے قبل ہی حضرت علی کی امامت عامہ کا وجود لازم آئے گا جو کہ باطل ہے لہٰذا ضروری ہوا کہ حضرت علی کی امامت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی ہو اور بعد کی کوئی حد نہیں ہے چار سال بھی ہو سکتے ہیں اور چوبیس سال بھی جو کہ خلفاء ثلثہ کی خلافت کا زمانہ ہے لہٰذا اس دلیل سے بھی اہل تشیع کا دعویٰ خلافت بلا فصل ثابت نہیں ہوتا،

صیغہ جمع واحد پر صادق نہیں آتا

یہ روایت پہلے گذر چکی ہے کہ پانچویں امام، امام باقر نے فرمایا کہ مذکورہ آیت مہاجرین اور انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے، آیت کے ظاہری الفاظ بھی اسی کی تائید کرتے ہیں اس لیے کہ ,,الذین آمنوا ، یقیمون الصلوٰۃ ، ویوتون الزکوٰۃ ،، سب جمع کے صیغے ہیں اور جمع کو واحد پر محمول کرنا خلاف اصل ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ جمع تعظیمی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسی آیت میں رسولؐ کے لیے جمع کا صیغہ تعظیماً کیوں نہیں لایا گیا۔ کیا رسولؐ کی عظمت حضرت علی کی عظمت کے برابر بھی نہیں ہے؟ شیعہ حضرات حضرت علیؓ کو دیگر انبیاء سے تو افضل مانتے ہی ہیں کیا آنحضرتؐ سے بھی افضل مانتے ہیں؟

حالت رکوع میں زکوٰۃ دینا امامت کی شرط نہیں ہے

شیعہ حضرات کلمہ (انما) کے ذریعہ حضرت علیؓ کے لیے حصر ثابت کرتے ہیں اور آیت کا مصداق حضرت علی ہی کو قرار دیتے ہیں، اس لیے کہ بقول شیعہ از روئے حدیث آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس نے حالت رکوع میں انگشتری زکوٰۃ میں دی تھی، اگر حالت رکوع میں زکوٰۃ دینا کوئی محبوب اور افضل عمل ہی ہے تو جناب امیر نے یہ عمل اپنی زندگی میں کتنی بار کیا؟ اور دیگر حضرات کو اس کی ترغیب کیوں نہیں دی، اور کتنے شیعہ صاحبان ہیں جو حالت رکوع میں زکوٰۃ دیکر اس فضیلت کا ثواب حاصل کرتے ہیں نیز اگر حالت رکوع میں زکوٰۃ دینا فرض تھا تو آنحضرت صلعم نے اس عمل کو کیوں نہیں کیا یا کم از کم اس کی ترغیب امت کو کیوں نہیں دی؟ اور اگر حالت رکوع میں انگشتری دینا امامت کے لیے شرط ہے تو حضرت علی کے علاوہ کسی اور امام میں یہ شرط نہیں پائی جاتی لہٰذا ان کی امامت کیسے درست ہوئی؟

آیت زیر بحث میں ولی کے معنیٰ

اگر بالفرض تنزیلاً، بحث کو جاری رکھنے کے لیے تھوڑی دیر کے لیے ہم یہ تسلیم کرلیں کہ آیت کا تعلق

حضرت علی سے ہے تو زیادہ سے زیادہ اس کا نتیجہ یہی تو برآمد ہوگا کہ حضرت علی رضؓ از روئے نصِ قرآنی ولی ہیں، تو کیا آپ کوئی ایسا شخص کہ جو اہل سنت ہونے کے باوجود حضرت علی کو ولی بلکہ اشرف الاولیاء تسلیم نہ کرتا ہو، الغرض آیتِ زیر بحث کے الفاظ کی حد تک خلافت بلافصل کی صراحت تو کجا اشارہ تک بھی نہیں ہے۔

شیعہ حضرات کا دعویٰ ہے کہ آیتِ زیر بحث میں (ولی) کے معنیٰ خلیفہ اور حاکم کے ہیں، جہاں تک لغت کا تعلق ہے ولایت کا لفظ دو طرح مستعمل ہے اول وِلایت واؤ کے کسرہ کے ساتھ اس کے معنیٰ محبت کے ہیں اسی سے ولی بمعنیٰ محبت مشتق و مستعمل ہے، اس کی جمع اولیاء آتی ہے۔ دوسرے وَلایت واؤ کے فتح کے ساتھ اس کے معنیٰ حکومت کے ہیں اسی سے والی بمعنی حاکم مشتق و مستعمل ہے، اس لغوی فرق کو معمولی اردو داں بھی جانتا ہے، مثلاً شاہ فہد کو والیِ سعودیہ کہہ سکتے ہیں مگر ولیِ سعودیہ نہیں کہہ سکتے اس معمولی فرق و اشتقاق کی صراحت شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی فرمائی ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ لفظ ولی بہت سے معنیٰ کے لیے مستعمل ہے اس کے معنیٰ، محب، ناصر، صدیق، متصرف فی الامور وغیرہ کے ہیں، لفظ مشترک سے کوئی ایک معنیٰ قرینہ خارجی کے بغیر مراد نہیں لیے جا سکتے، زیر بحث آیت میں ماسبق کا قرینہ ناصر و مددگار کے معنی کا مؤید ہے اس لیے کہ کلام مومنوں کی تسلی نیز مرتدین کا خوف ان کے دل سے نکالنے کے سلسلہ میں وارد ہوا ہے (کما قال اللّٰہ تعالیٰ یاایہا الذین آمنوا لاتتخذوا الیہود والنصاریٰ اولیاء بعضہم اولیاء بعض ومن یتولہم منکم فانہ منہم ان اللّٰہ لایہدی القوم الظالمین (الآیۃ) اور مابعد کا قرینہ محب اور صدیق کے معنی کا مؤید ہے،

آیت کفار سے ترک موالات کے بارے میں نازل ہوئی ہے

مفسرین کے نزدیک یہ بات معلوم و مشہور رہی ہے کہ مذکورہ آیت کفار سے ترک موالات اور مومنین سے امر موالات کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جب کہ عبداللہ ابن ابی کے کفار سے ترک موالات کرنے سے انکار کر دیا، تو عبادہ بن صامت رضؓ نے فرمایا "انی اتولی اللّٰہ ورسولہ وابرأ الی اللّٰہ ورسولہ من ہؤلاء الکفار وولا یتہم"، کہ میں اللہ اور اس کے رسول کو اپنا دوست بناتا ہوں اور کفار نیز ان کی دوستی سے اظہار بیزاری کرتا ہوں تو

مذکورہ آیت نازل ہوئی، اور سیاقِ کلام بھی اسی کی تائید کرتا ہے "یا ایہا الذین آمنوا لاتتخذوا الذین اتخذوا دینکم ھزوًا ولعبًا من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم والکفار اولیاء (الآیہ)
ترجمہ: اے ایمان والو اہل کتاب اور کفار میں سے ان لوگوں کو اپنا دوست مت بناؤ جو تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بناتے ہیں۔

گذشتہ آیتوں میں مسلمانوں کو یہود ونصاری کی موالات اور سچی دوستی سے منع کیا گیا تھا جس کو سننے کے بعد طبعی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر مسلمانوں کے تعلقات محبت اور معاملات مودت کن سے ہونے چاہییں۔ "انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا (الآیہ) میں بتلا دیا گیا کہ ان کا یار حقیقی خدا اور اس کا رسول اور مخلص مسلمانوں کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا کلمہ انما بھی اسی معنیٰ کا تقاضا کرتا ہے اس لیے کہ حصر وہیں کیا جاتا ہے جہاں تردد اور شرکت کا احتمال ہو اور اس پر اجماع ہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت امامت اور ولایتِ تصرف کے بارے میں نہ تردد تھا اور نہ شرکت کا احتمال اس لیے کہ آنحضرت صلعم بقید حیات تھے لہذا ولایت وخلافت میں نزاع وتردد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، البتہ مسئلہ نصرت ومحبت درپیش تھا کہ کس سے تعلق ومحبت ومودت رکھا جائے اور کس سے نہ رکھا جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے "انما ولیکم اللہ الخ" نازل فرما کر مسلمانوں کے شک وتردد کو دور فرمادیا

سابقہ آیت میں کہا گیا ہے "بعضہم اولیاء بعض" یہ یہود ونصاری آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں لہذا ان سے مودت ومحبت، رفاقت والفت کا معاملہ نہ رکھو تمہاری محبت ومؤدت تو اللہ اور اس کے رسول نیز مومنین مخلصین سے ہونی چاہیے۔ بعضہم اولیاء بعض میں ولی کے معنی مؤدت ومحبت کے لیے گئے ہیں لہذا وہی معنیٰ "انما ولیکم اللہ ورسولہ الخ" میں بھی مراد ہوں گے تاکہ جس معنیٰ کا سابق میں اثبات کیا گیا ہے اسی معنیٰ کی نفی کی جائے، بعضہم اولیاء بعض میں ولی بمعنی امام اور متصرف فی الامور لینے کی کوئی تک ہی نہیں ہے اس لیے کہ یہود ونصاری اپنا کسی کو امام نہیں بناتے لہذا علماء شیعہ کا یہ دعویٰ کہ "انما ولیکم اللہ الخ" میں ولی بمعنیٰ متصرف فی الامور اور امام مراد ہے کیسے درست ہو سکتا ہے، یہ شیعہ حضرات کے ان علماء کا حال ہے جو چیدہ

اور برگزیدہ شمار ہوتے ہیں جلالت شان رکھتے ہوئے بھی بے مغز باتیں کرتے ہیں،

خلافت بلا فصل پر اہل تشیع کی دوسری قرآنی دلیل

اہل تشیع اپنے دعوے خلافت بلا فصل کے ثبوت میں سورہ احزاب کی آیت "انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا" کو پیش کرتے ہیں، ترجمہ — اے اہل بیت اللہ تعالیٰ تم سے نجاست دور کرنے اور تم کو پوری طرح پاک کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔

ابن مطہر حلی المتوفی ۷۲۶ھ نے اپنی عادت کے مطابق دعویٰ کیا ہے کہ مذکورہ آیت باجماع مفسرین حضرت علیؓ، حسنؓ، حسینؓ، اور حضرت فاطمہؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور تاکیدی طور پر ان حضرات کے لیے عصمت کے ثبوت پر بھی دلالت کرتی ہے، اور علامہ حلی نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ امام کے لیے معصوم ہونا ضروری ہے، لہٰذا امت حضرت علی کے لیے ثابت ہوگئی،

آیت تطہیر کا شان نزول

آیت تطہیر کے شان نزول کے بارے میں تین فریق ہیں (۱) اہل تشیع، ان کا دعویٰ ہے کہ مذکورہ آیت فقط حضرت علی و حسن، حسین و فاطمہؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے (۲) یہ عام اہل سنت و الجماعت کا فریق ہے جس کا دعویٰ ہے کہ آیت محض ازواج مطہرات کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ (۳) تیسرا فریق محققین اہل سنت والجماعت کا ہے جس کا دعویٰ ہے کہ آیت کا نزول اگرچہ ازواج مطہرات کی شان میں ہی ہوا ہے مگر چونکہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا لہٰذا آیت کے مصداق میں دیگر اہل بیت بھی داخل ہیں۔

فریق اول کی دلیل

اہل تشیع اپنے دعوے کے ثبوت میں مندرجہ ذیل دو روایتیں پیش کرتے ہیں (۱) امام احمد نے اپنی مسند میں واثلہ بن الاسقع سے روایت بیان کی ہے، قال طلبت علیا فی منزلہ فقالت فاطمۃ: ذھب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قال: فجاء اجمیعًا، فدخلتُ معھما، فاجلسَ علیًا عن یسارہ وفاطمۃ عن یمینہ والحسن والحسینَ بینَ یدیہ ثم التفعَ علیھم بثوبہٖ وقالَ (انما یرید اللہ لیذھبَ عنکم

الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیرا) اللھم ان ھؤلاء اھلی ؎

ترجمہ ـــــ واثلہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کو ان کے گھر آواز دی، حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا، کہ رسول اللہ کی خدمت میں تشریف لے گئے ہیں، واثلہ کہتے ہیں کہ پھر دونوں (حضرت علیؓ اور فاطمہؓ) تشریف لائے میں بھی ان حضرات کے ساتھ (آنحضرت کی) خدمت میں حاضر ہو گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اپنی بائیں جانب اور حضرت فاطمہؓ کو دائیں جانب اور حسنین کو سامنے بٹھایا۔ پھر ان کے اوپر اپنا کپڑا ڈال دیا اور یہ آیت پڑھی "انما یرید اللہ لیذھب الخ"،

(۲) دوسری روایت احمد و ترمذی نے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے،

عن ام سلمۃ قالت: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بیتھا فاتتہ فاطمۃ ببرمۃ فیھا حریرۃ فدخلت بھا علیہ فقال ادعی زوجک وابنیک قالت فجاء علی وحسن وحسین فدخلوا وجلسوا یاکلون من تلک الحریرۃ وھو وھم علی منام لہ علی وکان تحتہ کساء خیبری وقالت انا فی الحجرۃ اصلی فانزل اللہ ھذہ الآیۃ "انما یرید اللہ لیذھب (الآیہ) قالت فاخذ فضل الکساء وکساھم بہ ثم اخرج یدیہ فالوی بھما

ترجمہ ـــــ حضرت ام سلمہ بیان فرماتی ہیں کہ رسولؐ اس کے گھر تشریف فرما تھے، چنانچہ حضرت فاطمہؓ تشریف لائیں ان کے ہاتھ میں ایک برتن تھا اور اس میں حریرہ تھا چنانچہ برتن آنحضرت کی خدمت میں پیش کیا آپؐ نے فرمایا اپنے شوہر اور دونوں بیٹوں کو بلاؤ چنانچہ حضرت علی اور حسنین تشریف لائے اور آپؐ کے پاس بیٹھ گئے، اور حریرہ کھانے لگے، حال یہ کہ آپؐ اور یہ حضرات میرے گھر میں آپ کے بستر پر تھے اور آپ کے نیچے خیبری چادر بچھی ہوئی تھی، اور میں حجرہ میں نماز پڑھ رہی تھی پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت (انما یرید اللہ لیذھب الخ) نازل فرمائی، ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ نے چادر کا فاضل حصہ لیا اور اور ان حضرات کو اڑھادیا، پھر آپؐ نے اپنے

؎ منہاج السنہ ص۲ ج ۴

الی السماء وقال ھؤلاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس و طھرھم تطھیرا فکررذالک قالت ادخلت راسی وقلت وانا معھم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انک علیٰ خیر۔ [1]

دست مبارک چادر سے نکالے اور آسمان کی طرف اٹھایا اور فرمایا: یہ میرے اھل بیت ہیں ان سے گندگی دور فرمائیے اور ان کو اچھی طرح پاک فرمائیے، اور آپ نے یہ الفاظ کئی بار فرمائے، اور فرماتی ہیں کہ میں نے بھی اپنا سر اس میں داخل کر دیا اور میں نے کہا کہ میں بھی اللہ کے رسول ان کے ساتھ ہوں تو آپ نے فرمایا تم تو خیر پر ہو ہی،

اہل تشیع کی دلیل کا جواب

علامہ حلیؒ باوجودے کہ اپنے طبقہ میں خاصی شہرت رکھتے ہیں اور معتمد شمار ہوتے ہیں مگر اپنی عادت اور روایت سے مجبور ہو کر مخالف کو دھوکہ دینے کے لیے اکثر اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں یا ہوسکتا ہے کہ تقیہ کا ثواب دارین حاصل کرنے کی نیت سے دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے ایمان کی تکمیل فرماتے ہوں اس لیے کہ تقیہ کے بغیر ان کے نزدیک ایمان کمل نہیں ہوتا اور کیسے ہوسکتا ہے جب کہ دین کے نو حصے تقیہ میں ہیں اور بقیہ تمام معاملات و عبادات ایک حصہ میں ہیں چنانچہ آیت تطہیر کے شان نزول کے بارے میں بھی اجماع مفسرین کا دعویٰ کر دیا، اور یہ نہ سوچا کہ ابھی دنیا میں خانہ تلاشی لینے والے لوگ موجود ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک رہیں گے۔

علامہ حلی کا دعوۂ اجماع کی حقیقت

علامہ کا خود ساختہ اجماع تو کہیں نظر نہیں آیا البتہ اہل علم نے اجماع نہ ہونے پر اجماع نقل کیا ہے، ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت بیان کی ہے کہ آیت تطہیر ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے [2]

---

[1] منہاج السنہ ص ۲۰ ج ۴ تفسیر فتح القدیر۔ ص ۲۷۹ ج ۴ [2] منہاج السنہ ص ۲۱ ج ۴ فتح القدیر شوکانی ص ۲۷۹ ج ۴

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ "انہا نزلت فی ازواج النبیؐ"، کہ آیت تطہیر ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے نیز ابن جریر عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ مذکورہ آیت نازل ہونے کے بعد حضرت عکرمہ بازاروں میں اعلان کرتے تھے کہ مذکورہ آیت ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے (بحوالہ مذکورہ)

آیت تطہیر ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے

علماء اہل سنت والجماعت میں سے جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ آیت زیر بحث کا مصداق صرف ازواج مطہرات ہی ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ آیت مذکورہ کا سیاق و سباق اس بات کی تائید کرتا ہے کہ آیت صرف ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے یہ حضرات خصوص سبب کا اعتبار کرتے ہیں نہ کہ عموم الفاظ کا، البتہ اہل سنت والجماعت میں سے اہل تحقیق کا مسلک یہ ہے کہ اگرچہ مذکورہ آیت ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے مگر عموم الفاظ کی رو سے دیگر اہل بیت بھی آیت کے مصداق میں شامل ہیں،

سیاق و سباق سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آیت کا اولین مصداق ازواج مطہرات ہیں اس لیے کہ پورے رکوع میں "یاایہا النبیّ قل لازواجک"، سے لے کر آخر رکوع تک جو کچھ امر و نہی وعدہ و وعید بیان کیا گیا ہے ان سب کی مخاطب ازواج مطہرات ہی ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ نبی کے گھر والوں کو ان احکام پر عمل کرا کر خوب پاک و صاف کر دے اور ان کے رتبہ کے مطابق ایسی قلبی صفائی اور اخلاقی ستھرائی عطا فرمائے جو دوسروں سے ممتاز اور فائق ہو جس کی طرف یطہّرکُم کے بعد تطہیرا کا اضافہ کر کے اشارہ فرمایا ہے، یہاں تطہیر اور اذھاب رجس سے وہ تطہیر مراد نہیں ہے جو وضو میں مراد ہے بلکہ یہاں تطہیر سے مراد تہذیب نفس تصفیہ قلب، اور تزکیہ باطن کا وہ اعلیٰ مرتبہ مراد ہے جو کامل اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے اور جس کے حصول کے بعد وہ انبیاء کی طرح معصوم تو نہیں ہو جاتے، البتہ محفوظ کہلاتے ہیں چنانچہ لیذھب الخ فرمایا اور اراد اللہ یا اذھب نہ فرمانا خود اس بات کی دلیل ہے کہ اہل بیت کے لیے عصمت ثابت نہیں ہے۔ جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے علم و بصیرت کے ساتھ ساتھ نظم قرآن میں تفکر و تدبر کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے ان کو ایک لمحہ کیلیے

بھی اس میں شک و شبہ نہیں ہو سکتا کہ آیت تطہیر میں اہل بیت کا مصداق ازواج مطہرات ہیں اس لیے کہ آیات میں اصالۃً خطاب ازواج ہی سے ہے لیکن اولاد اور داماد بھی چونکہ اصل میں بجائے خود شامل ہیں بلکہ بعض حالات میں وہ اس لفظ کے زیادہ مستحق ہیں جیسا کہ مسند احمد کی ایک روایت میں احق کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے اسی لیے آپؐ نے حضرت علی اور فاطمہ اور حسنین کو چادر میں لیکر فرمایا، اللّٰھم ھؤلاء اھل بیتی،

ادنیٰ عقل و خرد رکھنے والا شخص بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ آیت تطہیر سے پہلے اور بعد میں خطاب ازواج مطہرات سے ہے اور اوامر و نواہی کے احکام بھی انہی سے متعلق ہیں تو پھر اچانک درمیانِ کلام میں بغیر کسی نکتہ اور بغیر کسی قرینہ اور سابقہ تنبیہ کے سابق کلام کے تکمیل ہونے سے پہلے دوسروں کا حال بیان کرنا شروع کر دینا طریقہ بلاغت کے خلاف ہے جو کہ عامی آدمی بلکہ بچوں کے کلام میں بھی مذموم ہے چہ جائیکہ باری تعالیٰ کے کلام میں جو کہ بلاغت کے درجہ اعجاز کو پہنچا ہوا ہے، ایسی بات تو وہی شخص کر سکتا ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے عقل و خرد سے یکسر محروم کر دیا ہو،

اس کے علاوہ کلام میں (بیوتکن) کا اضافہ اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ اہل بیت سے ازواج مطہرات ہی مراد ہیں اس لیے کہ ازواج مطہرات کے گھروں کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر اور کون سا تھا؟ مطلب یہ کہ اہل بیت سے آپ کے گھر والے مراد ہیں اور آپ کا گھر اور ازواج کا گھر ایک ہی ہے۔ [1]

اہل تشیع کا اعتراض شیعہ علماء کا اعتراض یہ ہے کہ آیت تطہیر میں، عنکم اور لیطھرکم مذکر کے صیغے استعمال ہوئے لہذا اہل بیت سے ازواج مراد نہیں ہو سکتیں۔

جواب: مذکر کے صیغے لفظ اہل کی رعایت کی وجہ سے لائے گئے ہیں، جو کہ عربی محاورہ کے اعتبار سے کثیر الاستعمال ہیں، قرآن مجید میں بھی اس کا استعمال جا بجا ہوا ہے، نیز بیوی کے لیے اہل کا

---

[1] منہاج السنہ صفحہ ۲ و ۲۱

استعمال بھی قرآن میں موجود ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا "اتعجبین من امر اللہ رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت انہ حمید مجید" کیا تو تعجب کرتی ہے اللہ کے حکم پر اے اہل بیت اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہیں تم پر بلاشبہ وہ ستودہ صفات اور بزرگ ہے، اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ اہل بیت کا اطلاق زوجہ پر کیا گیا ہے اس لیے کہ اہل بیت سے حضرت سارہ مراد ہیں دوسرے یہ کہ علیکم جمع مذکر کا صیغہ حضرت سارہ کے لیے استعمال ہوا ہے دوسری مثال ملاحظہ ہو "قال لاھلہ امکثوا"، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اہلیہ سے فرمایا تم یہاں ٹھہرو، اس آیت میں بھی زوجہ کے لیے اہل کا لفظ اور امکثوا جمع مذکر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ فرمائیے کیا اب بھی کوئی شبہ باقی ہے۔

اہل بیت کا مصداق اصالۃً ازواج مطہرات ہیں

ترمذی اور دیگر کتب صحاح میں جو یہ واقعہ مذکور ہے کہ آیت تطہیر کے نزول کے بعد آنحضرت صلعم نے چار شخصوں کو اپنی چادر میں لیا اور یہ دعا فرمائی "اللھم ھؤلاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا"، تو حضرت ام سلمہ تشریف لائیں اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے بھی شریک فرمالیجیے آپؐ نے فرمایا "انت علیٰ خیر وانت علیٰ مکانک"، اے ام سلمہ تم تو اس آیت کا مصداق ہو ہی تم اپنی جگہ رہو، یہ واقعہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آیت کا نزول ازواج مطہرات کے بارے میں ہوا تھا، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور رحمت و شفقت اس وعدہ الٰہی میں مذکورہ چار اشخاص کو بھی شامل کرنے کے لیے دعا فرمائی، اگر بقول شیعہ حضرات آیت کا نزول مذکورہ چار اشخاص کے بارے میں ہوا ہوتا تو پھر دعا کی کیا ضرورت تھی یہ تو تحصیل حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ ام سلمہ کو اپنی دعا میں شریک نہیں فرمایا اس لیے کہ دعا کو ان کے حق میں تحصیل حاصل سمجھا، اس بات کی تائید کہ آیت کا نزول صرف پنجتن کی شان میں نہیں ہوا بیہقی کی اس روایت سے ہوتی ہے "وقال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للعباس بن عبد المطلب یا ابا الفضل لا ترم منزلک انت وبنوک غدا حتی آتیکم فان لی بکم حاجۃ فانتظروہ حتی جاء بعد ما اضحیٰ فدخل علیھم وقال

السلام علیکم فقالوا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ قال کیف اصبحتم قالوا اصبحنا بخیر بحمد اللہ فقال لہم تقاربوا نزحف بعضکم الی بعض حتی اذا امکنوہ اشتمل علیہم بملاتہ ثم قال یا رب ھذا عمی وصنو ابی وھولاء اھل بیتی استرھم من النار کستری بملاءتی ھذہ قال فامنت اسکفۃ الباب وحوائط البیت وقالت آمین آمین، آمین (اخرجہ ابن ماجہ وغیرہ من المحدثین)

ترجمہ ــــ راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس بن عبد المطلب سے فرمایا، اے ابو الفضل کل جب تک میں تمہارے پاس نہ آجاؤں تم اور تمہارے لڑکے اپنے گھر سے نہ جانا مجھے تم سے کچھ کام ہے، لہذا ان سب نے آپ کا انتظار کیا، یہاں تک کہ آپ چاشت کے بعد تشریف لائے اور آکر آپؐ نے سلام کیا سب نے اس کا جواب دیا پھر آپ نے خیریت معلوم کرتے ہوئے فرمایا "کیف اصبحتم؟" آپ لوگوں کی رات کیسی گذری، سب نے جواب دیا الحمد للہ خدا کا شکر ہے خیریت سے گذری، پھر آپ نے ارشاد فرمایا آپس میں سب مل جاؤ، سب آپس میں مل گئے یہاں تک کہ جب سب آپ کے پاس آگئے تو آپ نے ان کو اپنی چادر میں لے لیا، اور فرمایا: اے میرے رب یہ میرے چچا ہیں اور میرے باپ کے بھائی ہیں، اور یہ میرے اہل بیت ہیں تو ان کو آتش دوزخ سے اسیطرح چھپا جس طرح میں نے ان کو چادر میں چھپا لیا ہے، راوی کہتا ہے کہ اس دعا پر دروازہ کی چوکھٹوں اور گھر کی دیواروں نے آمین کہی۔

اس روایت سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آیت کا نزول تو ازواج مطہرات ہی کے کے بارے میں ہے مگر آپؐ اس وعدۂ الہٰی میں زیادہ سے زیادہ خاندان کے افراد کو شامل کرانا چاہتے ہیں اس لیے کہ حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد شیعہ حضرات کے نزدیک اہل بیت میں شامل نہیں ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص طور پر دعا کر کے اہل بیت کے دیگر افراد کو وعدہ الہٰی میں شامل کرانے کی وجہ یہ ہے کہ آیت چونکہ ازواج مطہرات کی شان میں نازل ہوئی ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ وعدہ تطہیر بھی ازواج مطہرات کے لیے خاص ہوگا، لہذا

آپ نے کوشش یہ فرمائی کہ اس نعمت عظیمہ میں زیادہ سے زیادہ اہل خاندان کو داخل کراوں، اور اس کی بایں معنی گنجائش بھی ہے کہ آیت تطہیر میں جمع مذکر کے صیغے استعمال ہوئے ہیں، اور یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ کوئی کریم بادشاہ اپنے مصاحبوں میں سے کسی سے کہے کہ اپنے گھر والوں کو میرے حضور میں لاؤ تاکہ ان کو خلعت اور انعام سے نوازدں اور یہ عالی ہمت خیرخواہ مصاحب اپنے تمام متوسلین کو جمع کرکے لیجائے اور کہے یہ میرے گھر والے ہیں، اس عالی ہمت مصاحب کا منصوبہ یہ ہے کہ شاہی انعام واکرام سے زیادہ سے زیادہ متوسلین بہرہور ہوں۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آیت کا نزول تو ازواج ہی کے بارے میں ہے مگر آنحضرت نے عموم لفظ کا خیال فرماتے ہوئے دیگر اہل بیت کو بھی شامل کرنے کی کوشش فرمائی، اسکی مثال ایسی ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسجد قبا کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا، لمسجد اسس علی التقوی من اول یوم، آیت میں مذکور فضیلت اگرچہ مسجد قبا کے لیے بیان فرمائی گئی ہے مگر اس فضیلت میں آپؐ کی مسجد نبوی بطریق اولیٰ شامل ہے، اس لیے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذکورہ آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا (ھو مسجدی ھذا) معلوم ہوا کہ دونوں مسجدوں کی بنیاد تقوی پر ہے جس طرح آیت کا نزول تو مسجد قبا کے بارے میں ہے مگر مسجد نبوی صلعم اس فضیلت میں بطریق اولیٰ شامل ہے اسی طرح آیت کا نزول اگرچہ اصالۃً ازواج مطہرات کی شان میں ہے اور وہی اس کی اصل مخاطب ہیں مگر آنحضرت صلعم نے دیگر اہل بیت کو بھی اس فضیلت میں شامل کرنے کی دعا فرمائی ہے اور شمولیت کی دعا صرف چہارتن کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ دیگر اہل بیت کے لیے بھی آپ نے شمولیت کی دعا فرمائی ہے جیساکہ بیہقی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے حضرت عباس اور انکی اولاد کے لیے بھی دعا فرمائی تھی (کما مرّ آنفاً)

سلمان فارسیؓ اور اہل بیت

غزوۂ احزاب کے موقع پر آپؐ نے خندق کھودنے کیلیے دس دس آدمیوں کی جماعت بنادی تھی اور ہر جماعت کے حصہ میں چالیس گز خندق کھودنی آئی تھی، حضرت سلمان فارسیؓ کو اپنے ساتھ شریک کرنے کے لیے صحابہ کے درمیان مسابقت کی صورت پیدا ہوگئی ہر جماعت چاہتی تھی کہ سلمان فارسیؓ کو اپنے ساتھ شریک رکھے اس لیے کہ سلمان فارسی اس کام سے بخوبی واقف تھے اور انہی کے مشورے سے خندق

کھودنا طے پایا تھا تو آپؐ نے فرمایا" سلمان منا اھل البیت"، یعنی سلمان ہمارے اہل بیت میں شامل ہیں[1] اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت صرف چہار تن کے لیے خاص نہیں ہے نیز قرآن کریم نے حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیوی کو ان کے اہل بیت میں شامل کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا" اتعجبین من امر اللہ رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اہل البیت انہ حمید مجید" اور حضرت موسیٰؑ کے بارے میں فرمایا" قال لاھلہ امکثوا"، لہٰذا کیا وجہ ہے کہ ازواج محمد صلی اللہ علیہ وسلم اہل بیت میں شامل نہ ہوں

آیت تطہیر کی دلالت نہ عصمت پر ہے اور نہ امامت پر

ملا عبداللہ مشہدی شیعی کا دعویٰ ہے کہ آیت تطہیر عصمت پر دلالت کرتی ہے اور عصمت صرف چار اشخاص یعنی حضرت علیؓ، حسن حسین و حضرت فاطمہؓ کے لیے ثابت ہے، مشہدی صاحب اپنے دعوے کی دلیل میں فرماتے ہیں کہ اہل بیت عام ہے جس میں لغت کے اعتبار سے تمام اہل بیت شامل ہیں خواہ ازواج ہوں یا خدام، غلام ہوں یا کنیز، اولاد ہوں یا ملازم، مگر باتفاق فریقین یہ عموم کسی کے نزدیک مراد نہیں ہے لہٰذا حدیث ردا کی وجہ سے اہل بیت کے چار افراد ہی مراد ہوں گے۔

جواب: مشہدی کے اہل بیت کے عام معنیٰ مراد لینے سے گریز کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کہیں اہل بیت کے تمام افراد کے لیے عصمت ثابت نہ ہو جائے اس لیے کہ شیعہ حضرات کے عقیدہ کے مطابق عصمت صرف آنحضرتؐ اور بارہ اماموں کے علاوہ کسی کے لیے ثابت نہیں ہے حالانکہ آیتِ تطہیر کی دلالت عصمت پر ہے ہی نہیں کہ کسی بھی فرد کے لیے عصمت ثابت ہو اس لیے کہ آیتِ تطہیر میں اہل بیت کے نجاست سے پاک ہو جانے کی خبر نہیں دی گئی بلکہ ان امور پر عمل کرنے کی دعوت دی گئی ہے کہ جن پر عمل کرنے سے طہارت حاصل ہوتی ہے، اگر اللہ تعالیٰ کو اہل بیت کے لیے اثبات طہارت اور حصول طہارت کی خبر دینا مقصود ہوتی تو عبارت یوں لائی جاتی

---

[1] معارف القرآن ص۱۰۱ ج ۷

"اَذْهَبَ اللّٰہ عنکم الرجس وطہرکم تطہیرا"، کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو گندی سے پاک کر دیا۔ یہ بات اتنی واضح ہے کہ ایک غبی بھی سمجھ سکتا ہے چہ جائے کہ مشہدی صاحب جیسا ذکی، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آیت تطہیر میں دعوت عمل دی جا رہی ہے جیسا کہ اسی قسم کی دوسری آیتوں میں مثلاً "ما یرید اللّٰہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطہرکم ولیتم نعمتہ علیکم۔ المائدہ ۶"، (یرید اللّٰہ بکم الیسر۔ البقرہ ۱۸) (یرید اللّٰہ لیبین لکم۔ النساء ۲۶) (واللّٰہ یرید ان یتوب علیکم۔ النساء) سے اس بات کو ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ان آیات میں جو چیزیں مذکور ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پسندیدہ ہیں نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پسندیدہ امور کو مخاطبین میں موجود اور مخلوق کو بھی دیا ہے، ورنہ تو نزول آیت کے بعد آنحضرت صلعم کو اذہاب رجس کے لیے دعا کرنے کی کیا ضرورت تھی اس کے علاوہ کسی شی کا محبوب اور پسندیدہ ہونا اس شی کے وقوع کو مستلزم نہیں ہوتا، اگر ایسا ہی ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات محبوب اور پسندیدہ ہے کہ تمام عالم سے کفر ختم ہو جائے اور دنیا کے تمام انسان مومن بن جائے اگر خدا کی ہر پسندیدہ اور محبوب شی کا وقوع ضروری ہوتا تو دنیا میں نہ کفر باقی رہتا اور نہ کافر اور یہ بات شیعہ عقیدہ کے عین مطابق ہے، اس لیے کہ معتزلہ اور شیعہ عقیدہ کے مطابق مرضی الٰہی کا ارادہ الٰہی کے مطابق واقع ہونا ضروری نہیں ہے (جیسا کہ الٰہیات کی بحث میں یہ بات طے ہو چکی ہے) بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اشیاء کو پسند فرماتے ہیں مگر انسان یا شیطان مرضی الٰہی کو وجود میں آنے سے روک دیتے ہیں "بل قد یرید ما لا یکون ویکون ما لا یرید"[1] یعنی بعض اوقات اللہ تعالیٰ کسی شی کا ارادہ کرتے ہیں مگر وہ وجود میں نہیں آتی اور کبھی ایسی شی وجود میں آجاتی ہے جس کا ارادہ نہیں فرماتے۔ زیادہ سے زیادہ یہ بات کہی جاتی ہے کہ ارادہ الٰہی کے متعلق ہونے کے وقت سے آیت کے مصداق حضرات کو محفوظ قرار دے دیا جائے اور یہ بھی اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے مطابق ہو گا معتزلہ اور رافضی عقیدہ کے مطابق تو یہ بھی ثابت نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ان حضرات کے نزدیک رضائے الٰہی کا ارادۂ الٰہی کے مطابق وجود میں آنا ضروری نہیں ہے۔

---

[1] المنتقیٰ للذہبی ص ۴۲۹ ج ۱۔

آیت تطہیر کی دلالت عدم عصمت پر ہے نہ کہ عصمت پر

اللہ تعالیٰ نے آیت تطہیر میں اہل بیت کے پاک کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا ہے پاک ہو جانے کی خبر نہیں دی، اور یہ بات ایک عام آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ پاک چیز کو پاک کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، اس لیے کہ یہ تحصیل حاصل اور فعل عبث ہے بلکہ ناپاک کو پاک کرنے کی ضرورت ہوتی ہے میلا کپڑا ہی دھوبی کے یہاں جاتا ہے صاف کپڑے کو بے وقوف بھی دھوبی کو نہیں دیتا، شیخ سعدی شیرازی نے اس فلسفہ کو اس مصرعہ میں بیان فرمایا ہے

؎ زنند جامۂ ناپاک گازراں بر سنگ ، ـــــ میلے کپڑے ہی کو دھوبی پتھر پر پٹکتے ہیں

اس آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے پاک نہیں تھے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ نزول آیت کے وقت طہارت حاصل ہوئی پہلے سے حاصل نہیں تھی حالانکہ شیعہ عقیدہ کے مطابق امام پیدائشی معصوم ہوتا ہے، اور اگر بالفرض ہم یہ تسلیم کر لیں کہ آیت تطہیر کی دلالت عصمت پر ہے تو پھر آپ کو یہ بھی تسلیم کرنا ہو گا کہ تمام صحابہ خصوصاً اصحاب بدر بھی معصوم ہوں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا ہے "ولکن یرید لیطھرکم ولیتم نعمتہ علیکم لعلکم تشکرون"، یعنی اللہ تعالیٰ تم کو پاک کرنا چاہتا ہے اور تمہارے اوپر اپنی نعمتوں کی تکمیل کرنا چاہتا ہے تاکہ تم شکر کرو، اسی طرح فرمایا "لیطھرکم بہ ولیذھب عنکم رجس الشیطان"، تاکہ دور کرے تم سے شیطان کی گندگی، بلکہ مذکورہ دونوں آیتوں میں جو کہ صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں عصمت کے علاوہ اتمام نعمت کا بھی ارادہ فرمایا ہے اور تکمیل نعمت عصمت سے اعلیٰ ہے اس لیے کہ اتمام نعمت معاصی اور شیطان کے شر سے حفاظت کے بغیر متصور نہیں ہو سکتی، لہٰذا معلوم ہو گیا کہ صحابہ کرام کو دولت عصمت کے علاوہ دیگر انعامات سے بھی نوازا گیا تھا جس سے بعض ائمہ محروم ہیں، نیز اگر آیت تطہیر کی دلالت عصمت پر تسلیم کر لی جائے تو حضرت فاطمہؓ کا بھی معصوم ہونا لازم آتا ہے حالاں کہ شیعہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بارہ اماموں کے علاوہ کسی کو معصوم نہیں مانتے [۱] جب شیعہ عقیدہ کے مطابق حضرت فاطمہؓ

---

[۱] منہاج السنۃ لابن تیمیہ ص۲۳ ج ۴

کے لیے عصمت ثابت نہیں ہے اور نہ وہ اس آیت کی مصداق ہیں اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء میں شامل، ــــ تو کسی کے لیے بھی عصمت ثابت نہیں ہو سکتی لہذا یہ ماننا پڑے گا کہ آیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کا مقصد ذنوب سے طہارت ہے جو کہ توبہ اور استغفار سے بھی حاصل ہو جاتی ہے اور یہ اہل بیت کے لیے خاص نہیں ہے۔

اہل تشیع کی خلافت بلافصل پر تیسری قرآنی دلیل

قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربٰی (سورہ شوریٰ)

ترجمہ ــــ آپ فرما دیجیے کہ میں تم سے کچھ نہیں چاہتا بجز رشتہ داری کی محبت کے، شیعہ حضرات کا دعویٰ ہے کہ اہل بیت (علی فاطمہ حسن حسین) سے محبت رکھنا اجر رسالت ہے جو کہ امت پر واجب ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اعلان کرایا ہے کہ آپ فرما دیجیے کہ میں تعلیم وتبلیغ پر تم لوگوں سے کچھ اجرت نہیں چاہتا، بجز اس کے کہ میرے قرابت داروں سے محبت کرو اور قرابت دار مذکورہ چار اشخاص ہیں لہذا قرآن کی رو سے ان حضرات کی محبت واجب ہے دوسروں کی نہیں اور جس کی محبت واجب ہوتی ہے وہی واجب الاطاعت ہوتا ہے اور یہی مفہوم ہے امامت عامہ کا لہذا حضرت علی کا خلیفہ بلافصل ہونا ثابت ہو گیا۔ اپنے اس دعوے کی تائید میں علامہ ابن مطہر حلیؔ مسند امام احمد کی حضرت ابن عباس رضؓ سے ایک روایت لائے ہیں " عن ابن عباس رضؓ قال: لما نزلت ھذہ الآیۃ قالوا یا رسول اللّٰہ من قرابتک التی وجبت علینا مودتھم؟ قال: علیؓ وفاطمۃ وابناھما کذا فی تفسیر الثعلبی ونحوہ فی الصحیحین"، حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے قرابت دار کون ہیں؟ کہ جن کی محبت ہمارے اوپر واجب ہے آپؐ نے فرمایا، علی، فاطمہ، حسن، حسین اور ایسا ہی تفسیر ثعلبی اور صحیحین میں ہے، حضرت علی کے علاوہ کسی کی محبت واجب نہیں ہے لہذا علی سب سے افضل ہوئے اور جو سب سے افضل ہو وہی امامت عامہ کا مستحق ہوتا ہے۔ لہذا علی رضؓ ہی مستحق امامت بلافصل ہیں۔

الجواب: ــــ شیعہ حضرات نے اس آیت کی بنیاد پر بھی بہت سے خام قلعہ تعمیر کیے ہیں اور

آیت کو اپنے مفید مقصد بنانے کی کوشش کی ہے، علامہ حلی نے بھی مذکورہ آیت کو اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کیا ہے اور تائید میں مسند امام احمد کی ابن عباس سے ایک اور روایت صحیحین کی طرف منسوب کر کے روایت کی ہے جن کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے۔ علامہ حلی صاحب نے اپنی عادت کے مطابق یہاں آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی ہے علامہ ابن تیمیہ منہاج السنہ میں تحریر فرماتے ہیں[1] کہ علامہ حلی کا مذکورہ حدیث کی مسند امام احمد کی طرف نسبت کرنا، مسند پر کھلا جھوٹ اور بہتان ہے اسی طرح صحیحین کی طرف نسبت کرنا بھی سفید جھوٹ ہے بلکہ صحیحین اور مسند میں اس کی ضد اور اس کا خلاف موجود ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ امام احمد نے خلفاء اربعہ کی فضیلت میں ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں رطب و یابس ہر قسم کی روایات نقل کی ہیں، اس کے بعد احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ نے اس میں کچھ احادیث کا اضافہ کیا ہے، اور ابو بکر القطیعی نے بھی اس میں بہت سی واہی اور موضوع اور مکذوبہ روایات کا اضافہ کیا ہے، اجہل الناس نے یہ سمجھا کہ پوری روایات مسند احمد کی ہیں، ایسی خطا وہی شخص کر سکتا ہے جس کو کتابوں کا علم تو کجا کتابوں کی شناخت بھی نہ ہو، نیز زیادات القطیعی کے تو نام ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی زیادات کا مسند احمد سے کوئی واسطہ نہیں ہے مگر تعجب ہے کہ علامہ حلی نے ان تمام روایات کو مسند احمد کی طرف منسوب کر دیا یہ بات بالکل صحیح ہے کہ جھوٹ کے پیر نہیں ہوتے یعنی زیادہ دیر چل نہیں سکتا ضرور کسی وقت ظاہر ہو جاتا ہے علامہ حلی نے جس حدیث کو مسند احمد کی طرف منسوب کیا ہے وہ علماء حدیث کے نزدیک بالکل موضوع و مکذوب ہے۔ اس کی داخلی شہادت یہ ہے کہ " لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودة فی القربیٰ "، سورہ شوریٰ کی آیت ہے اور سورۂ شوریٰ مکی ہے، اور حضرت علی کا نکاح حضرت فاطمہؓ سے غزوہ بدر کے بعد یعنی ۲ھ میں ہوا ہے اور ایک سال بعد یعنی ۳ھ میں امام حسن رضؓ کی اور اس کے ایک سال بعد ۴ھ میں امام حسین رضؓ کی ولادت ہوئی ہے، اور آیت کی تفسیر علامہ حلیؒ یہ بیان فرما رہے ہے کہ جب آپؐ سے مودت قربیٰ کے بارے میں معلوم کیا گیا تو آپ نے فرمایا علی اور فاطمہ نیز حسنین کی محبت مراد ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حسنین کی ابھی پیدائش ہی نہیں

---

[1] منہاج السنہ ص۲۵ ج ۴

ہوئی، پیدائش سے کئی سال پہلے آپ نے آیۃ کی تفسیر میں حسنین کی محبت کا ذکر فرمایا، حدیث کے موضوع ہونے کے لیے یہی ایک بات کافی ہے، اس کے علاوہ آیت کی مذکورہ تفسیر میں صحیحین میں حضرت ابن عباس ہی سے روایت مروی ہے کہ حضرت ابن عباس سے آیت موجودہ کا مطلب دریافت کیا گیا تو حضرت سعید بن جبیر بول پڑے کہ محمد صلعم سے ان کے قرابت داروں کے بارے میں محبت کرو، تو حضرت ابن عباس نے فرمایا اے سعید تم نے بولنے میں جلدی کی، اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ قریش کا کوئی ضمنی قبیلہ ایسا نہیں تھا کہ جس سے آنحضرت صلعم کا قرابت کا رشتہ نہ ہو تو آپ نے فرمایا کہ میں تم سے تعلیم و تبلیغ پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا لیکن اتنا چاہتا ہوں کہ آپس کی قرابت داری کا لحاظ رکھو اور مجھے ایذا نہ پہنچاؤ۔

آیۃ مودت کا صحیح مطلب

جمہور سے آیت کی جو تفسیر منقول ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ میرا اصل حق تو تم سب پر یہ ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تم اس کا اعتراف کرو اور اپنی صلاح و فلاح کے لیے میری اطاعت کرو اگر میری نبوت و رسالت کو تم تسلیم نہیں کرتے تو نہ سہی مگر میرا تم پر ایک انسانی اور خاندانی حق بھی ہے جس کا تم انکار نہیں کر سکتے کہ تمہارے اکثر قبائل میں میری رشتہ داری اور قرابت داری ہے تو میں تم سے اپنی اس خدمت کا جو تمہاری تعلیم و تبلیغ اور اصلاحِ اعمال و احوال کے لیے کرتا ہوں، کوئی معاوضہ تم سے طلب نہیں کرتا صرف اتنا چاہتا ہوں کہ رشتہ داری کے حقوق کا خیال کرو، بات کا ماننا یا نہ ماننا تمہارے اختیار میں ہے، مگر عداوت اور دشمنی سے تو کم از کم یہ نسبت اور قرابت کا تعلق مانع ہونا چاہیے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ رشتہ داری کے حقوق کی رعایت خود ان کا فرض تھا اس کو کسی خدمت تعلیمی تبلیغی کا معاوضہ نہیں کہا جا سکتا آیت مذکور میں جو اس کو بلفظ استثناء ذکر فرمایا گیا ہے تو یہ اصطلاحی الفاظ میں استثنا منقطع ہے جس میں مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کا جز نہیں ہوتا، چنانچہ امام رازی اور مفسرین متاخرین نے اسی کو پسند کیا ہے، شیعہ حضرات کا «لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ» میں مودۃ فی القربیٰ کو اجر رسالت قرار دینا کسی طرح بھی درست نہیں ہے اسلیے کہ مودت فی القربیٰ مستثنیٰ اور اجر مستثنیٰ منہ ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ مودت اجر کی جنس سے نہیں ہے اس لیے کہ اجر کسی شی کا وہ ہوتا جو اس شی کی وجہ سے ثابت ہو، اور مودت فی القربیٰ قرابت کی وجہ سے

ثابت ہوتی ہے نہ کہ تبلیغ رسالت کی وجہ سے لہذا مودۃ فی القربیٰ کو اجر رسالت قرار دینا کسی طرح درست نہیں ہے اگر مودہ فی القربیٰ کو اجر رسالت مان لیا جائے جیسا کہ شیعہ حضرات کا بیان ہے تو آیت کا یہ مطلب ہو گا کہ میں تم سے اپنی تعلیم و تبلیغ کی کوئی بڑی اجرت طلب نہیں کرتا مگر اس کی اجرت صرف یہ طلب کرتا ہوں کہ میرے قرابت داروں سے محبت کرو تو گویا پیغمبر ایک مزدور ہیں اس کی مزدوری شیعہ حضرات اہل بیت سے محبت کر کے ادا کر رہے ہیں، غرضیکہ "الا المودۃ فی القربیٰ" یا تو مستثنیٰ منقطع ہو سکتا ہے یا پھر اس کو مجازاً اور ادعاءً معاوضہ قرار دیا گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ میں تم سے صرف اتنی بات چاہتا ہوں جو اگرچہ حقیقت میں کوئی معاوضہ نہیں، تم اس کو معاوضہ سمجھو تو یہ تمہاری اپنی غلطی ہے اس کے نظائر عرب و عجم میں بے شمار ہیں، متنبی شاعر نے ایک قوم کی بہادری بیان کرتے ہوئے کہا ہے ؎

؎ ولا عیب فیھم غیر ان سیوفھم ٭ بھن فلول من قراع الکتائب

ان میں کوئی عیب نہیں بجز اس کے کہ ان کی تلواروں میں کثرت حرب و ضرب کی وجہ سے دندانے ظاہر ہو گئے ہیں، ظاہر ہے کہ شجاع اور بہادر کے لیے یہ کوئی عیب نہیں ہے بلکہ ہنر ہے۔

ایک اردو شاعر نے اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا ہے۔

؎ مجھ میں ایک عیب بڑا ہے کہ وفادار ہوں میں۔

اس نے وفاداری کو عیب کے لفظ سے تعبیر کر کے اپنی بے گناہی کو بہت اونچا کر کے دکھلایا ہے مطلب یہ کہ حقوق قرابت کی رعایت جو فی الواقع کوئی معاوضہ نہیں میں تم سے اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا آیت مذکورہ کی یہی تفسیر صحیحین میں حضرت ابن عباس رضؓ سے منقول ہے اور ائمہ تفسیر میں مجاہد، قتادہ، اور بہت بڑی جماعت نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے، اور یہی تمام انبیاء علیہم السلام کی آواز ہر دور میں رہی ہے کہ اپنی قوم کو واضح طور پر بتا دیا کہ ہم جو کچھ تمہاری بھلائی اور خیر خواہی کے لیے کوشش کرتے ہیں تم سے اس کا معاوضہ طلب نہیں کرتے۔ ہمارا معاوضہ صرف اللہ دینے والا ہے، سید الانبیاء کی شان تو ان سب سے اعلیٰ و ارفع ہے وہ قوم سے کیسے معاوضہ طلب کرتے، یہ تو دنیاداروں کا کام ہے کہ جو کام بھی کریں اس میں اپنے یا اپنی اولاد کا فائدہ مدنظر ہو، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت توہین ہے اس لیے کہ تبلیغ دین پر اجرت لینا علماء اور صلحاء کے لیے باعث ننگ و عار ہے وہ حضور صلعم کے لیے

کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے۔

ائمۂ حدیث سعید ابن منصور اور ابن سعد اور عبد بن حمید اور حاکم اور بیہقی نے امام شعبی سے یہ واقعہ نقل کیا ہے اور حاکم نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے، واقعہ یہ ہے کہ امام شعبی کہتے ہیں کہ لوگوں نے ہم سے اس آیت کی تفسیر کے متعلق سوالات کئے تو ہم نے حضرت ابن عباس رضؓ کو خط لکھ کر اس کی صحیح تفسیر دریافت کی آپ نے جواب میں تحریر فرمایا۔

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان وسط النسب فی قریش لیس بطن من بطونہم الا وقد ولدوہ قال اللّٰہ تعالیٰ (قل لا اسئلکم علیہ اجرًا) علی ما ادعوکم علیہ الا المودۃ فی القربیٰ تودونی لقرابتی منکم وتحفظونی بہا،

(روح المعانی) ص۳۱/۲۵ج

آنحضرت صلعم قریش کے ایسے نسب سے تعلق رکھتے تھے کہ اس کے ہر ذیلی خاندان سے آپ کا رشتہ مؤدت قائم تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ "آپ مشرکین سے یہ کہیے کہ اپنی دعوت پر میں تم سے کوئی معاوضہ بجز اس کے طلب نہیں کرتا کہ تم مجھ سے قرابت داری کی مروت مؤدت کا معاملہ کر کے بغیر کسی تکلیف کے اپنے درمیان رہنے دو اور میری حفاظت کرو۔

اور ابن جریر وغیرہ نے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں:

یا قوم اذا ابیتم ان تتابعونی فاحفظوا قرابتی منکم ولا تکون غیرکم من العرب اولی بحفظی ونصرتی منکم

(روح المعانی)

اے قوم اگر میری اتباع سے انکار کرتے ہو تو تم سے جو میرا قرابت کا رشتہ ہے اس کی پاسداری تو کرو اور ایسا نہ ہو کہ عرب کے دوسرے لوگ (جن کے ساتھ میری قرابت نہیں) میری حفاظت اور نصرت میں تم پر بازی لے جائیں۔

علامہ حلی نے حضرت ابن عباس سے جو روایت نقل کی ہے جس میں مودت فی القربیٰ کو اجرِ رسالت کہا گیا ہے، اکثر محدثین نے اس کو ضعیف کہا ہے، اس روایت کی سند کو درمنثور میں سیوطی نے اور تخریج احادیث کشاف میں حافظ ابن حجر نے ضعیف قرار دیا ہے چوں کہ اس کا حاصل یہ

ہوتا ہے کہ میں اپنی خدمت کا صرف اتنا معاوضہ طلب کرتا ہوں کہ میری اولاد کی تم رعایت کیا کرو جو عام انبیاء، خصوصًا سید الانبیاء، بلکہ عام صلحاء و علماء کی شان کے بھی مناسب ہی نہیں ہے اس لیے صحیح و مختار تفسیر جمہور کے نزدیک وہی ہے جو اوپر لکھی گئی، روافض نے اسی ضعیف روایت کو لیا ہے اور اس پر بڑے بڑے قلعہ تعمیر کر ڈالے جن کی کوئی بنیاد نہیں۔ حالانکہ روایت میں جن کی محبت کا ذکر ہے یعنی امام حسن و حسین ابھی دنیا میں تشریف بھی نہیں لائے اس لیے کہ آیت مکی ہے اور امام حسن و حسین ہجرت کے تیسرے اور چوتھے سال پیدا ہوئے تھے۔

اگرچہ آنحضرت ؐ نے اپنی خدمت کے صلہ میں قوم سے اپنی اولاد کی محبت اور عظمت کے لیے کوئی درخواست نہیں کی اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اپنی جگہ آل رسول صلعم کی محبت و عظمت کوئی اہمیت نہیں رکھتی ایسا خیال کوئی بدبخت اور گمراہ ہی کر سکتا ہے ـــــــ خلاصہ یہ کہ جب اہل بیت و آل رسول ؐ کی محبت کا مسئلہ امت میں کبھی زیر اختلاف نہیں رہا باجماع و اتفاق درجہ بدرجہ ان کی عظمت واجب اور لازم ہے، اختلافات وہاں پیدا ہوتے ہیں جہاں دوسروں کی عظمتوں پر حملہ کیا جاتا ہے ـــــــ اور اگر بالفرض مودت سے قرابت داروں کی محبت مراد لی جائے جیسا کہ اہل تشیع مراد لیتے ہیں تو یہ آیت دیگر بہت سی آیتوں کے منافی ٹھہرتی ہے مثلاً، فرمایا گیا (۱) ما سئلتکم من اجر فھو لکم ان اجری الا علی اللہ ،، میں جو کچھ تم سے معاوضہ طلب کروں وہ تم ہی رکھو میری اجرت تو اللہ پر ہے (۲) ام تسئلھم اجرا فھم من مغرم مثقلون ،الطور کیا آپ ان سے مزدوری طلب کرتے ہیں کہ وہ تاوان سے دبے جاتے ہیں،،

ان کے علاوہ اور بہت سی آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معاوضہ طلب کرنے سے منع کیا گیا ہے اور آپ سے اس بات کا اعلان بھی کرادیا گیا ہے، فرمایا گیا:

قل لا اسئلکم علیہ اجرا ان ھو الا ذکری للعلمین، اے نبی آپ کہدیجیے کہ میں تم سے اس کی کچھ اجرت نہیں چاہتا یہ تو سارے جہاں کے لیے نصیحت ہے،

ادھر تو آپ تبلیغ رسالت پر کوئی بھی معاوضہ نہ لینے کا اعلان فرما رہے ہیں جیسا کہ دیگر انبیاء نے بھی اعلان فرمایا اور ادھر آیت مودت میں اجرت کا مطالبہ کر رہے ہیں اس میں کھلا تضاد ہے حالانکہ اتباع انبیاء کی بڑی وجہ قرآن اس بات کو قرار دے رہا ہے کہ وہ مخلوق سے اجرت نہیں مانگتے "اتبعوا من لا یسئلکم اجرا وھم مھتدون (سورہ یٰسین)

اہل تشیّع کے اختیار کردہ معنی عربیت کے خلاف ہیں،

آیت میں "الا المودۃ فی القربیٰ" فرمایا گیا ہے الا المودۃ للقربیٰ - یا - لذوی القربیٰ نہیں کہا گیا ہے، اگر شیعہ حضرات کے اختیار کردہ معنیٰ مراد ہوتے تو آیت کو اس طرح ہونا چاہیے تھا "قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ لذوی القربیٰ" جیسا کہ سورہ انفال میں ۴۱ میں کہا گیا ہے "واعلموا انما غنمتم من شیئٍ فان للّٰہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ" اور سورۂ حشر میں کہا گیا ہے "فللّٰہ وللرسول ولذی القربیٰ"، سورہ روم میں کہا گیا ہے ۳۸ "فاٰت ذا القربیٰ حقہٗ"، سورۂ بقرہ میں کہا گیا ہے ۱۷۷ "واٰتی المال علیٰ حبہ ذوی القربیٰ"

محبت اہل رسول اور انکی تعظیم

حقیقت یہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور محبت کا تمام دنیا سے زائد ہونا جزِ ایمان بلکہ مدارِ ایمان ہے، اور اس کے لیے لازم ہے کہ جس کو جس قدر نسبت قریبہ آنحضرت ﷺ سے ہے اس کی تعظیم و محبت بھی اسی پیمانہ پر درجہ بدرجہ واجب اور لازم ہے مگر اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ ازواج مطہرات اور دوسرے صحابہ کرام کہ جن کو رسول اللہ صلعم کے ساتھ متعدد قسم کی نسبتیں قرابت کی حاصل ہیں ان کو فراموش کر دیا جائے۔

محبت صرف چہارتن کی واجب نہیں ہے

اہل تشیع کا یہ دعویٰ کہ محبت صرف چار اشخاص کی واجب ہے قابل تسلیم نہیں ہے دوسرے بھی اس محبت میں شریک ہیں چنانچہ حافظ ابوطاہر سلفی نے حضرت انس رضؓ سے اپنی مشیخت میں روایت کی ہے "قال: قال رسول اللّٰہ صلعم حب ابی بکر وشکرہ واجب علیٰ کل امتی"[1] ابوبکر کی محبت اور ان کا شکر میری ساری امت پر واجب ہے، ابن عدی نے حضرت انس رضؓ سے روایت کی ہے "عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ قال: حب ابی بکر وعمر ایمان وبغضہما نفاق"[2] آپ ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ابوبکر اور عمر کی محبت ایمان ہے اور ان سے عداوت

---

[1] ہدیہ مجیدیہ ص۳۲۲ [2] ایضاً

نفاق ہے۔ اور ابن عساکر نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے "ان النبی م قال حب ابی بکر و عمر من الایمان و بغضہما کفر"[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر و عمر کی محبت ایمان کا ایک جز ہے اور ان کے ساتھ بغض کفر ہے، امام ترمذی نے روایت کی ہے "انہ اتی بجنازۃ الیٰ رسول اللہ صلعم فلم یصل علیہ وقال انہ کان یبغض عثمان فابغضہ اللہ"[2] ایک جنازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا آپ نے اس پر نماز نہ پڑھی اور فرمایا کہ یہ عثمان سے بغض رکھتا تھا، تو اللہ نے بھی اس سے بغض رکھا، یہ روایات اگرچہ اہل سنت کی کتابوں میں ہیں اس پر اہل تشیع کا یہ شبہ کرنا کہ ہماری کتابوں میں یہ روایات نہیں ہیں تو بات ظاہر ہے کہ اسلام سے متعلق روایات تو مسلمانوں ہی کی کتابوں میں ملیں گی ہندوؤں کی پوتھیوں میں تلاش کرنا بے سود ہے اسی طرح خلفاء ثلثہ کے مناقب و فضائل کی روایات تو اہل سنت ہی کی کتابوں میں ملیں گی اہل تشیع کی کتابوں میں تلاش کرنا بے سود ہے جس طرح حضرت علیؓ کے فضائل خوارج کی کتابوں میں تلاش کرنا بے معنیٰ ہے اس کے باوجود اہل تشیع کی کتابوں میں آنحضرت م کی روایات نیز حضرت علی اور دیگر ائمہ کے اقوال، اصحابِ ثلثہ کے فضائل میں بکثرت موجود ہیں انشاء اللہ موقع پر پیش کیے جائیں گے۔

ہر واجب الاطاعت خلافتِ کبریٰ کا مالک نہیں،

اہل تشیع کا یہ دعویٰ ہے کہ جو واجب الاطاعت ہوتا ہے وہ خلافت کبریٰ کا مالک ہوتا ہے یہ بھی قابل تسلیم نہیں ہے اس لیے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ ہر نبی خلافت کبریٰ کا مالک ہو حالانکہ یہ واقعہ کے خلاف ہے اس لیے کہ مثلاً حضرت شموئیل نبی واجب الاطاعت تھے اور اسی زمانہ میں حضرت طالوت خلافت کبریٰ کے مالک تھے یہ بات نص قرآنی سے ثابت ہے "ان اللہ قد بعث لکم طالوت ملکاً"، اللہ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا بھیجا، اس کے علاوہ حضرت زکریا و یحییٰ و عیسیٰ علیہم السلام یہ سب کے سب نبی اور واجب الاطاعت تھے مگر ان میں سے کوئی بھی خلافت کبریٰ کا مالک نہیں تھا، اس کے علاوہ بارہ اماموں

---

[1] ہدیہ مجید یہ ص۳۲ [2] ایضاً

میں سے سوائے حضرت علیؓ وحضرت حسنؓ کے کسی کو خلافت کبریٰ ایک روز کے لیے بھی نصیب نہیں ہوئی، بلکہ بقول شیعہ حضرات ہمیشہ خوف وہراس کی وجہ سے روپوشی اور گمنامی کی زندگی گذارتے رہے، حتیٰ کہ دشمنوں کی خوف کی وجہ سے بقول شیعہ حضرات اپنا صحیح مذہب بھی ظاہر نہ کرسکے، اور ہمیشہ تقیہ کے خول میں بند رہے، یہاں تک کہ آخری امام تو بچپن ہی میں اپنے دشمنوں کے خوف سے روپوش ہوگئے اور تاحال روپوش ہیں۔

حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل پر احادیث سے شیعی مستدلات اور انکے جوابات

واقعہ دعوت ذوالعشیرہ

شیعہ متکلمین حضرت علی کی خلافت بلافصل پر جن احادیث سے استدلال کرتے ہیں ان میں واقعہ دعوت ذوالعشیرہ کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں، اور اپنے دعوے کے لیے نص صریح سمجھتے ہیں، یہ واقعہ بقول شیعہ متکلمین ۳ھ نبوی میں اس وقت پیش آیا جب سورہ شعراء کی آیت (وانذر عشیرتک الاقربین) نازل ہوئی، مورخ ابن جریر طبری نے اس واقعہ کو بایں الفاظ نقل کیا ہے:

حدثنا ابن حمید قال حدثنا سلمة قال حدثنی محمد بن اسحق عن عبد الغفار عن عبد اللّٰہ بن عباس عن علی بن ابی طالب قال لما نزلت ھٰذہ الآیة علی رسول اللّٰہ صلعم "وانذر عشیرتک الاقربین" قال لی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اصنع لی رجل شاة بصاع من طعام واناء لبنا وادع لی

روایت کا خلاصہ ـــــ ۳ھ نبوی میں جب "وانذر عشیرتک الاقربین" نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا اے علی تم بنی ہاشم کی دعوت کا انتظام کرو اور کھانے میں گوشت، روٹی، اور دودھ کا بندوبست کرو، حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے دعوت کا انتظام کیا اور بنوہاشم کو دعوت دی ان دنوں بنوہاشم کی تعداد انتالیس ۳۹ یا اکتالیس تھی، اسکے بعد حضرت علی نے دعوت کی تفصیل بیان کی کہ ہر ایک نے خوب پیٹ بھر کر

بنی هاشم فدعوتهم وانهم
یومئذٍ لاربعون غیر رجل او اربعون
ورجل ' فذکر القصة الیٰ ان
قال وبدأهم رسول الله صلعم
الکلام فقال "یا بنی عبدالمطلب
انی والله ما اعلم شابًّا فی العرب
جاء قومه بافضل مما جئتکم
به انی قد جئتکم بخیر الدنیا
والآخرة وقد امرنی الله تعالیٰ
ان ادعوکم الیه فایکم یوازرنی
علیٰ هذا الامر علیٰ ان اخی و
وصیّتی وخلیفتی فیکم فاحجم
القوم عنها جمیعا وقلت
وانی احدثهم سنًّا وارمصهم
عینًا واعظمهم بطنًا واحمشهم
ساقًا انا یا نبی الله اکون وزیرک
علیه فاخذ برقبتی ثم قال :
هٰذا اخی ووصیتی وخلیفتی فیکم
فاسمعوا واطیعوا ' [1]

کھایا اور بعد میں بہت کچھ بچ بھی گیا، حالانکہ کھانا
چند آدمیوں کی خوراک سے زیادہ نہیں تھا۔ غرضیکہ
دعوت کے بعد حاضرین سے آپ نے خطاب
کرتے ہوئے فرمایا، اے بنی عبدالمطلب واللہ
میں عرب میں کسی ایسے نوجوان کو نہیں جانتا کہ
جو اپنی قوم میں اس چیز سے بہتر لایا ہو کہ جو میں
دنیا و آخرت کی بھلائی تمہارے لیے لایا ہوں
اور اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں تم کو اس کی طرف
بلاؤں پس تم میں سے کوئی شخص ہے جو اس
شرط پر میری اس کام میں مدد کرے کہ وہ میرا بھائی
اور میرا وصی اور تم میں میرا خلیفہ ہو چنانچہ سب
لوگ خاموش رہے، کسی نے کچھ جواب نہیں دیا،
حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا "
یا رسول اللہ اگرچہ میں ان سب میں کم عمر ہوں
اور چپکی آنکھوں والا ہوں اور بڑے پیٹ والا
ہوں اور کمزور پنڈلیوں والا ہوں، اس کے باوجود
میں آپ کی اس کام میں مدد کروں گا، آپنے میری
گردن پکڑی اور فرمایا "ھٰذا اخی ووصیتی
وخلیفتی فیکم"، یہ میرا بھائی ہے
اور تم میں میرا خلیفہ ہے، لہذا تم اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔

طریق استدلال

جماعت شیعہ کا متفقہ اور مقبولہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آغاز بعثت ہی سے علی کی خلافت بلا فصل کا اعلان و اظہار شروع کر دیا

---

[1] تاریخ طبری ص۲۱ ج ۲

تھا سب سے پہلے اعلان ۳ھ نبوی میں قریبی رشتہ داروں کی مجلس میں اس وقت کیا گیا جب آیت ،،وانذر عشیرتک الاقربین،، نازل ہوئی تو آپ نے ذو العشیرہ مشہور اور تاریخی دعوت کا انتظام فرمایا اور اسی دعوت کے موقع پر حضرت علیؓ کی خلافت عامہ بلا فصل کا اعلان فرمایا۔ اس کے بعد آپ بیس سال سے بھی زیادہ مدت تک شب و روز سفر و حضر، خلوت و جلوت میں، حالتِ صحت و مرض میں خوشی اور غمی میں حضرت علی کی خلافت کا اعلان فرماتے رہے، اور سب سے آخری عوامی اعلان آپ نے اپنی وفات سے ڈھائی تین ماہ قبل غدیر خم کے مقام پر کم و بیش ایک لاکھ مسلمانوں کے مجمع میں فرمایا تھا، شیعوں کا یہ عقیدہ اس قدر مشہور متعارف ہے کہ ہمیں اس کی تائید و توثیق کے لیے کسی اقتباس کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے، آپ جس شیعہ سے بھی دریافت کریں گے خواہ وہ اثنا عشری ہو یا اس کا تعلق شیعوں کی دوسری جماعت سے ہو وہ بھی جواب دیگا کہ جناب امیر کی خلافت بلا فصل ابتدائے آفرینش سے ایک طے شدہ امر ہے اور اسی کا آپ زندگی بھر بار بار اعلان فرماتے رہے، الغرض شیعہ عقیدہ کے مطابق مقام غدیر خم کا اعلان حضرت علی کی خلافت بلا فصل کا آخری اور قطعی اعلان تھا، اس لحاظ سے اعلان غدیر خم بعقیدۂ شیعہ حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل کے اثبات کے لیے نص قطعی اور صریح ہے۔

شیعی استدلال کا جواب

دعوت ذو العشیرہ کے متعلق شیعہ حضرات کا بیان ہے کہ جناب امیر کی خلافت بلا فصل کا یہ اعلان ۳ھ نبوی میں کیا گیا اور یہ پہلا اعلان تھا۔ اس مبینہ حدیث کی بحث میں سب سے پہلا امر قابل توجہ یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کی کتب صحاح میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، غالباً سب سے پہلی کتاب جس میں یہ حدیث درج ہوئی ہے وہ علامہ طبری کی تاریخ کبیر ہے اور غالباً اسی تاریخ سے بعض دیگر کتب تذکرہ اور تفسیر و حدیث میں نقل ہوئی ہے مثلاً علامہ بغوی کی تفسیر معالم اور تاریخ کامل میں یہ واقعہ نقل ہوا ہے تاریخ طبری مطبوعہ مصر میں ،،ووصیتی وخلیفتی فیکم کی بجائے کذا وکذا،، کے الفاظ ہیں، سب سے پہلا سوال اس میں یہ ہے کہ زیر بحث روایت کے اصل الفاظ کیا ہیں، جو مورخ طبری کے اصل نسخہ میں درج تھے اس کا فیصلہ ہم یا کوئی بھی کس طرح کر سکتا ہے کہ اصل الفاظ وہ ہیں جو مصری نسخہ میں درج ہیں یا وہ ہیں جو جرمنی نسخہ میں درج ہیں اس لیے کہ کتاب کا اصل نسخہ غالباً بلکہ یقیناً کہیں سے بھی دستیاب ہونا ممکن نہیں ہے

پس اگر معری نسخہ کو بالفرض صحیح تسلیم کر لیا جائے تو ,,وصیتی وخلیفتی فیکم،، کی بحث ہی ختم ہوجاتی ہے، اور اگر مطبوعہ جرمنی نسخہ صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس صورت میں مندرجہ ذیل قباحتیں لازم آتی ہیں۔

اول اس بات کا خیال رہنا ضروری ہے کہ اختلاف عبارت سے جو احتمال پیدا ہوگیا ہے اس کی موجودگی میں کسی حجت الزامی کی قطعیت کسی طرح بھی واجب التسلیم بلکہ قابل تسلیم نہیں ہوسکتی، خاص طور پر ایسا عقیدہ کہ جس کے قبول وانکار پر کفر واسلام یا دخول جنت والنار موقوف ہو کس طرح ثابت کیا جا سکتا ہے۔

حدیث ذوالعشیرہ کی حیثیت

حدیث ذوالعشیرہ کے موضوع ہونے پر داخلی شہادت یہ ہے کہ یہ بات متفق علیہ ہے کہ دعوت ذوالعشیرہ کا اہتمام آیت ,,وانذر عشیرتک الاقربین،، کے نزول کے وقت کیا گیا تھا یہ بات متفق علیہ ہے کہ وہ آیت اسلام کے بالکل ابتدائی دور کی نازل شدہ آیت ہے آپ نے ارشاد خداوندی کی تکمیل کے لیے بنو عبدالمطلب کو جمع فرمایا تھا، یہاں تک تو بات سمجھ میں آتی ہے کہ آپ نے اپنے اہل خاندان کو پیغام خداوندی پہنچانے کے لیے لوگوں کو جمع فرمایا تھا، مگر جب کہ ابھی چند افراد سے زیادہ حلقہ بگوش اسلام نہیں ہوئے، اور جو چند افراد حلقہ بگوش اسلام ہوئے بھی ہیں ان کی جانوں کے لالے پڑے ہوئے ہیں، خوف و دہشت کی وجہ سے اپنے اسلام کو ظاہر کرتے ہوئے گھبراتے ہیں، نہ عزت محفوظ ہے نہ جان محفوظ ہے، ہر آن اور ہر لحظہ خطرہ لگا ہوا ہے۔ جن کا اسلام ظاہر ہوگیا ہے ان پر مصائب وآلام کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود کو غیر محفوظ محسوس کرتے ہیں، نوروئیدہ اسلام کے پودے کے بظاہر بارآور اور تناور ہونے کے دور دور تک آثار تک نظر نہیں آرہے، ایسے وقت میں آپ اپنے بعد خلافت کی فکر فرمائیں اور قبول اسلام کے لیے بطور رشوت خلافت پیش فرمائیں۔ کس قدر بے مغز اور طفلانہ بات ہے۔

حدیث کے موضوع ہونے پر دوسری شہادت

روایت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے چالیس افراد کے روبرو دعوت توحید پیش فرمائی تھی اور آپ کی دلی خواہش تھی کہ سب ہی ایمان قبول کر لیں لہٰذا

یہ عین ممکن تھا کہ تمام حاضرین یا اکثر آپ کی دعوت توحید پر لبیک کہتے ہوئے آپ کا تعاون کرنے پر آمادہ ہوجائیں، ایسی صورت میں خلیفہ کون ہوتا، اگر سب ہوتے تو اجتماعِ خلفاء لازم آتا اور اگر کوئی ایک ہوتا تو ترجیح بلا مرجح لازم آتی،

شیعہ حضرات کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی بلکہ تمام ائمہ من جانب اللہ نام زد ہیں، حالانکہ اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ من جانب اللہ نام زد امام نہیں تھے، بلکہ حاضرین میں سے خلافت کا وہ شخص مستحق تھا، جو سبقت کرکے آپ کی دعوت پر لبیک کہہ دیتا، اور وہ کوئی بھی ہوسکتا تھا اور اگر حضرت علیؓ خلافت کے لیے منجانب اللہ نام زد تھے تو آپ کا یہ فرمانا کہ جو شخص میرے اس معاملے میں تعاون کرے گا وہ میرا خلیفہ ہوگا بے معنیٰ بات تھی، اور اگر خلافت کے لیے صرف اتنی ہی شرط تھی کہ شہادتین کو قبول کرے اور میرا تعاون کرے تو یہ کام تو ساری امت نے کیا ہے خاص طور پر بنی عبدالمطلب میں سے حضرت حمزہ وہ حضرت جعفر و عبیدہ بن الحارث وغیرہم نے بھی شہادتین کو قبول کیا اور تعاون بھی کیا تھا، یہ حضرات تو سابقین اولین میں سے ہیں، اور حضرت حمزہ اس وقت ایمان لائے تھے جب کہ ابھی چالیس افراد بھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، حالانکہ یہ حضرات خلیفہ نہیں ہوئے،

موضوع ہونے پر تیسری شہادت

روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت ذوالعشیرہ کے وقت خاندان عبدالمطلب کے افراد کی تعداد چالیس تھی اور یہ بات معلوم ہی ہے کہ یہ ایک مخصوص دعوت تھی جس میں صرف بنی عبدالمطلب کو ہی مدعو کیا گیا تھا، حالانکہ آپ کی حیات مبارکہ کے آخری ایام تک بھی بنو عبدالمطلب کی تعداد بیس سے زیادہ نہیں تھی چہ جائے کہ چالیس تک پہنچی ہو، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مذکورہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کذب و افتراء ہے، اس لیے کہ عبدالمطلب کی اولاد ان کے چار بیٹوں یعنی (۱) عباس (۲) ابوطالب (۳) حارث (۴) ابولہب سے ہے۔ ابوطالب کے چار بیٹے تھے (۱) علی (۲) جعفر (۳) عقیل (۴) طالب، طالب نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا، اور اس وقت عباس کی کوئی اولاد نہیں تھی یا شیر خوار تھی، اور حارث کے تین بیٹے تھے (۱) ابوسفیان (۲) ربیعہ (۳) نوفل۔ اور ابولہب کے دو یا تین بیٹے تھے، یہ کل افراد پندرہ سے زیادہ نہیں ہوئے۔ حالانکہ راوی چالیس کی

تعداد بیان کرتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روایت موضوع ہے [1]

موضوع ہونے پر خارجی شہادت

مذکورہ روایت کی سند میں عبدالغفار ابو مریم بن قاسم کوفی ہے یہ شخص بالاتفاق متروک ہے، سماک بن حرب اور ابوداؤد نے اس کو کاذب کہا ہے، اور احمد بن حنبل نے اس کے بارے میں لیس بشئ کہا ہے، ابن مدینی فرماتے ہیں کہ یہ شخص حدیثیں وضع کرتا تھا، ابو حاتم اور نسائی نے متروک الحدیث کہا ہے، اور ابن حبان البستی نے کہا ہے کہ عبدالغفار بن قاسم شرابی تھا اور حالت نشہ ہی میں روایت بیان کرتا تھا اس کے علاوہ اس روایت کی سند میں عبداللہ ابن عبدالقدوس ایک شخص ہے وہ ضعیف ہے دارقطنی نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ ضعیف ہے اور یحیٰی بن معین نے اس کے بارے میں لیس بشئ اور رافضی خبیث بتایا ہے اور نسائی نے لیس بثقہ کہا ہے ———— ناظرین آپ ہی فیصلہ فرمائیں کہ جس روایت کی سند کا یہ حال ہو ایک نہیں کئی کئی ایسے راوی موجود ہوں جن کو محدثین نے نہ صرف ضعیف بلکہ خبیث اور واضع الحدیث، متروک لیس بشئ کہا ہو اس روایت سے بنیادی عقیدہ پر استدلال کیسے درست ہو سکتا ہے [2]

ہر شاخ پہ الو بیٹھا ہے انجام گلستاں کیا ہوگا

مذکورہ روایت اور خلافت عامہ

اگر بفرض غلط محض بحث کو جاری رکھنے کے لیے ہم روایت کی صحت تسلیم کر بھی لیں تو اس حدیث کا خلافت عامہ سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے بلکہ خانگی اور خاندانی نیابت مراد ہے، اس لیے کہ ابو حاتم نے حضرت علی سے جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں "ایکم یقضی عنی دینی ویکون خلیفتی فی اھلی"، یعنی آپؐ نے فرمایا میری وفات کے بعد تم میں سے کون میرا قرض ادا کرے گا؟ اور میرے اہل کے بارے میں میری نیابت کون کرے گا؟ اس روایت کے بعد کسی قسم کا کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ آپ اپنے اہل خاندان سے اس بات کا اقرار اور عہد لینا چاہتے تھے کہ اگر خدانخواستہ میں اس کار رسالت کے ادا کرنے میں قتل کر دیا جاؤں تو میرے بعد میرے معاملات کی کون کفالت کرے گا، اور آپ کا اندیشہ بظاہر بجا بلکہ قرین قیاس

---

[1] منہاج السنہ ص۸۱ ج۴   [2] منہاج السنہ ص۸۱ ج۴

تھا اس لیے کہ آپ کی دعوت کی مخالفت اندر اور باہر اپنوں کی طرف اور غیروں کی طرف سے بڑی شدت کے ساتھ ہو رہی تھی چنانچہ بعد کے حالات نے آپؐ کے اندیشہ کو صحیح ثابت کر دیا کہ بارہا آپ کے قتل کی سازشیں کی گئیں، آپ کو زہر دیا گیا، آپ پر سحر کیا گیا، آپ پر پتھر گرا کر قتل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا، دار الندوہ میں آپ کے قتل کا فیصلہ کر کے عملی جامہ پہنانے کیلئے عملی اقدام کیا گیا، نیز آپؐ کے سامنے قتل انبیاء کی نظریں بھی موجود تھیں، اس لیے کہ بہت سے انبیاء علیہم السلام کو اپنی قوم کے ہاتھوں تبلیغ رسالت کے جرم میں شہید کیا جا چکا تھا، اس بات کا ثبوت کہ آپ کا مقصد صرف خاندانی اور خانگی خلافت یا کفالت تھی اس بات سے بھی ملتا ہے کہ جب آپؐ نے "ایکم یقضی عنی دینی ویکون خلیفتی فی اھلی" فرمایا تو تمام حاضرین خاموش رہے، اور حضرت عباسؓ بھی اس خیال سے خاموش رہے کہ کہیں ذمہ داری قبول کرنے کی صورت میں ان کا سارا مال ادا ء دین وغیرہ میں صرف نہ ہو جائے، حضرت علیؓ کے الفاظ یہ ہیں "سکت العباس خشیۃ الحفظ ذالک بمالہ" حضرت ابن عباس اپنا مال بچانے کی وجہ سے ذمہ داری قبول کرنے سے خاموش رہے۔ چنانچہ صاحب البدایہ والنہایہ اس حدیث کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ومعنی قولہ فی ھذا الحدیث من یقضی عنی دینی ویکون خلیفتی فی اھلی یعنی اذا مت، وکانہ صلعم خشی اذا قام بابلاغ الرسالۃ الی مشرکی العرب ان یقتلوہ فاستوثق من یقوم بعدہ بما یصلح اھلہ ویقضی عنہ وقد امنہ اللہ تعالیٰ من ذالک فی قولہ تعالیٰ ویایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک[1] مطلب یہ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انتقال کے بعد کے لیے اہل وعیال کی کفالت ونگرانی اور دیگر معاملات مثلاً ادائے قرض اور امانتوں کی واپسی وغیرہ کے لیے اپنے اہل خاندان سے عہد لینا چاہا تو تمام حاضرین جن میں حضرت عباس بھی موجود تھے خاموش رہے، حضرت عباس اس خیال سے خاموش رہے کہ مبادا

---

[1] البدایہ والنہایہ مصری ص۴۰ ج ۳

ذمہ داری قبول کرنے کی صورت میں ان کا مال ختم نہ ہو جائے، جب سب حضرات خاموش رہے تو بدرجہ مجبوری حضرت علی نے ذمہ داری قبول فرمالی، اور قبول کرنی بھی چاہیے تھی اس لیے کہ حضرت علی کے والد ابوطالب ایک غریب آدمی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کا بوجھ ہلکا کرنے کے خیال سے حضرت علی کو اپنی پرورش میں لے لیا تھا گویا کہ بمنزلہ بیٹے کے تھے ان پر زیادہ حق تھا کہ ذمہ داری قبول کریں، بعض اوقات آپؐ نے اپنی زندگی میں بھی حضرت علی کو خانگی ذمہ داری سپرد فرمائی ہیں، غزوہ تبوک کے موقع پر آپ نے حضرت علی کو خانگی معاملات کی ذمہ داری اور کفالت سپرد فرمائی تھی، اور یہ مناسب اور عرف کے مطابق بھی تھا اس لیے کہ امور خانہ داری کی نگرانی عموماً ایسے شخص کو سپرد کی جاتی ہے جو محرم اور پوشیدہ خانگی حالات سے واقف ہو، تاکہ نگرانی کا کام بحسن وخوبی انجام دے سکے، چنانچہ حضرت علی نے اس موقعہ پر اظہار ناپسندیدگی کے طور پر فرمایا بھی "اتخلفنی فی النساء والصبیان"، کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں کی نگرانی کے لیے چھوڑے جارہے ہیں، حضرت علی کا اظہار ناپسندیدگی اس خیال سے تھا کہ دیگر حضرات تو میدان جہاد میں داد شجاعت دیں اور میں بچوں اور عورتوں کی نگرانی نیز امور خانہ داری میں مشغول رہوں!!

حضرت علیؓ اور غزوہ تبوک

اس بات کا مزید ثبوت کہ آنحضرت صلعم نے غزوہ تبوک کے موقعہ پر حضرت کو اہل خانہ کی نگرانی کے لیے مدینہ میں چھوڑا تھا اس سے بھی ملتا ہے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص۲۵۸ پر تحریر فرماتے ہیں "ازاں جملہ آں کہ آنحضرت صلعم چوں متوجہ غزوۂ تبوک شدند برائے تعہد حال عیال خود مرتضیٰ را در مدینہ گذاشتند،

ترجمہ ـــــ آنحضرتؐ جب غزوہ تبوک کے لیے تشریف لے گئے تو اپنے اہل وعیال کی نگرانی کے لیے حضرت علی کو مدینہ چھوڑ گئے، ـــــ آگے چل کر شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں، قال محمد بن اسحٰق وخلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی بن ابی طالب علی اہلہ وامرہ بالاقامۃ فیھم فارجف المنافقون وقالوا ما خلفہ الا استثقالا لہ وتخففا منہ فلما قال ذالک المنافقون

اخذ علیؓ سلاحہ ثم خرج حتی اتی رسول اللہ صلعم وھو نازل بالجرف فقال یا نبی اللہ زعم المنافقون انک انما خلفتنی استثقالاً لی فقال کذبوا فقد خلفتک لما ترکت ورائی فارجع فاخلفنی فی اھلی واھلک افلا ترضی یا علی ان تکون منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی فرجع علیؓ الی المدینۃ ومضیٰ رسول اللہ صلعم علیٰ سفرہ ـــــ اس روایت کا ماحصل یہ ہے کہ آپؐ نے حضرت علی کو اپنے اہل بیت کی نگرانی کے لیے مدینہ میں غزوہ تبوک کے موقعہ پر چھوڑا تھا، منافقین نے یہ بات اڑائی کہ آپؐ علی کو ہمراہ لے جانا پسند نہ فرمانے کی وجہ سے چھوڑ گئے، حضرت علی نے آپ سے اس بات کی شکایت کی تو آپؐ نے حضرت علیؓ کو تسلی دی اور فرمایا جاؤ میرے اور اپنے اہل میں میری نیابت کرو، کیا تم کو یہ بات پسند نہیں کہ تم میرے لیے ہارون کے مانند ہو مگر یہ کہ میرے بعد نبی نہیں ہے، اس روایت سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت کو پورے مدینہ کے نہیں بلکہ صرف اپنے اور آپؐ کے اہل خانہ کا نگراں بنایا تھا، صاحب بدایہ والنہایہ یہ فرماتے ہیں کہ آپ ؐ کا مقصد اہل خاندان سے اس بات کا عہد لینا تھا کہ اگر میں اس کار نبوت کی انجام دہی میں قتل کر دیا جاؤں تو میرے اہل وعیال کی نگرانی وکفالت نیز قرض کی ادائگی اور امانتوں کی واپسی کون کرے گا؟ یہی وہ عہد تھا کہ جس کی وجہ سے آپ نے سفر ہجرت کیوقت حضرت علی کو اہل مکہ کی امانتیں واپس کرنے کے لیے مکہ میں چھوڑا تھا،

خلیفتی فیکم شیعہ متکلمین جس روایت سے خلافت بلا فصل پر استدلال کرتے ہیں اگر اسی روایت میں موجود لفظ "فیکم" پر غور فرما لیتے تو معلوم ہو جاتا کہ آپؐ کا مقصد خانگی اور خاندانی خلافت ہے نہ کہ خلافت عامہ، مگر خدا برا کرے اس تعصب کا یہ بصیرت کے ساتھ بصارت بھی سلب کر لیتا ہے جس کی وجہ سے ایک کھلی ہوئی اور واضح نظروں کے سامنے موجود چیز بھی نظر نہیں آتی، آپؐ کا خلیفتی کو فیکم کی قید کے ساتھ مقید فرمانا صاف بتا رہا ہے کہ خلافت سے مراد خلافت عامہ نہیں ہے بلکہ خاندان ہی تک محدود خلافت مقصود ہے، شیعہ متکلمین لفظ "فیکم" کو دیکھ کر گھبراتے ہیں اس لیے کہ ان کے استدلال کا دار و مدار

اسی صورت میں درست ہو سکتا ہے کہ جب کہ آپ نیکسو نہ فرماتے، یہ شکایت تو شیعہ حضرات کو خود بارگاہ نبوی کے خلاف پیش کرنی چاہیے کہ آپ کو خلیفتی کے بعد فیکم کا دنبالہ لگانے کی کیا ضرورت تھی جس سے فساد فی المعنی پیدا ہو گیا جس نے مطلق کو مقید و محصور کر کے رکھدیا، اور خلافت عامہ خلافت خاصہ ہو کر رہ گئی، ہم نے یہاں جو کچھ تحریر کیا ہے محض بغرض غلط کے اصول پر جواباً تحریر کیا ہے ورنہ ہمیں اس مجروح روایت کی صحت ہی سے انکار ہے، اور ہماری جملہ کتب صحاح اس روایت کے ذکر سے خالی ہیں لہذا اس روایت سے اہل سنت پر حجت قائم نہیں کی جا سکتی اہل سنت والجماعت کی جن کتابوں میں یہ روایت مذکور ہوئی ہے ان میں ہر قسم کی روایات صحیح وسقیم، ضعیف وموضوع نقل ہوتی چلی آتی ہیں، یہ مجروح روایت درجہ صحت سے فروتر ہے یہی وجہ ہے کہ جن محدثین نے اپنی تصانیف میں صحیح روایتوں کے جمع کرنے کا التزام کیا ہے ان میں کہیں اس حدیث کا سراغ نہیں ملتا، ان غیر مستند روایات سے مخالفانہ استدلال کسی طرح درست نہیں ہو سکتا، ——— بقیہ آئندہ محاضرہ نمبر ۲ میں انشاء اللہ

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا

من لدنک رحمۃ، انک انت الوھاب ۔ (آمین ۔)

※ ——— ※ ——— ※ ——— ※

بابت سنہ ۱۴۱۵ھ

چوتھا محاضرۂ علمیہ

بر موضوع

ردِّ شیعیت

پیش کردہ

جناب مولانا محمد جمال صاحب

استاذِ تفسیر دارالعلوم دیوبند

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ولایت بلا فصل ——— (جزء ثانی)

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم : امّا بعد

یہ محاضرہ بھی گذشتہ محاضرہ ۳ کے مانند حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل سے متعلق ہے لہٰذا اس لحاظ سے اس محاضرہ کو سابقہ محاضرہ کا تتمہ کہنا مناسب ہوگا، حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل پر اہل تشیع کے قرآنی دلائل اور ان کے جوابات سابقہ محاضرہ میں پیش کیے جا چکے ہیں، اس محاضرہ میں احادیث نبویہ اور عقلی دلائل کے جوابات پیش کیے جائیں گے نیز آخر میں خلفاء ثلثہؓ کی خلافت کے اشارات بھی نذر ناظرین کیے جائیں گے۔

حضرت علیؓ کی

خلافت بلا فصل پر حدیث غدیر خم سے شیعہ حضرات کا استدلال

خلافت بلا فصل کا آخری اعلان

بقول شیعہ حضرات خلافت بلا فصل کا سب سے پہلا خصوصی اعلان وہ تھا جو ۳ نبوی میں قریبی عزیز و اقارب کے مجمع میں ایک دعوت کے موقع پر کیا گیا تھا جو دعوت ذو العشیرہ کے نام سے مشہور ہے، اور آخری اور عمومی اعلان ۱۰ھ میں حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت غدیر خم کے مقام پر لاکھوں صحابہ کی موجودگی میں فرمایا تھا، پہلے اعلان کی تفصیل اور اس کا جواب محاضرہ ۳ میں ناظرین نے ملاحظہ فرمایا اب آخری اعلان کی بحث ملاحظہ فرمائیں، اس آخری اعلان کو شیعہ حضرات حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل کے لیے نص قطعی سمجھتے ہیں، مگر اکابر اہلِ سنت اس مبینہ واقعہ کو بے اصل محض قرار دیتے ہیں۔

کتب اہل سنت اور واقعہ غدیر خم

اہل سنت کی بعض کتابوں میں غدیر خم کا واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے ——— آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے پہلے، ماہ رمضان ۱۰ھ میں حضرت علیؓ کو تین سو آدمیوں پر سردار مقرر فرما کر یمن کی جانب ———

روانہ فرمایا[1] قیامِ یمن کے دوران کچھ ساتھیوں کو حضرت علیؓ سے کچھ دوستانہ شکایت ہو گئی تھی ان میں بریدہ اسلمی بھی شامل تھے چنانچہ بریدہ اسلمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت علیؓ کی کچھ شکایت کی، آپؐ نے غدیر خم کے مقام پر جو کہ مدینہ اور مکہ کے درمیان ایک مقام ہے ایک خطبہ دیا جس میں بہت سی باتوں کے علاوہ آپؐ نے اہل بیت کی محبت کی تاکید فرمائی اور حضرت علی رضہ کی نسبت فرمایا "مَن کُنتُ مولاہ فعلیٌ مولاہ"[2] آپؐ کا مقصد یہ تھا کہ بعض صحابہ کو بمقتضائے حالات وبتقاضائے بشریت حضرت علی رضہ سے جو دوستانہ شکر رنجی پیدا ہو گئی ہے وہ دور ہو جائے چنانچہ آپؐ نے مناسب خیال فرمایا کہ جلسہ عام میں حضرت علی مرتضیٰ کے خلوص اور بے لوثی نیز آپ کے وقعت مرتبہ کا اعلان عام اس طرح کر دیا جائے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ خاص طور پر وہ حضرات کہ جن کو شکر رنجی پیدا ہو گئی ہے اس اعلان کو سن لیں اور جناب مرتضیٰ سے محبت اور موالات کی تاکید بھی ہو جائے، اور اگر کسی مسلمان کے دل میں کوئی شکایت ہو تو وہ تاکید قولی سے دور ہو جائے حج سے واپسی پر جب آپ غدیر خم کے مقام پر جو کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان مکہ سے دو منزل کی دوری پر واقع ہے جہاں سے مختلف راستے اطراف عرب کے لیے جاتے ہیں، یہاں ایک تالاب بھی ہے، چنانچہ آپؐ نے قیام فرمایا اور کجاؤں کا ایک عارضی ممبر بنوایا، بریدہ بن الحصیب کی روایت کے مطابق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس ممبر پر تشریف فرما ہوئے اور آپؐ نے فرمایا "یامعاشر المسلمین الست اولیٰ بکم من انفسکم قالو بلیٰ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "من کنت مولاہ فعلیٌ مولاہ اللھمّ وال من والاہ وعاد من عاداہ"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ــ اے مسلمانوں کیا میں تمہارے نزدیک تمہاری جانوں سے زیادہ عزیز نہیں ہوں، حاضرین نے جواب دیا بے شک آپ ہماری جانوں سے زیادہ عزیز ہیں، تو آپ نے فرمایا "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" جس کا میں دوست ہوں علی بھی اس کا دوست ہے، اے اللہ تو ہر اس شخص کو دوست رکھ جو علی کو دوست رکھے اور ہر اس شخص سے عداوت رکھ جو علی سے عداوت رکھے۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ص۲۴۴ ج ۴ بحوالہ سیرۃ مصطفیٰ [2] مواہیب ص۱۳ ج ۷ بحوالہ سیرۃ مصطفیٰ

الغرض اہل سنت کی اس غیر مقبولہ روایت کی بنا پر حضرت علی سے دوستی کی خصوصی تاکید فرمائی حضرت علی کی اس عزت افزائی پر بعض اکابر صحابہ نے حضرت علی کو مبارکباد بھی پیش فرمائی ۔

اہل سنت کی کتابوں میں سے یہ حدیث صرف ترمذی شریف اور ابن ماجہ شریف میں درج ہوئی ہے باقی سنن اربعہ اور صحیحین میں یہ روایت موجود نہیں ہے ، اور اکابر محدثین نیز ناقدین رجال نے جابجا اس حدیث پر جرح تحریر فرماکر اس روایت کو ساقط الاعتبار قرار دیا ہے ، مثلاً علامہ ابن حجر مکی نے اپنی مشہور کتاب ،، الصواعق المحرقہ ،، میں اس حدیث کے متعلق تحریر فرمایا ہے ،، والطاعنون فی صحتہ جماعۃ کابی داؤد سجستانی وابی حاتم رازی ،،

یعنی اس حدیث کو مطعون قرار دینے میں ائمہ حدیث اور مجرین کی ایسی جماعت ہے کہ جن کی طرف علم حدیث میں رجوع کیا جاتا ہے مثلاً ابوداؤد سجستانی اور ابوحاتم رازی ،

علامہ اسحٰق بردی سہام الثاقب میں تحریر فرماتے ہیں ،، وقد قدح فی صحت الحدیث کثیر من ائمۃ الحدیث کابی داؤد والواقدی وابن خزیمۃ و غیرہم

یعنی اس حدیثِ موالات کی صحت میں ائمہ حدیث کی ایک بڑی جماعت نے قدح کی ہے مثلاً ابوداؤد واقدی ، ابن خزیمہ و غیرہم اور ابن حزم کتاب الفصل صہ ۱۱۶/۴ میں تحریر فرماتے ہیں واما ،، من کنت مولاہ فعلی مولاہ ،، فلا یصح من طرق الثقاۃ اصلاً یعنی حدیث موالات ثقہ کے طریقے سے صحیح نہیں ہے ۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے ،، حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ صحیح حدیثوں میں سے نہیں ہے لیکن وہ اس قسم کی حدیثوں میں سے ہے جن کی روایت علماء نے کی ہے اور لوگوں کے نزدیک اس کی صحت متنازعہ ہے ، اور ابن حزم نے کہا ہے کہ حدیث ،، من کنت مولاہ فعلی مولاہ ،، بسند ثقات ہرگز صحیح نہیں ہے ۔

ناظرین کو اکابر اہل سنت والجماعت کی مذکورہ شہادتوں سے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ اہل سنت کے نزدیک حدیث ،، من کنت مولاہ ،، کا شمار صحیح حدیثوں میں نہیں ہے ، الغرض حدیثِ مذکور اہل سنت کے نزدیک اس حیثیت کی ہرگز نہیں ہے جس سے کسی بنیادی عقیدہ کو ثابت کیا جاسکے البتہ باب مناقب میں ایسی صدہا حدیثیں نقل ہوتی چلی آرہی ہیں جن کی صحت ہمیشہ مشکوک ومشتبہ رہی ہے ، انہی میں سے ایک حدیث موالات بھی ہے اور اگر بفرض محال ہم حدیث موالات کو صحیح تسلیم کر بھی لیں تب بھی اس حدیث

جناب امیر کی مبینہ خلافت بلا فصل کا ثبوت کسی طرح ممکن نہیں ہے

واقعہ غدیر خم سے طریقہ استدلال | ابن مطہر حلی جو کہ متقدمین شیعہ علماء میں سے ہیں اور اپنے طبقہ میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں اپنی مشہور کتاب منہاج الکرامہ میں رقم طراز ہیں

"البرہان الثانی قولہ تعالیٰ (یایہا الرسول بلغ ما انزل الیک) اتفقوا علیٰ نزولہا فی علی، روی ابونعیم باسنادہ الیٰ عطیۃ انہا نزلت فی علیؓ وفی تفسیر الثعلبی (بلغ ما انزل الیک) فی فضل علیؓ فلما نزلت اخذ بید علی فقال "من کنت مولاہ فعلی مولاہ"، والنبی مولیٰ ابوبکر و عمر والصحابۃ بالاجماع، فیکون علیؓ مولاھو فیکون ھوالامام، ومن تفسیر الثعلبی قال لما کان یوم غدیر نادیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الناس فاجتمعوا فاخذ بید علیؓ فقال "من کنت مولاہ فعلیؓ مولاہ"، فشاع ذالک وطار فی البلاد وبلغ ذالک الحارث بن نعمان الفہری فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاناخ بالابطح فنزل واتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو فی ملاءٍ من اصحابہ فقال :

علامہ ابن مطہر حلی نے دعویٰ کیا ہے کہ "یایہا الرسول بلغ ما انزل الیک" بالاتفاق حضرت علی رضہ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور ثعلبی سے مزید یہ بھی نقل کیا ہے کہ جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو آپؐ نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا "من کنت مولاہ فعلیؓ مولاہ"، یعنی جس کا میں ولی ہوں علی بھی اس کا ولی، اور آنحضرت صلعم بالاتفاق ابوبکر و عمر غرضیکہ تمام صحابہ کے مولا تھے لہٰذا علی رضہ بھی ان سب کے مولیٰ ہوں گے اور امام کا یہی مطلب ہے، ثعلبی ہی سے ایک دوسری روایت میں اتنا اور اضافہ ہے کہ آپؐ نے لوگوں کو جمع کیا اور جب لوگ جمع ہو گئے تو جناب امیر کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" اور یہ خبر دور دور تک شہروں میں پھیل گئی، چنانچہ مذکورہ خبر جب حارث بن نعمان فہری نے سنی تو آپ کی خدمت میں مقام ابطح میں حاضر ہوا، آپؐ اس وقت صحابہ کے درمیان تشریف فرما تھے، حارث نے کہا اے محمدؐ آپ نے ہم سے شہادتین کیلئے کہا ہم نے اس کو تسلیم کر لیا، اسی طرح نماز، روزہ،

یامحمد امرتنا بالشہادتین وبالصلوٰۃ وبالزکوٰۃ والصیام والحج فتقبلنا منک ثم لم ترض حتی رفعت بضبعی ابن عمک ففضلتہ علینا وقلت ”من کنت مولاہ فعلی مولاہ“ فان کان ھذا من اللہ فحدثنا فقال إی واللہ من امر اللہ فولی الحارث وھو یقول ”ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء اوائتنا بعذاب الیم۔ فما وصل حتی رماہ اللہ الحجر فسقط علی ھامتہ وخرج عن دبرہ فقتلہ وانزلت ”سال سائل بعذاب“الخ

زکوٰۃ، حج، کا حکم دیا، ہم نے ان کو بھی قبول کرلیا آپ اتنے پر راضی نہیں ہوئے یہاں تک کہ آپ نے اپنے چچا زاد بھائی کو ہمارے اوپر فوقیت اور فضیلت دی، اگر یہ بات اللہ کی طرف سے ہے تو ہمیں بتادیجئے، آپ نے فرمایا کہ ہاں واللہ یہ جو کچھ میں نے کہا ہے اللہ کے حکم سے ہے، چنانچہ حارث نے کہا ”ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم۔ یعنی یہ بات اگر تیری جانب سے حق ہے تو ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی دردناک عذاب نازل فرما، یا کہتا ہوا واپس ہوا، اپنی سواری تک پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک پتھر اس کی کھوپڑی پر گرا اور دبر سے نکل گیا اور وہ اسی وقت ہلاک ہوگیا، اور یہ آیت نازل ہوئی ”سأل سائل“الخ[۱]

مذکورہ استدلال کا جواب | ناظرین ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس دروغ گوئی اور مکروفریب بلکہ بہتان وافتراء کو دیانت وتقوی کی کون سی قسم میں داخل کیا جائے، اور مذکورہ اوصاف کے حامل کو کس لقب سے نوازا جائے، جناب علامہ حلی نے اپنی قدیم عادت اور قومی روایت کے مطابق یہاں بھی ”اتفقوا علی نزولہا فی علی“ کہکر اجماع مفسرین کا دعوی کیا ہے، اجماع تو دور کی بات ہے یہ بات تو کسی ایسے عالم نے بھی نہیں کہی کہ جس کے علم پر اعتماد کیا جائے، چہ جائے کہ اجماع کا دعوی کیا جائے اور جن حضرات نے مذکورہ آیت کو حضرت علی کی شان میں نازل ہونا بیان

---

[۱] منہاج السنہ ص۹ ج۴، المنتقی للذہبی ص۴۲۲۔

کیا ہے مثلاً ابونعیم نے حلیہ میں اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں "یہ کتابیں موضوعات سے بھری پڑی ہیں
چنانچہ علماء حدیث نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ ثعلبی کی مذکورہ حدیث موضوع ہے۔[1]

مذکورہ حدیث کے موضوع ہونے کی پہلی دلیل یہ بات فریقین کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ غدیر خم کا واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت ۱۸ اٹھارہ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ کو پیش آیا تھا اور شیعہ حضرات اس دن کو عید کے طور پر مناتے ہیں اور یہ بات بھی متفق علیہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکے بعد مکہ تشریف نہیں لے گئے بلکہ حج سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور تقریباً ڈھائی تین مہینے بعد ربیع الاول میں انتقال فرمایا۔

ناظرین ذرا غور فرمائیں علامہ حلی نے اپنے دعوے کے اثبات میں ثعلبی کی جو روایت پیش کی ہے اس کا ایک جز یہ بھی ہے کہ غدیر خم کے مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کے مجمع میں فرمایا "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" اور اس فرمان کی خبر آناً فاناً قرب وجوار بلکہ دور دراز تک پہنچ گئی، یہاں تک کہ حارث بن نعمان فہری نے جب یہ فرمان سنا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مقام ابطح میں ملا اور وہ گفتگو کی جو روایت میں ثعلبی سے مروی ہے، اسی حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ "آپ نے غدیر خم کے مقام پر خطبہ دیتے ہوئے من کنت مولاہ فعلی مولاہ" فرمایا تھا، اور غدیر خم جو کہ ایک چشمہ یا تالاب ہے جحفہ کے قریب مکہ اور مدینہ کے درمیان مکہ سے دو روز کی مسافت پر واقع ہے اور ابطح (بطحی) مکہ کے قریب ایک وادی کا نام ہے، اور یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ آپ صلعم حجۃ الوداع سے فارغ ہو کر جب مدینہ کیلئے روانہ ہو گئے تو پھر تا زیست مکہ تشریف نہیں لے گئے، اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حارث بن نعمان واقعہ غدیر خم کے بعد مکہ میں ملاقات کی ناظرین اب آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ یہ روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کذب وافتراء نہیں تو اور کیا ہے اس روایت سے جہاں روایت وضع کرنے والے کا مبلغ علم معلوم ہوتا ہے وہاں علامہ حلیؒ کی حدیث دانی کا بھی ثبوت ملتا ہے علامہ نے روایت

---

[1] منہاج السنہ صفحہ ۱۰ ج ۴

سے استدلال تو شروع فرمادیا مگر یہ نہ سوچا کہ خود روایت اپنی نفی کر رہی ہے یہ حال تو اہلِ تشیّع کے ان علماء کا ہے جو چیدہ اور برگزیدہ کہلاتے ہیں ان علماء کرام کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ابطح کہاں ہے اور غدیرِ خم کس جگہ واقع ہے؟ اور دونوں کے درمیان میں کتنی مسافت ہے اس کے باوجود قرآن کی تفسیر کا شوق فرماتے ہیں۔

حدیث کے موضوع ہونے کی دوسری داخلی شہادت

علامہ حلی نے اپنے مدعا کے اثبات میں ثعلبی کی روایت پیش کی ہے اس روایت کا ایک جزیہ بھی ہے کہ حارث بن نعمان یہ کہتا ہوا واپس ہوا "ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء اوائتنا بعذاب الیم"، ابھی اپنی سواری تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک پتھر اس کی کھوپڑی پر پڑا اور دبر سے نکل گیا، اور اسی وقت اللہ تعالیٰ نے سورہ معارج کی یہ آیت "سال سائل بعذاب واقع للکافرین"، نازل فرمائی حالانکہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ سورہ معارج مکی ہے اور مبیّنہ واقعہ غدیر خم سے تقریباً دس سال قبل اس وقت نازل ہوئی تھی جب کہ مشرکین مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ آخر جس عذاب کا وعدہ ہے وہ جلدی کیوں نہیں آتا، اے اللہ اگر محمدؐ کا کہنا سچ ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کر دے، واضع حدیث مذکورہ آیت کے نزول کا وقت واقعہ غدیر خم کے وقت کو بیان کرتا ہے، اور علامہ حلی اس موضوع حدیث سے آنکھیں بند کر کے استدلال فرما رہے ہیں "ذالک مبلغھم من العلم"،

اہلِ تشیّع کا تیسرا جواب

مذکورہ روایت سے اہلِ تشیّع کا حضرت علی کی خلافت بلا فصل پر استدلال اس بات پر موقوف ہے کہ مولیٰ بمعنیٰ اولیٰ بالتصرف ہو حالانکہ یہ محاورہ اور لغت دونوں کے خلاف ہے، بلکہ اہلِ عربیت کا کہنا ہے کہ مفعل بمعنیٰ افعل استعمال نہیں ہوتا، ابوزید لغوی جواز کے قول میں منفرد ہے اور ابوعبیدہ کے قول سے استدلال کرتا ہے، ابوعبیدہ نے "ھو مولاکم" کی تفسیر اولیٰ کم سے کی ہے لیکن جمہور اہلِ لغت نے اس استدلال کو غلط قرار دیا ہے، اور کہا ہے کہ اگر مولیٰ بمعنیٰ اولیٰ درست تسلیم کرلیا جائے تو لازم آئے گا کہ "فلان اولیٰ منک"، کی بجائے فلان مولیٰ منک"، کہنا درست ہو حالانکہ یہ استعمال بالاتفاق مردود اور

باطل ہے [1] اور فرض غلط کے طور پر ہم تھوڑی دیر کے لیے تسلیم کر بھی لیں کہ مولیٰ بمعنیٰ اولیٰ ہے تو بالتصرف اس کا صلہ کون سی لغت اور کس قرینہ سے ثابت ہے؟ اور آپ نے مولیٰ بمعنیٰ اولیٰ کہاں سے نکال لیا ہے؟ احتمال یہ بھی تو ہے کہ مولیٰ بمعنیٰ اولیٰ بالمحبت یا اولیٰ بالتعظیم ہو، جب مولیٰ کے معنیٰ میں متعدد احتمالات ہیں تو بغیر قرینہ کے کوئی ایک معنیٰ مراد لینا اور اس سے ایسا عقیدہ ثابت کرنا کہ جس پر کفر و اسلام، جنت و نار کا دار و مدار ہو کیسے درست ہو سکتا ہے؟ ایسا عقیدہ ثابت کرنے کے لیے تو نص قطعی واضح غیر مبہم اور غیر محتمل ہونا ضروری ہے، یہ کیا ضروری ہے کہ جب بھی لفظ اولیٰ کانوں میں پڑے تو اس سے مراد اولیٰ بالتصرف لے لیا جائے مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ان اولی الناس بابراھیم للذین اتبعوہ وھذا النبی والذین آمنوا" بقول آپ کے اولیٰ سے اولیٰ بالتصرف مراد ہوتا ہے تو یہاں کیا فرمائیں گے، آپ کے عقیدہ کے مطابق تو مطلب یہ ہے کہ جن حضرات نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کی وہ حضرت ابراہیم اور آنحضرت صلعم میں اولیٰ بالتصرف ہوں۔ حالانکہ یہ کسی طرح درست نہیں ہے، آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ، ابراہیم ع سے قریب ترین وہ لوگ ہیں جنہوں نے (ابراہیم ع) کے زمانہ میں ان کی اتباع کی اور آنحضرت صلی اللہ وسلم اور مومنین قریب ہیں،

ولایت بمعنیٰ محبت کا قرینہ

زیر استدلال حدیث کا آخری جملہ اس بات کا قرینہ ہے کہ مولا سے مراد محبت ہے، اگر مولا سے متصرف فی الامور یا اولیٰ بالتصرف مراد ہوتا تو آپؐ یوں فرماتے "اللھم وال من کان فی تصرفہ وعاد من لم یکن کذلک" اور اگر مولا بمعنیٰ متصرف فی الامور بالفرض تسلیم کر بھی لیا جائے تو ایک زمانہ میں دو ولایتوں کا اجتماع لازم آئے گا، اس لیے کہ حدیث میں "بعدی" کی قید نہیں ہے بلکہ سلسلہ کلام تمام اوقات میں ہر حیثیت سے برابری کو چاہتا ہے حالانکہ یہ بات واضح ہے کہ جناب امیر کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ولایت میں شرکت آپؐ کی حیات میں ممتنع ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وجوب محبت مراد ہے اس لیے کہ محبتوں کے جمع ہونے میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ ایک

---

[1] مختصر تحفہ ص ۱۶۰

محبت دوسری محبت کر چاہتی ہے۔ البتہ دو تصرفوں کے بیک وقت جمع ہونے میں بہت سی قباحتیں ہیں

تا قیامت رفع نہ ہونے والا تعارض

حدیث غدیر خم کا امامت کبریٰ سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض تعلق تسلیم کر بھی لیا جائے تو شیعہ حضرات کی بیان کردہ دو روایتوں میں ایسا صریح تعارض واقع ہوگا کہ کسی طرح بھی قیامت تک دور نہ ہو سکے گا، اس لیے کہ بقول شیعہ حضرات جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غدیر خم کے مقام پر مجمع عام میں حضرت علیؓ کو خلیفہ بنا چکے تھے تو پھر اس روایت کا کیا مطلب ہوگا جو ،، حزن المومنین ،، میں بروایت کلینی اور ابن بابویہ قمی اور شیخ طوسی اور شیخ مفید سے معتبر سندوں کے ذریعہ امام زین العابدین اور امام باقر و امام جعفر صادق سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شدت مرض میں حضرت علی اور حضرت عباس کو طلب فرما کر تمام مہاجرین و انصار کے روبرو ارشاد فرمایا اے عباس میں انتقال کرنے والا ہوں لہٰذا تم میری خلافت قبول کر کے مجھے خلیفہ بنانے کے اہم کام سے سبکدوش کر دو ۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ بار خلافت کے لائق علی ہیں مجھ میں اس کے تحمل کی صلاحیت نہیں ہے ،، سبحان اللہ ،، دروغ گو را حافظہ نباشد ، ناظرین ذرا غور فرمائیں اگر بقول شیعہ حضرات ، حضرت علیؓ کو غدیر خم کے مقام پر خلیفہ بلا فصل بنا دیا گیا تھا تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو خلیفہ بننے کے لیے کیوں ارشاد فرمایا ؟ اور حضرت عباسؓ نے یہ کیوں نہ عرض کر دیا کہ آپ ابھی دو ڈھائی ماہ پیشتر غدیر خم کے مقام پر صحابہ کے مجمع عام میں حضرت علیؓ کو خلیفہ بلا فصل بنا چکے ہیں ، اب مجھے خلیفہ بنانے کی کیا ضرورت ہے مہاجرین و انصار نیز اہل بیت میں سے کوئی نہیں بولا کہ حضور آپ یہ کیا فرما رہے ہیں ؟ آپ ابھی دو ڈھائی ماہ پہلے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنا چکے ہیں ، اور اگر بالفرض حضرت علی کو غدیر خم کے مقام پر خلیفہ بنایا بھی تھا تو آپ نے معزول بھی فرما لیا ورنہ تو حضرت علی کو خلیفہ بنانے کے بعد حضرت عباسؓ کو خلیفہ بنانے کے کیا معنیٰ [1]

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت علیؓ کی خلافت عامہ کا اعلان مقصود ہوتا تو اس کے لیے سب سے بہتر اور مناسب موقعہ میدان عرفات تھا جب کہ تمام مسلمان ایک جگہ جمع تھے ، یہی وجہ

---

[1] ہدایۃ الشیعہ ص ۲۶ ۔

تھی کہ آپؐ نے ان تمام ضروری امور کا اعلان فرمایا جس کے لیے امت کو ضرورت تھی، مکہ سے دو منزل دور غدیر خم کے مقام پر جب کہ آپ کے ہمراہ سوائے ان حضرات کے جو مدینہ سے آپؐ کے ساتھ حج کے لیے آئے تھے یا جن حضرات کو جانب شمال میں مدینہ کی جانب جانا تھا کوئی نہیں تھا مکہ کے باشندے مکہ ہی میں ٹھہر گئے تھے، اور اہل طائف، طائف روانہ ہو گئے تھے، اسی طرح وہ لوگ جو مکہ کے اطراف کے باشندے تھے وہ بھی آپؐ سے رخصت ہو چکے تھے، اسی طرح یمن کے باشندے بھی مکہ ہی سے آپؐ سے جدا ہو گئے تھے، غرضیکہ سوائے ان حضرات کے جن کو جانب شمال میں دور جانا تھا یا جو حضرات مدینہ کے باشندے تھے اور کوئی ہمراہ نہیں تھا، مشرق و مغرب وجنوب مکہ اور اطراف مکہ کے سب ہی لوگ آپؐ سے رخصت ہو چکے تھے، اب آپ خود ہی غور فرما لیں کہ حضرت علیؓ کی خلافت کے اعلان کا یہ کون سا مناسب موقع تھا؟

انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ سے حضرت علی کی خلافت پر استدلال

حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل پر شیعہ حضرات نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے ان میں سے ایک حدیث ،، انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی ،، بھی ہے علامہ ابن مطہر حلیؔ اپنی مشہور کتاب منہاج الکرامہ میں رقمطراز ہیں ،، البُرْھَانُ الثَّالِثُ: (اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسیٰ الخ) وَمِنْ جُمْلَۃِ مَنَازِلِ ھَارُوْنَ انہ کان خلیفۃ لموسی ولو عَاشَ بَعْدَہٗ لَکَانَ خَلِیْفَۃً اَیْضًا وَلِاَنَّہٗ خَلَّفَہٗ مَعَ وُجُوْدِہٖ وَغَیْبَتِہٖ مدۃ یَسِیْرَۃ فعند موتہ تطُوْل الغیبۃ فیکون اولیٰ بان یکون خَلِیْفَۃً ۔

علامہ حلیؔ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت علی سے فرمایا انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبیّ بعدی

تم میرے لیے ایسے ہی ہو جیسا کہ ہارون موسیٰؑ کے لیے فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے،

طریق استدلال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو حضرت ہارون کے ساتھ سوائے مرتبہ نبوت کے تمام مراتب میں تشبیہ دی ہے اور ان منازل میں امامت وخلافت بھی ہے اگر ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے بعد زندہ رہتے تو خلیفہ ہوتے، اور اس لیے کہ

آنحضرت صلعم نے حضرت علی رضؓ کو اپنی زندگی میں غیبتِ قلیلہ کے وقت خلیفہ بنایا، تو آپ کے انتقال کے بعد جب کہ غیبتِ طویل ہو گی تو بطریقِ اولیٰ حضرت خلیفہ ہوں گے۔

خلاصۂ استدلال اہلِ تشیع کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ روایت میں "مَنزِلَۃٌ" کا لفظ اسم جنس ہے جو عَلَم کی طرف مضاف ہے لہٰذا تمام منازل کو عام ہو گا تاکہ اس سے استثناء صحیح ہو سکے یعنی مرتبۂ نبوت کے علاوہ جو مراتب حضرت ہارون علیہ السلام کو حاصل تھے وہ سب جناب امیر کے لیے بھی ثابت ہوں، ان مراتب میں مرتبہ امامت اور جناب امیر کی اطاعت کا فرض ہونا بھی شامل ہے اس لیے کہ جب ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں مرتبہ امامت حاصل تھا تو وفات کے بعد بھی حاصل رہنا چاہیے ورنہ تو امام کا امامت سے معزول کرنا لازم آتا ہے اور یہ امام کی توہین ہے۔

جواب مذکورہ حدیث بلاشبہ صحیحین وغیرہ میں موجود ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت علی رضؓ کو اہلِ خانہ کی نگرانی کے لیے مدینہ منورہ میں چھوڑ دیا تھا تو منافقین نے یہ طعنہ دیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چوں کہ حضرت علی رضؓ کو ہمراہ لیجانا پسند نہیں تھا اس لیے مدینہ چھوڑ دیا ہے یہ بات حضرت علی رضؓ کو ناگوار گذری تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا اظہار فرمایا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کی دل داری کے طور پر فرمایا "انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ الخ" یعنی اے علی کیا تم کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ تم میرے لیے ایسے ہی ہو جیسے ہارون موسیٰ کے لیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ آپ جب بھی مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے تو کسی شخص کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرمادیتے تھے، مدینہ منورہ پر خلیفہ بنانا حضرت علی رضؓ کے ساتھ مخصوص نہیں تھا، اس لیے کہ آپؐ جب بنو نضیر سے جنگ کرنے کے لیے تشریف لے گئے تھے تو عبداللہ ابن ام مکتوم کو مدینہ میں اپنا خلیفہ مقرر فرمایا تھا، اسی طرح جب غزوہ ذات الرقاع کے لیے آپ تشریف لے گئے تو ابو لبابہ بن عبدالمنذر کو خلیفہ بنایا تھا، غزوۂ تبوک کے موقعہ پر چونکہ غزوہ میں شرکت کا اعلان عام تھا جس کی وجہ سے بوڑھوں اور عورتوں و بچوں نیز منافقین و معذورین کے علاوہ مدینہ میں کوئی شخص نظر نہیں آتا تھا ایسی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت علی کو خانگی امور کی دیکھ بھال کے لیے اپنا نائب مقرر فرما دیا اس لیے کہ امور خانہ داری کی نگرانی ایسے ہی شخص کو سپرد کی جاتی ہے جو محرم اور پوشیدہ حالات سے واقف ہو تاکہ نگرانی کا کام بحسن وخوبی انجام دے سکے۔ اس روایت سے تو خلافت عامہ بھی ثابت نہیں ہوتی چہ جائے کہ خلافت عامہ بلا فصل کا ثبوت ہو سکے۔[1] ______ شیعہ متکلمین کی عادت ہے کہ اگر کسی مقبول و متداول خبر کو بیان کرتے ہیں تو اس کو اپنے لیے مفید مقصد بنانے کے لیے کسی جملہ یا کلمہ کا اضافہ کر دیتے ہیں یا کوئی حدیث بیان کرتے ہیں کہ جس کا بعض حصہ ان کے خلاف ہوتا ہے اور بعض ان کے موافق، جو حصہ ان کے خلاف ہوتا ہے اس کو ترک کر دیتے ہیں اور موافق حصہ کو استدلال میں پیش کر دیتے ہیں جیسا کہ حدیث غضبِ فاطمہ میں کیا ہے۔ کسی شقی نے حضرت فاطمہ زہرا کو قسمیہ خبر دی کہ حضرت علیؓ نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا ہے حضرت فاطمہؓ یہ بات سن کر بہت ناراض ہوئیں جس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ناراض ہوئے چنانچہ آنحضرت صلعم مسجد نبوی کے ممبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا،

اِنَّمَا فَاطِمَۃُ بِضْعَۃٌ مِّنِّیْ یُرِیْبُنِیْ مَارَابَہَا وَیُؤْذِیْنِیْ مَا آذَاھَا اِلَّا اَنْ یُّرِیْدُ ابنَ اَبِی طَالِب اَنْ یُّطَلِّقَ اِبْنَتِیْ وَیَنْکِحَ اِبْنَتَہُمْ» (جلاء العیون ص۶۲-۶۳)

ترجمہ: فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے جو بات اس کو شک میں ڈالتی ہے وہ مجھ کو بھی شک میں ڈالتی ہے اور جو بات اس کو اذیت دیتی ہے مجھ کو بھی اذیت دیتی ہے مگر یہ کہ ابن ابی طالب میری بیٹی کو طلاق دینے کا ارادہ کرے اور ان کی بیٹی سے نکاح کرے۔[2]

اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ حضرت علی معصوم نہیں تھے ان سے بعض اوقات ایسی خطا بھی سرزد ہو جاتی تھی جس سے آنحضرت صلعم کو اذیت پہنچتی تھی، شیعہ حضرات حدیث کے اس جز کو گول کر جاتے ہیں اور صرف «انما فاطمۃ بضعۃ منی الخ» تک کو نقل کر دیتے ہیں۔

اس حدیث کا خلافت عامہ سے کوئی تعلق نہیں

حدیث «انت منی بمنزلۃ ھارون» کا خلافت عامہ سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے،

---

[1] منہاج السنہ ملخصاً ج۴ ص۸۸ ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص۲۵۹ [2] رواہ الصحیحین بحوالہ المنتقیٰ حاشیہ ص۲۱۳

اس سے خلافت عامہ تو درکنار مطلقاً خلافت بھی ثابت نہیں ہوتی، اس لیے باجماع اہل سیر یہ بات ثابت ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہ کو مدینہ کا گورنر اور سباع بن عرفطہ کو مدینہ کا کوتوال اور ابن ام مکتوم کو اپنی مسجد کا امام مقرر فرمایا تھا اگر حضرت علی رضؓ کی نیابت عامہ ہوتی تو مذکورہ تقرریوں کے کیا معنیٰ؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خلافت محض وقتی اور امور خانہ داری کی نگرانی اور عورتوں نیز بچوں کی دیکھ بھال کے لیے تھی۔

اسمِ جنس کی علم کی طرف اضافت

اہل تشیع کا بیان ہے کہ "بمنزلۃ ہارون" میں اسم جنس کی اضافت علم کی طرف ہے جو کہ عموم پر دلالت کرتی ہے لہذا تمام مناصب کو عام ہوگی تاکہ استثناء صحیح ہو سکے لہذا وہ تمام مراتب جو ہارون علیہ السلام کے لیے ثابت تھے جناب امیر کے لیے بھی ثابت ہوں گے

جواب

اہل تشیع کا یہ دعویٰ کہ اسم جنس جب علم کی طرف مضاف ہوتا ہے تو عموم پر دلالت کرتا ہے قابل تسلیم نہیں ہے بلکہ اصولیین کی یہ تصریح ہے کہ اگر قرینہ نہ ہو تو اضافت تخصیص کے لیے ہوگی، مثلاً غلام زید میں اسم جنس کی اضافت علم کی طرف ہے اور غلام سے خاص غلام مراد ہے نہ کہ عام، البتہ اگر اطلاق کا قرینہ ہو تو بدرجہ مجبوری عموم مراد ہوگا، اگر ایسا نہ ہو تو مندرجہ ذیل امثلہ میں کیا جواب ہوگا؟ رکبتُ فرس زید ۔ لبستُ ثوب زید ، مذکورہ دونوں مثالوں میں اسم جنس علم کی طرف مضاف ہے مگر عموم بالبداہت باطل ہے اس لیے کہ متکلم کا مقصد زید کے ہر گھوڑے پر سوار ہونا اور اس کے ہر کپڑے کو پہننا نہیں ہے۔

مذکورہ حدیث میں "اتخلفنی فی النساء والصبیان" تخصیص کا قرینہ ہے، نیز حضرت علی رضؓ بھی اس استخلاف سے مخصوص استخلاف یعنی امور خانہ داری کے لیے استخلاف سمجھے تھے۔ اور اپنی شجاعت اور بہادری کی وجہ سے یہ بات پسند نہیں تھی کہ دیگر مجاہدین تو میدانِ جہاد میں دادِ شجاعت دیں، اور میں مستورات کی نگرانی اور امور خانہ داری میں مشغول رہوں، چنانچہ جناب امیر نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار "اتخلفنی فی النساء والصبیان" یعنی کیا آپ مجھ کو عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جا رہے ہیں، کہکر فرمایا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو تسلی دی اور فرمایا کہ امور خانہ داری کے لیے استخلاف کوئی توہین اور بے عزتی

نہیں ہے میں نے تم کو امانت داری کی وجہ سے خلیفہ بنایا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنایا تھا۔[1]

استخلافِ ہارونؑ اور استخلافِ علیؓ

اہل تشیع کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کی خلافت کو حضرت ہارون علیہ السلام کی خلافت کے ساتھ تشبیہ دی ہے صرف مرتبہ نبوت کا استثناء فرمایا ہے لہذا مرتبہ نبوت کے علاوہ وہ تمام مراتب جو حضرت ہارون علیہ السلام کو حاصل تھے حضرت علیؓ کو بھی حاصل ہوں گے جن میں مرتبہ امامت بھی شامل ہے۔ حالانکہ زمانہ غیبوبت میں خلافت و نیابت میں مشابہت کے علاوہ کسی چیز میں مشابہت نہیں ہے، حضرت ہارون علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے اور حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی، حضرت ہارون علیہ السلام عمر میں بڑے ہیں اور حضرت علیؓ آنحضرت سے چھوٹے، حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہوا اور حضرت علیؓ کا آنحضرت صلعم سے بعد میں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تنہا تشریف لے گئے تھے اور پوری قوم پر حضرت ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنایا تھا بخلاف غزوہ تبوک کے کہ پوری قوم آنحضرت صلعم کے ہمراہ تھی سوائے عورتوں اور بچوں اور معذوروں کے، نیز حضرت علیؓ کی یہ خلافت بھی عارضی اور وقتی تھی جیسا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی خلافت وقتی اور عارضی تھی یعنی جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام کی خلافت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی تک تھی اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی تک تھی۔

مقید بالوقت خلافت کا ختم ہو جانا معزول کرنا نہیں ہے

اہل تشیع کا یہ کہنا کہ حضرت علیؓ کو غزوہ تبوک کے موقعہ پر خلیفہ بنانا دائمی تھا عارضی ہونے کی صورت میں معزول کرنا لازم آتا ہے جو کہ توہین کی بات ہے، حقیقت یہ ہے کہ جو خلافت زمانہ غیبوبت کے ساتھ مقید ہوتی ہے وہ اصل کے حاضر ہونے پر خود ہی ختم ہو جاتی ہے اس کو عزل نہیں کہتے کہ معزول کی توہین کا سبب ہو،

---

[1] منہاج السنۃ صفحہ ۸۷-۸۸ ج ۴

اگر کوئی شخص " هٰذا بمنزلة هٰذا "، یا هٰذا مثل هٰذا "، یا " هٰذا کھٰذا " کہتا ہے تو تشبیہ الشیئ بالشیئ سیاق کے مقتضیٰ کے اعتبار سے ہوگی، اور یہ تشبیہ من کل الوجوہ بہمہ جہت مساوات کا تقاضہ نہیں کرتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے موقعہ پر بدر کے قیدیوں کے بارے میں صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے فدیہ کا مشورہ دیا اور حضرت عمر فاروق رضؓ نے قتل کا مشورہ دیا تو آپؐ نے فرمایا " مثلک یا ابوبکر مثل ابراھیم اذ قال (فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک غفور رحیم) ومثلک یا عمر مثل نوحؑ اذ قال (رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کو ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عمر فاروق کو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دی ہے آپؐ کا مقصد من کل الوجوہ مماثلت بیان کرنا نہیں ہے بلکہ سیاق کلام جس پر دلالت کرتا ہے اس میں مماثلت بیان کرنا مقصود ہے اور وہ سختی اور نرمی ہے، اسی طرح حضرت علی رضؓ کے بارے میں انت منی بمنزلة ھارون من موسیٰ " میں اس چیز میں تشبیہ ہے جس پر سیاق کلام دلالت کر رہا ہے اور وہ حالت غیبت میں استخلاف ہے اور یہ استخلاف حضرت علی کی خصوصیات میں سے نہیں ہے۔ اور یہ استخلاف مطلق ہے، اگر مذکورہ خلافت کو دائمہ اور عامہ تسلیم کرلیا جائے، جیساکہ اہل تشیع کا دعویٰ ہے تو لازم آئے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد حضرت علی کی خلافت میں ہوں، اور آنحضرت صلعم محکوم اور حضرت علی حاکم اور آنحضرت صلعم مامور اور حضرت علی آمر ہوں (نعوذ باللہ من ذالک) لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

خلافت بلافصل پر حدیث طائر سے استدلال

شیعہ متکلمین نے جن احادیث سے حضرت علی رضؓ کی خلافت بلافصل پر استدلال کیا ہے ان میں سے ایک حدیث طائر بھی ہے، ابن مطہر حلیؔ اپنی مشہور کتاب منہاج الکرامہ میں رقمطراز ہیں، " والثامن خبرُ الطائر روی الجمھور کافۃ ان النبی صلعم اُتِیَ بِطائر فقال (اللھمّ ائتِنی باحب الخلق الیک والیّ یاکل معی من ھذا الطائر فجاء علیؑ [۱]

(۱ منہاج السنۃ ص ۹۹ ج ۴ -)

ابن مطہر حلی بیان فرماتے ہیں کہ تمام علماء جمہور نے روایت بیان کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بھنا ہوا پرندہ لایا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ تو کسی ایسے شخص کو میرے ساتھ اس پرندہ کو کھانے کے لیے بھیج دے جو تیرے اور میرے نزدیک تمام مخلوق سے محبوب ہو فجاء علیؓ فدق الباب فقال انس انّ النبی صلعم علی حاجته فرجع [1] (الخ) چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور دروازہ پر دستک دی حضرت انس رضؓ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی حاجت میں مشغول ہیں چنانچہ حضرت علی واپس تشریف لے گئے۔ آنحضرت صلعم نے پھر اسی طرح دعا فرمائی چنانچہ حضرت علیؓ تشریف لائے اور دروازہ کھٹکھٹایا مگر حضرت انس رضؓ نے آپ کی مشغولیت بتاکر واپس کردیا غرضیکہ یہ عمل تین مرتبہ کیا آخری مرتبہ حضرت علیؓ نے زور سے دستک دی یہاں تک کہ دستک کی آواز آنحضرت صلعم تک پہنچی تو آپؐ نے اندر آنے کی اجازت مرحمت فرمائی، اور فرمایا، تاخیر کیوں کردی؟ حضرت علیؓ نے فرمایا، میں حاضر ہوا تھا مگر انس نے مجھے تین مرتبہ واپس کردیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضؓ سے دریافت فرمایا اے انس تم نے ایسا کیوں کیا؟ انس نے جواب دیا کہ میری خواہش یہ تھی کہ یہ دعا کسی انصاری کے لیے ہو تو آپؐ نے فرمایا، اے انس کیا انصار میں حضرت علی سے کوئی شخص بہتر ہے،، علامہ حلی فرماتے ہیں کہ جب حضرت علی اللہ کے نزدیک تمام مخلوق سے افضل ہیں تو امام بھی وہی ہوں گے۔

جواب شیخ الشیعہ علامہ حلیؔ نے اپنی عادت کے مطابق یہاں بھی جمہور کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے جو کہ جمہور پر کذب وبہتان ہے۔ حدیث طیر کو اصحاب صحاح میں سے کسی نے روایت نہیں کیا اور جن حضرات نے روایت کیا ہے انہی حضرات نے حضرت علی رضؓ کے علاوہ دیگر حضرات کے فضائل کی بہت سی روایتیں بیان کی ہیں حتیٰ کہ حضرت امیر معاویہ کے فضائل میں بھی روایتیں بیان کی ہیں، علماء حدیث کے نزدیک ان میں سے کوئی روایت صحیح نہیں ہے علماء حدیث کے نزدیک حدیث طیر موضوع ہے، حاکم سے حدیث طیر کے بارے میں

---

[1] منہاج السنۃ صفحہ ۹۹ ج ۴

دریافت کیا گیا تو فرمایا "لا یصح"، باوجودے کہ حاکم تشیّع کی طرف مائل ہیں مذکورہ حدیث طیر کے موضوع ہونے کی صراحت کرنے والوں میں حافظ شمس الدین جزری ابو عبداللہ محمد بن احمد دمشقی ذھبی ہیں۔

احبّ الناس الی اللہ اور خلافت حدیث طیر سے شیعہ حضرات یہ بات ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں کہ حضرت علی رض اللہ اور رسول صلعم کے نزدیک محبوب ترین تھے، اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ حضرت علی رض عنداللہ اور عندالرسول احبّ الناس تھے تو اس سے یہ کیسے لازم آتا ہے کہ وہ ریاست و خلافت کے بھی مالک ہوں بہت سے انبیاء عالی مقدار اور اولیاء کبار مخلوق میں اللہ کے نزدیک محبوب ترین تھے مگر ریاست عامہ ان کو حاصل نہیں تھی مثلاً حضرت زکریا، حضرت یحییٰ علیہ السلام وغیرہما،

عقیدہ میں تعارض شیعہ حضرات کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم تھی کہ علی رض اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین ہیں، اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رض کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ نامزد کیا تھا اور مذکورہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت علی کا احب الناس الی اللہ ہونا معلوم نہیں تھا ورنہ آپ عام دعا نہ فرماتے بلکہ حضرت علی رض کا نام لے کر اس طرح فرماتے اے اللہ تو علی کو جو کہ تیرے اور میرے نزدیک محبوب ترین ہیں کھانے میں شریک ہونے کے لیے بھیج۔

حدیث طیر صحیح احادیث کے معارض ہے صحیحین میں ہے "لوکنت متخذاً خلیلاً من الامۃ لاتخذت ابابکر خلیلاً"، اگر میں امت میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا، اسی طرح آپ صلعم سے سوال کیا گیا کہ آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب انسانوں میں کون ہے آپ صلعم نے فرمایا عائشہ پھر سوال کیا مردوں میں کون ہے فرمایا ابوھا، اس روایت سے بھی آپ صلعم کے نزدیک حضرت ابوبکر رض کا حضرت علی سے زیادہ محبوب ہونا معلوم ہوتا ہے۔

حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل پر اہل تشیّع کے عقلی دلائل

پہلی دلیل حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل پر شیعہ حضرات نے بہت سے عقلی دلائل پیش کیے ہیں ان میں سے اکثر ایسے ہیں کہ کوئی بھی سمجھدار آدمی ان کے پیچھے اپنا وقت ضائع کرنا پسند نہیں کرے گا، بلکہ ان کو عقلی دلیل کہنا بھی عقل کی توہین ہے، اہل تشیّع کا دعویٰ ہے کہ امام کے لیے معصوم ہونا ضروری ہے اور حضرت علیؓ کے علاوہ کوئی شخص معصوم نہیں ہے لہٰذا حضرت علی ہی امام ہوں گے نہ کہ کوئی دوسرا۔

جواب حضرت علی نے جب خوارج کا کلام "لا امرۃ" یعنی خلافت کوئی شی نہیں سنا تو فرمایا "لا بد للناس من امیر برٍ او فاجر" یعنی لوگوں کے لیے امیر ضروری ہے خواہ نیک ہو یا بد[1] نیز جناب امیر نے اپنے دوستوں سے فرمایا تھا "لا تلقوا من مقالۃ بحق ومشورۃ بعدل فانی لست بفوقٍ ان اخطئ ولا آمن من ذالک فی فعلی" یعنی تم حق بات کہنے اور انصاف آمیز مشورہ دینے سے باز نہ رہو اس لیے کہ میں خطا اور لغزش سے بالاتر نہیں ہوں اور نہ اپنے فعل میں خطا سے امن میں ہوں[2] ظاہر ہے کہ مذکورہ الفاظ کسی معصوم کی زبان سے نہیں نکل سکتے، اگر حضرت علیؓ کا کہنا واقعہ کے مطابق نہیں تھا تو کذب ہے اور کاذب معصوم نہیں ہو سکتا اور اگر واقع کے مطابق تھا تو حضرت علی نے خود فرما دیا کہ میں معصوم نہیں ہوں بہر حال دونوں صورتوں میں عصمت معدوم ہے۔

جناب امیر کی دعاؤں میں یہ دعا بھی منقول ہے "اللھم اغفرلی ما تقربت بہ الیک ثم خالفہ قلبی" یعنی اے اللہ تو میرے اس عمل کو بخش دے جس سے میں نے تیری قربت تلاش کی پھر میرے قلب نے اس کی مخالفت کی، اس دعا سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جناب امیر معصوم نہیں تھے

دوسری عقلی دلیل امام کے لیے ضروری ہے کہ اس نے زندگی میں کبھی کفر نہ کیا ہو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "لا ینال عھدی الظالمین" میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا، اور کافر ظالم ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "والکافرون ھم الظالمون"

---

[1] نہج البلاغہ بحوالہ ترجمہ تحفہ اثنا عشریہ ص۳۴۸　[2] نہج البلاغہ بحوالہ ترجمہ تحفہ اثنا عشریہ ص۳۴۹

اور جناب امیر کے علاوہ سب نے بت پرستی کی ہے لہٰذا آپ کے علاوہ کوئی دوسرا امام نہیں ہو سکتا۔

جواب امامت کی یہ شرط کسی بھی شیعہ یا سنی نے اپنی کتب کلامیہ میں نہیں لکھی، بعد کے شیعہ علماء نے خلفاء ثلٰثہ کی خلافت سے انکار کے لیے تراشی ہے نہ قرآن میں اس کا ذکر ہے اور نہ حدیث رسول میں اس کی طرف اشارہ، اور یہ بات ظاہر ہے کہ امور شرعیہ دینیہ میں سے کسی امر دینی میں کفر سابق کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ ایمان کے بعد سو سال کا بوڑھا کافر اور وہ جس کی ستر پشتیں اسلام میں گذری ہیں بحیثیت مومن ہونے کے دونوں برابر ہیں۔

شیعہ حضرات کا ”لاینال عھدی الظالمین“ سے استدلال کرنا مغالطہ کے علاوہ مضحکہ خیز بھی ہے، اس لیے کہ آیت کا تو صرف مقصد یہ ہے کہ ریاست شرعیہ ظالم کو نصیب نہیں ہے اس لیے کہ عدالت، امامت کبریٰ، قضاء، احتساب اور امارت شرعیہ میں شرط ہے تاکہ ان منصبوں پر فائدہ مرتب ہو، اس لیے کفر وظلم اور امامت میں منافات ہے اور دو منافی چیزیں ایک ذات میں ایک وقت میں جمع نہیں ہو سکتیں نہ کہ دو وقتوں میں چنانچہ تمام اہل سنت کا مذہب یہی ہے کہ بوقت امامت امام کو چاہیے کہ مسلمان ہو، عادل ہو نہ یہ کہ امامت سے پہلے کفر وظلم نہ کیا ہو یہی وجہ ہے کہ جو شخص پہلے کفر میں مبتلا رہا ہو یا ظالم پیشہ رہا ہو ایمان کے بعد اس کو کافر او رظالم کہنا نہ شرعاً درست ہے نہ عرفاً اور نہ لغۃً

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے بت کو کبھی سجدہ نہیں کیا

ابو الحسن زاہد نے معالی العرش الی معالی الفرش میں ایک طویل روایت میں کہا ہے ”ان ابا بکر رضؓ قال للنبی صلعم بحضر من الانصار والمھاجرین، وعیشک یارسول اللہ انی لم اسجد لصنم قطّ فنزل جبرئیل علیہ السلام وقال صدق ابوبکر“ ابوبکر صدیق نے انصار و مہاجرین کے مجمع میں آپؐ سے فرمایا، یارسول اللہ قسم ہے آپ کی عمر کی میں نے کبھی بت کو سجدہ نہیں کیا، حضرت جبرئیل نازل ہوئے اور فرمایا ”ابوبکر نے سچ فرمایا“، اہل سیر و تواریخ نے بھی حضرت ابوبکر رضؓ کے حالات میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر نے کبھی بت کو سجدہ نہیں کیا، لہٰذا اگر شیعہ حضرات کی کفر سابق کے عدم کی خود ساختہ شرط کو تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی خدا کا شکر ہے کہ اس شرط کی رو سے بھی حضرت

ابوبکر کی صحت امامت پر اجماع ہوا ہے ، (ہدیہ مجیدیہ ترجمہ صفحہ ۳۵)

خلفاء ثلثہ کی خلافت کے قرآنی اشارات

آیتِ استخلاف استخلاف کے معنی خلیفہ بنانا ، جانشین مقرر کرنا ، عرف میں بادشاہ بنانا کتاب اللہ اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاں کہیں بھی خلیفہ کا لفظ ارض کے ساتھ آیا ہے عرفی معنی مراد ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ، یا داؤد انا جعلناک خلیفة فی الارض ، اے داؤد ہم نے تم کو بادشاہ بنایا قرآن کریم میں سورہ نور میں ایک آیت ہے جو آیتِ استخلاف کہلاتی ہے ، یہ ہے

وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امناً یعبدوننی لا یشرکون بی شیئاً ومن کفر بعد ذلک فاولئک ھم الفاسقون ،

وعدہ کیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ کیے کہ انہیں زمین میں ضرور بالضرور خلیفہ بنائے گا جب کہ اس نے ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو پہلے گذر چکے اور ان کے دین کو ضرور بالضرور قوت دے گا وہی دین جسے اللہ نے ان کے لیے پسند کیا ہے اور ان کے خوف کے بدلہ میں ان کو ضرور بالضرور امن دے گا ، وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گے اور جو اس کے بعد کفر کریں وہ فاسق ہیں ،

آیت کی تشریح بصورت سوال و جواب

سوال :۔ آیت میں اللہ تعالیٰ نے کس چیز کا وعدہ کیا ہے ۔ ؟

جواب :۔ اس آیت میں تین چیزوں کا وعدہ کیا گیا ہے (۱) خلافت ارضی عطا کرنے کا (۲) دین اسلام کو قوت دینے کا (۳) خوف کو امن سے بدلنے کا ،

سوال :۔ کیسی خلافت دینے کا وعدہ کیا گیا ہے ، ؟

جواب :۔ ویسی خلافت دینے کا وعدہ کیا گیا ہے جیسی امت محمدیہ سے پہلے بنی اسرائیل کو دی تھی

سوال: ۔ خلافت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے کن لوگوں سے کیا ہے ۔ ؟

جواب: ۔ خدا نے یہ وعدہ ان مومنین صالحین سے کیا ہے جو اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھے

سوال: ۔ اس خلافت و حکومت کے ملنے سے مسلمانوں کا کیا فائدہ ہوگا ؟

جواب: ۔ مومنین کے پسندیدہ دین کو قوت اور قدرت حاصل ہوگی اور حالت خوف دور ہو کر امن حاصل ہوگا ، اور کسی کو خدا کا شریک کیے بغیر بے دھڑک خدا کی عبادت کرتے رہیں گے ۔

سوال ۳ سے یہ بات بخوبی معلوم ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے حکومت دینے کا وعدہ صرف انہی اشخاص صالحین سے کیا ہے جو بوقت نزول آیت موجود تھے ، لفظ "منکم" کا اضافہ اسی مقصد کو ظاہر کرنے کے لیے کیا گیا ہے اس حصر کی موجودگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تیس سال تک کی خلافتیں بھی اس وعدہ میں داخل ہیں ، یہی وہ تیس سالہ زمانہ ہے جو بعقیدہ اہل سنت خلافت راشدہ کہلاتا ہے ، اس کے بعد کی تمام حکومتیں خواہ وہ بنو امیہ کی ہوں یا بنو عباس کی یا سلاطین مصر و سلاجقۂ روم کی ، آیت کے مصداق موعود سے خارج ہیں ۔

اس وعدہ خداوندی میں ایک پیشین گوئی مضمر ہے کہ مومنین صالحین موجودین کو اللہ تعالیٰ ایسی حکومت اور سلطنت عطا فرمائے گا جو سلطنت اسرائیل کے مانند ملک عظیم کی تعریف میں داخل ہوگی "وآتیناھم ملکا عظیما" ، اگر اس پیشین گوئی کا ظہور واقعاتی طور پر ہوا ہے تو وہ کون لوگ ہیں جو وعدۂ الہٰی کے ظہور کے وقت خلیفہ قرار پائے ، اور امت محمدیہ کو ان کی خلافت سے پیشین گوئی کے مطابق مستفید ہونے کا موقع ملا آیت شریفہ زیر بحث میں خداوند عالم نے مسلمانوں کی اس موعودہ خلافت کو بنی اسرائیل کی خلافت کے مماثل ظاہر فرمایا ۔ (کما استخلف الذین من قبلھم میں اسی طرف اشارہ ہے ، بنی اسرائیل میں تو نبی ہی خلیفہ ہوتا تھا ، مگر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلہ نبوت ختم ہو چکا ہے لہٰذا آپ کے بعد علماء امت میں سے ہی خلفاء ہوں گے ، اسی لیے علماء امت نے تصریح کی ہے کہ جو خلافت پیش گوئی کے مطابق قائم ہوئی وہی خلافت علیٰ منہاج النبوت یا بالفاظ دیگر خلافت راشدہ کہلاتی ہے ، چنانچہ باری تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے اس پیشین گوئی کا ظہور انہی مومنین صالحین کی خلافت راشدہ میں ہوا ، اور ممالک براعظم افریقہ و ایشیا کے بڑے حصہ پر مسلمانوں کا حاکمانہ اقتدار ایسا قائم ہو گیا کہ اس کی نظیر اس وقت کی پوری دنیا میں نہیں

تھی، دنیا کی سب سے بڑی جابر و قاہر حکومتیں روم و فارس تھیں جن کا خاتمہ مجاہدین اسلام نے انہی خلفاء راشدین کی قیادت میں دفاعی جنگوں کے ذریعہ کر دیا تھا، اور دنیا میں کسی حریف و مقابل سے مسلمانوں کو کوئی خوف باقی نہیں رہا تھا، ہر طرف امن و امان تھا، خوف کا نام و نشان نہیں تھا، غرضیکہ آیت مذکورہ میں بیان کردہ تین خصوصیات (۱) حکومتِ ارضی (۲) تمکین دین (۳) قیام امن، اللہ نے اپنے مومنین صالحین بندوں کو تیس ۳۰ سال کی قلیل مدت میں عطا فرما دیں مگر حاسدین و معاندین اور تو کچھ نہیں کر سکتے تھے اپنے جلے دل کے پھپھولے یہ کہکر پھوڑ لیتے ہیں کہ اسلام غارت گری اور خوں ریزی کے لیے نہیں آیا، مطلب یہ کہ خلفاء راشدین کے یہ مجاہدانہ کارنامے غارت گری اور ناجائز خوں ریزی کی تعریف میں داخل اور اسلام کی رسوائی کے موجب ہیں، الغرض مخالفین اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جس قسم کے اعتراضات آئے دن کرتے رہتے ہیں وہی اعتراضات معاندین خلفاء راشدین پر کرتے رہتے ہیں، بلکہ غیروں کو اعتراضات کا مواد اور مسالہ بھی یہی لوگ فراہم کرتے ہیں، اگر شیعہ حضرات کی نظر میں خلفاء ثلثہ کی خلافت غارت گری اور ظالمانہ خوں ریزی تھی اس کو جہاد نہیں کہا جا سکتا اس لیے کہ بقول امام باقرؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد چار اشخاص، علیؓ ابن ابی طالب، مقداد، سلمان فارسی، اور ابوذر کے علاوہ تمام صحابہ مرتد ہو گئے تھے [1] اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمانہ خلافت کی تمام کارروائیاں ناجائز اور اس میں حاصل ہونے والا تمام مال حرام اور ناجائز تھا، اور اس غارت گری اور خوں ریزی میں شریک ہونے والے تمام صحابہ بشمول حضرت علی ظالم و جابر تھے اور جو مال ان جنگوں میں حاصل ہوا وہ حرام اور ناجائز تھا اور جن حضرات نے اس مال میں حصہ لیا انہوں نے گویا کہ مال حرام حاصل کیا، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں جب ایران فتح ہوا تو ایران کی شہزادی شہر بانو قید ہو کر آئیں اور بقول شیعہ حضرات لوٹ اور غارتگری کا مال جب تقسیم ہوا تو شہر بانو حضرت حسین بن علی رضؓ کے حصہ میں آئیں اور ان سے حضرت حسین رضؓ کی اولاد بھی ہوئی جن میں شیعہ حضرات کے چوتھے امام علی بن حسین المعروف بزین العابدین بھی ہیں اگر

---

[1] ترجمہ حیات القلوب حصہ دوم صفحہ ۹۲۳، ملا باقر مجلسی،

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت ناجائز تھی تو ان کا جہاد بھی ناجائز تھا اس لیے کہ مرتد اور کافر کی قیادت میں جہاد جو کہ ایک خالص اسلامی فریضہ ہے جس کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہے ادا نہیں ہو سکتا جب بقول اہل تشیع حضرت عمرؓ کی برپا کردہ لڑائی جہاد نہیں بلکہ غارت گری تھی تو ظاہر ہے کہ اس میں حاصل ہونے والا مال بھی ناجائز اور حرام ہو گا جس میں وہ باندی شامل ہے جو حضرت حسینؓ کے حصہ میں آئی تھی، لہٰذا حضرت حسینؓ کا اس باندی کو قبول کرنا اور اپنے مردانہ تصرف میں رکھنا سب ناجائز ہو گا اب آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس باندی کی اولاد کیسی ہوگی؟ اب شیعہ حضرات ذرا غور فرمائیں کہ خلفائے ثلٰثہ کی خلافت کو ناجائز کہنے سے بات کہاں سے کہاں تک پہنچی[1]

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی ۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

آیت استخلاف اور شیعی نقطۂ نظر

زمانہ قریب کے ایک مشہور شیعہ فاضل[2] نے ایک مبسوط اور ضخیم کتاب خلافت الٰہیہ کے نام سے تحریر فرمائی ہے موصوف مذکورہ کتاب کے صفحہ ۳۲۲ ج ۳ پر آیت استخلاف پر تفصیلی بحث کے دوران تحریر فرماتے ھیں:

اول یہ وعدۂ خدا ہے، دوم یہ وعدہ امت محمدیہ میں سے مومنین صالحین سے ہے طالحین غیر صالحین اس سے خارج ہیں سوم یہ کہ خلیفہ فی الارض یعنی پوری زمین کے خلیفہ ہوں گے نہ کہ کسی ایک ملک یا کسی ایک براعظم یا ایک جزیرے کے۔

جناب سبطین صاحب کے بیانات کا نہایت مختصر جواب یہ ہے کہ اول اور دوم یعنی یہ کہ یہ وعدۂ خدا ہے اور یہ کہ یہ وعدہ مومنین صالحین سے کیا گیا ہے تسلیم ہے امر سوم میں خلیفہ فی الارض ہونا تو تسلیم ہے مگر موصوف کی یہ صراحت تسلیم نہیں کہ یہ حکومت تمام روئے زمین پر اس طرح قائم ہو گی کہ ایک چپہ بھی روئے زمین کا باقی نہ رہے گا اس کی کیا دلیل ہے؟ دوسرے مقام پر قرآن میں فرمایا گیا ہے "ان الارض للہ یورثھا من یشاء"، تو کیا موصوف کے نزدیک اس کا یہ مطلب ہے کہ زمین کے چپہ چپہ پر بلا استثناء یہ حکومت قائم ہو گی، کسی شیٔ کے اجمالاً بیان سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ اس شیٔ کا فرد کامل ہی مراد ہو، بلکہ کل کے کسی ایک جز پر بھی اس کا اطلاق قطعاً

---

[1] تاریخ ادبیات ایران بحوالہ الشیعہ والسنہ ص۵۵ [2] علامہ سید سبطین پروفیسر گورنمنٹ کالج لدھیانہ

جائز ہے اور روزمرہ کے محاورات میں داخل ہے، اگر کسی شخص سے سوال کیا جائے کہ آج تو نے قرآن پڑھا تھا یا نہیں، اس نے جواب دیا ہاں پڑھا تھا تو کیا یہاں قرآن پڑھ لینے کے یہی معنیٰ مراد لیے جائیں گے کہ اس نے پورا قرآن پڑھا تھا، لہٰذا موصوف کی توجیہ قابل قبول نہیں ہو سکتی، البتہ یہ بات تسلیم ہے کہ یہ خلافت اور حکومت بنی اسرائیل کی حکومت کے مشابہ ہو گی، جس کو قرآن میں "وآتیناھم ملکا عظیما"، سے تعبیر کیا گیا ہے، اور بات ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کی یہ عظیم حکومت بھی تمام روئے زمین پر نہیں تھی اور اسی حکومت اسرائیلہ سے حکومت اسلامیہ کو تشبیہ دی گئی ہے، لہٰذا جیسی عظیم حکومت بنی اسرائیل کو ملی تھی ویسی ہی مسلمانوں کو خلفاء راشدین کے زمانہ میں ملی تھی بلکہ عام حالات میں مشبہ مشبہ بہ سے کم ہوتا ہے۔

علامہ موصوف اپنی مذکورہ کتاب کے صـ۳۳ پر تحریر فرماتے ہیں کہ یہ خدائی وعدہ صرف قرن اول کے مسلمانوں سے نہیں تھا بلکہ مطلقاً اسلام سے تھا اور ہے، اور منکم کے مخاطب تمام اہل اسلام تا قیامت ہیں، اور آج ہم بھی اس کے مخاطب ہیں کہ تم میں سے تم پر ہم خلیفہ بنائیں گے ہم میں سے ہم پر آج کون خلیفۂ خدا ہے؟ لہٰذا سوائے مہدی منتظر کے اور کوئی خلیفہ ثابت نہیں ہو سکتا

جواب مختصراً عرض یہ ہے کہ اگر "منکم"، کو مطلق مان کر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ قیامت تک کے مسلمانوں سے خطاب ہے تو اس خطاب کے مخاطب قرن اول کے مسلمان ہیں یا نہیں اگر نہیں ہیں تو اس کی کیا دلیل ہے، بلکہ مخاطبین سے کوئی ایسا وعدہ کرنا کہ جس میں مخاطبین موجودین کا ایک فرد بھی شامل نہ ہو اور ہزاروں بلکہ لاکھوں سال بعد کے لیے حاضرین کو خوشخبری سنائی جائے تو حاضرین کو اس بشارت سے کیا خوشی ہو گی؟ اگر آیت زیر بحث کے مخاطب نزول آیت کے وقت کے مسلمان مراد نہیں ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کو "منکم فرمانے کی کیا ضرورت تھی یہ تو حشو قبیح ہے جس کی وجہ سے مطلب ہی خبط ہو رہا ہے یہ تو معمولی انسان کے کلام میں بھی عیب ہے چہ جائے کہ قرآن میں جو کہ اعجاز کے اقصیٰ مراتب پر فائز ہے،

زمانۂ حال کے ایک شیعی محقق و مناظر اپنی تصنیف الوار امامت صـ۱۰ پر تحریر فرماتے ہیں "ہر گز ہر گز یہ دشمنان رسول اور اعدائے دودمانِ رسول (اہل سنت) اس کے لیے راضی نہیں ہو سکتے کہ آیتِ استخلاف کے وعدہ کی تکمیل بعہد رسول مقبول تسلیم کریں، یہ محض اس لیے کہ ان

کی مفروضہ خلافت ناراشدہ مغصوبہ میں جو فرضی چار چاند لگائے گئے ہیں کہیں وہ نہ چھٹ جائیں، تمام ملک عرب اس رسولؐ کے زمانہ میں فتح ہوگیا تھا کوئی خطرہ یہود و کفار مشرکین و نصاریٰ کی طرف سے باقی نہیں رہا تھا، امن قائم ہوگیا تھا، مگر پھر بھی یہ دشمنان رسول و اہل بیت رسول آیت استخلاف کو زمانۂ نبوت سے اس لیے مخصوص نہیں کرتے کہ کہیں ان کے خود ساختہ خلفاء غاصبین و منافقین کی مصنوعی عزت و شان میں کوئی بٹہ نہ لگ جائے، ایسا عقیدہ رکھنے والوں کا ایمان قرآن پر کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے کیوں کہ اس عقیدہ سے رسول مقبولؐ کی شان میں سخت بے ادبی اور گستاخی لازم آتی ہے اور ماننا پڑتا ہے کہ رسول مقبول اپنے تبلیغی مشن میں سخت ناکام ہوئے اور ان کے خلفاء ناراشدین نے ایسے ایسے کام کر دکھائے جو رسولؐ اپنی مدت العمر بھی انجام نہ دے سکتے تھے [۱]

الجواب موصوف کی آتش بیانی بلکہ بدزبانی کا مختصر جواب یہ ہے کہ موصوف نے اس بات پر پورا زور صرف کیا ہے کہ آیت استخلاف میں بیان کردہ وعدۂ الٰہی کی تکمیل آنحضرت صلعم کے عہد مبارک میں ہوگئی، تعجب ہے !!! کہ موصوف کو اپنے ائمۂ معصومین کا اجماعی عقیدہ بھی معلوم نہیں ہے، موصوف کے مفروضہ ائمۂ معصومین کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ آیت استخلاف میں بیان کردہ وعدہ امام منتظر صاحب الامر کے ظہور پر ہی قرب قیامت میں پورا ہوگا اگر کسی کو ہمارے اس بیان کا یقین نہیں ہے تو شہید ثالث جناب قاضی نور اللہ شوشتری کی مشہور و معروف کتاب احقاق الحق کی عبارت ملاحظہ فرمائیں

وبالجملة ان تمكين الدين على وجه الذي دل عليه منطوق الآية وسياقها لم يحصل فى عهد رسول الله صلعم ولا فى عهد من الصحابة الى يومنا هذا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:	عبارت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ آیت میں تمکین دین کا جو وعدہ کیا گیا ہے وہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں پورا نہیں ہوا، اور نہ آج تک کسی صحابی کے زمانہ میں حاصل ہوا بلکہ آخری زمانہ میں قیامت کے قریب امام مہدی موعود کے زمانہ میں حاصل ہوگا۔

فتعين ان المراد انجاز ذلك الوعد عند ظهور الموعود الذى سيظهر

---

[۱] الزار امامت صفحہ ۱۰۱-۱۰۸

باذن اللّٰہ تعالیٰ فی آخر الزمان من اولاد علی رضی اللّٰہ عنہ

شیعہ حضرات کے سلطان العلماء مولانا سید محمد صاحب اپنی مایۂ ناز کتاب ”بوارق“ میں ائمہ معصومین کا اجماع بایں الفاظ نقل فرماتے ہیں، ”بداں کہ اجماع اہل بیت منعقد شدہ برایں کہ مراد از آیت اہل بیت وشیعان آنحضرت ؐ اند در زمان رجعت ظہور حضرت صاحب العصر،

یعنی اہل بیت کا اس بات پر اجماع منعقد ہو گیا ہے کہ آیت استخلاف سے مراد امام مہدی کے ظہور کے زمانہ کے اہل بیت اور شیعہ ہیں، ـــــــ مذکورہ صراحتوں کی موجودگی میں اس بات میں کسی کو شبہ ہو سکتا ہے کہ شیعوں کے ائمہ معصومین کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ آیت استخلاف میں بیان کردہ وعدہ امام مہدی صاحب الزمان کے ہاتھ پر قیامت کے قریب پورا ہوگا، اس کے برخلاف محقق قمقام صاحب ”الوار امامت“، کو اس بات پر اصرار ہے کہ آیت میں مذکورہ وعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پورا ہو چکا اور جو لوگ یہ عقیدہ نہیں رکھتے وہ سخت گستاخ اور بے ایمان ہیں ـــــــ اب جناب قمقام صاحب اپنے بیان کی روشنی میں ائمہ معصومین پر کیا فتویٰ صادر فرمائیں گے۔

الغرض شیعہ حضرات کو کسی بات پر قرار و قیام نہیں ہے ان کا مقصد اصلی صرف یہ ہے کہ کسی طرح دور از کار تاویلات بلکہ تسویلات سے خلفاء راشدین کے کارناموں پر پانی پھیر دیا جائے

خدا کی قدرت

خدا کی قدرت دیکھیے کہ شدید مخالفین ومعاندین کے قلم سے بھی خدائے علیم القدیر نے یہ لکھوا دیا کہ درحقیقت آیت استخلاف میں فاتحین روم و فارس کا ذکر ہے اور (وعد الذین آمنوا منکم الخ) کی بشارت عظمیٰ کی تکمیل الٰہی فاتحین روم و فارس کے مقدس ہاتھوں پر ہوئی اور یہ وہی خلفاء راشدین ہیں جن کو شیعہ حضرات مرتد غاصب ظالم وغیرہ کے القاب سے نوازتے ہیں۔

علامہ طبرسی اور آیت استخلاف

شیعوں کے امام المفسرین علامہ طبرسی تفسیر مجمع البیان میں آیت زیر بحث کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں ”لیستخلفھم فی الارض“ و المعنی لیورثھم ارض الکفار من العرب والعجم“، یعنی اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ کفار کے ممالک عرب وعجم کا مالک اللہ تعالیٰ انہی کو بنائے گا۔ آپ خود ہی غور فرمائیں کہ روم و فارس وغیرہ کے یہ ممالک سوائے خلفاء راشدین کے کس نے فتح کیے؟۔

فتح اللہ کاشانی اور آیت استخلاف

ایک نامی گرامی شیعہ مفسر علامہ فتح اللہ کاشانی اپنی مشہور تفسیر "خلاصۃ المنہج" میں تحریر فرماتے ہیں " در اندک زمانے حق تعالیٰ بوعدہ مومناں وفا نمود و جزائر عرب و دیار کسریٰ و بلاد روم بدیشاں ارزانی فرمود "، یعنی جو وعدہ خدا نے مومنین سے اس آیت میں کیا تھا وہ تھوڑے ہی زمانے میں پورا کر دیا اور جزائر عرب و دیار کسریٰ اور بلاد روم ان مسلمانوں کو عنایت فرما دئے، آپ نے دیکھا کتنی وضاحت سے یہ مفسرین مقبولین شیعہ وعدہ استخلاف کی تکمیل بزمانۂ خلفائے راشدین اہل سنت تسلیم کرتے چلے آ رہے ہیں،

خلاصۂ کلام

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آیت استخلاف میں (منکم) کی قید نے موعودہ خلافت کا حصہ انہی مومنین صالحین میں کر دیا ہے جو نزول آیت کے وقت بقید حیات تھے، نہ تو اس بشارت کا ظہور عہد نبوی میں ہوا اور نہ امام مہدی کے زمانہ میں ہوگا، شیعہ حضرات کی یہ روایت کہ آیت میں مذکور بشارت کا ظہور امام مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں ہوگا یہ سراسر درایت کے خلاف ہے ــــ کون شخص باور کر سکتا ہے کہ رسولؐ کے زمانہ میں "منکم" کی صراحت کے ساتھ ایک ایسے ملک کی بشارت دی جا رہی ہے جو نہ معلوم کتنے ہزار بلکہ کتنے لاکھ سال بعد امام مہدی کے زمانے میں فتح ہوگا، بھلا ایسی بے محل کسی بشارت کا کہ جس کا کوئی تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصرین سے نہ ہو کلام الٰہی میں کیوں ذکر کیا جاتا، یہ کوئی خوشخبری حاضرین موجودین کے لیے ہرگز شمار نہیں ہو سکتی اور نہ ان کو اس موعودہ انعام الٰہی کا منتظر ہی بنانا قرین عقل و قیاس ہو سکتا ہے یہ سراسر ایک نہایت کمزور توجیہہ ہے جو حسب عادت شیعہ متکلمین نے محض خلفاء راشدین کی عداوت کے سلسلہ میں وضع کی ہے

خلفاء ثلٰثہ کے احادیث میں اشارات

(۱) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بینما انا نائم رأیتنی علیٰ قلیب علیہا دلو فنزعت منہا ما شاء اللہ ثم اخذہا ابن ابی قحافہ فنزع منہا ذنوبًا او ذنوبین وفی نزعہ ضعف واللہ یغفرلہ ثم استحالت غربًا فاخذہا ابن الخطاب فلم ار عبقریًا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حالت نوم میں تھا میں نے خواب میں خود کو ایک کنوئیں پر دیکھا اس کنوئیں پر ڈول بھی تھا میں نے اس کنوئیں سے جس قدر خدا نے چاہا ڈول نکالے، پھر اس ڈول کو ابوبکرؓ نے لیا ایک ڈول بلکہ دو ڈول نکالے مگر ان کے نکالنے میں ضعف تھا اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے پھر وہ ڈول بڑا ہو گیا اور اس کو عمرؓ نے لیا

من الناس ینزع نزع عمر حتی ضرب الناس بعطن (اخرجہ الشیخان والترمذی) میں نے کسی بھی زورآور شخص کو ایسا نہیں دیکھا کہ وہ عمر کی طرح زور و طاقت سے کھینچتا ہو یہاں تک کہ لوگ سیراب ہو گئے اس حدیث کو شیخین اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔

ہر وہ شخص جس کو خدا نے عقل و بصیرت کا ادنیٰ حصہ بھی عنایت فرمایا ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ آنحضرت صلعم کو وحی خفی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے شیخین کی خلافت کی طرف واضح اشارہ فرمایا ہے،

(۲) ابوداؤد نے حضرت ابوبکر صدیق سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک ترازو آسمان سے اتری اس میں آپ اور ابوبکر وزن کیے گئے تو آپ وزنی رہے، اس کے بعد ابوبکر و عمر وزن کیے گئے تو ابوبکر وزنی رہے اس کے بعد عمر اور عثمان وزن کیے گئے تو عمر وزنی رہے اس کے بعد وہ ترازو اٹھالی گئی اس خواب کو سنکر ترازو کے اٹھ جانے سے آپؐ کو رنج ہوا اور آپؐ نے فرمایا یہ خلافت نبوت ہے اس کے بعد خدا جس کو چاہے گا بادشاہ بنائے گا

(۳) عن جبیر بن مطعم قال اتت نبی اللہ صلعم امراۃ کلمتہ فی شیئ فامرھا ان ترجع الیہ قالت یا رسول اللہ صلعم ارئیت ان جئت ولم اجدک کانھا ترید الموت قال فان لم تجدینی فاتی ابا بکر۔ جبیر ابن مطعم سے روایت ہے کہ ایک عورت آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے کسی معاملہ میں آپ سے گفتگو کی، آپؐ نے فرمایا پھر آنا اس عورت نے کہا اگر میں آپؐ کو نہ پاؤں اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر آپ کا انتقال ہوجائے تو کس کے پاس آؤں تو آپؐ نے فرمایا ابوبکر کے پاس آنا۔ الحدیث کو بخاری مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

(۴) آپؐ نے فرمایا، لقد ھممت او اردت ان ارسل الی ابی بکر وابنہ واعھد ان یقول القائلون او یتمنی المتمنون ثم قلت یابی اللہ ویدفع المؤمنون او یدفع اللہ ویابی المومنون۔ (رواہ البخاری) آپؐ نے فرمایا میں نے ارادہ کیا کہ ابوبکر اور ان کے بیٹے کو بلاؤں اور عہد و پیمان کر دوں تاکہ کل کو بولنے والوں کو کچھ گنجائش نہ رہے اور کسی تمنا کرنے والے کو تمنا نہ رہے پھر میں نے سوچا کہ اللہ اور اہل ایمان سوائے ابوبکر کے اور کسی کے روادار نہ ہوں گے، بخاری اور مسلم کی دوسری روایت میں اعھد کی بجائے اکتب کتابا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ ابوبکر کی خلافت کے لیے لکھوانا چاہتے تھے، مگر یہ خیال

کر کے کہ خدا اور مسلمانوں کو اس کے علاوہ کوئی پسند نہ آئے گا آپ خاموش ہو گئے اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ مرض الموت کے وقت آپ نے جو قلم و دوات طلب فرمایا تھا اور بقول شیعہ حضرت عمر مانع ہوئے تھے، خلافت صدیقی کی کتابت منظور تھی، نہ معلوم شیعہ حضرات کیوں برا مانتے ہیں اگر شکایت ہو تو سنی صدیقیوں کو ہونی چاہیے۔

(۵) اخرج ابن سعد عن الحسن رض قال قال علی رض لما قبض رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نظرنا فی امرنا فوجدنا النبی م قد قدّم ابابکر فی الصلوٰۃ فرضینا لدنیانا عن من رضیٰ رسول اللّٰہ صلعم لدیننا فقدمنا ابابکر۔

حضرت علی رض نے فرمایا ہم نے اپنے معاملہ میں غور کیا اور ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا کہ آپ نے ابوبکر کو نماز میں امام بنایا لہذا ہم دنیاوی امور میں اس شخص سے راضی ہو گئے، جس سے آپ امر دین میں راضی ہو گئے۔

(۶) قال البخاری فی ماتحتہ۔ روی بن جمہان عن سفینۃ ان النبی صلی اللّٰہ وسلم قال لابی بکر وعمر وعثمان ھؤلاء خلفاء من بعدی

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں سفینہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر وعمر، وعثمان میرے بعد خلفا رہیں۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

اخرجہ ابن حبان۔ عن سفینۃ لما بنی النبی صلعم المسجد وضع فی البنا حجرا وقال لابی بکر ضع حجرک الی جنب حجری ثم قال لعمر ضع حجرک الی جنب حجر ابی بکر ثم قال لعثمان ضع حجرک فی جنب حجر عمر ثم قال ھولاء خلفاء بعدی

ابن حبان نے سفینہ رض سے روایت کیا ہے کہ جب آنحضرت صلعم نے اپنی مسجد کی بنیاد رکھی تو آپ نے ایک پتھر اس کی بنیاد میں رکھا اور حضرت ابوبکر سے فرمایا میرے پتھر کے برابر اپنا پتھر رکھو پھر حضرت عمر رض سے کہا کہ ابوبکر کے پتھر کے برابر اپنا پتھر رکھو پھر عثمان سے کہا تم اپنا پتھر عمر کے پتھر کے برابر رکھو پھر آپ نے فرمایا کہ میرے بعد یہ میرے خلفاء ہیں

مذکورہ روایات سے ہر وہ شخص کہ جس کو عقل وخرد کا ادنیٰ بھی حصہ نصیب ہوا ہے سمجھ سکتا ہے کہ خلفاء کی خلافت کے ایسے اشارے موجود ہیں جو کہ صراحت کے قریب ہیں

(۱) حضرت علی اور ابوبکر

اخرج البخاری عن محمد بن علی بن ابی طالب قال قلت لابی ای الناس خیر بعد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال ابوبکر قلت ثم من قال عمر و خشیت ان یقول عثمان قلت ثم انت قال وما انا الا رجل المسلمین ۔

ترجمہ :۔ امام بخاری نے محمد بن علی بن ابی طالب سے روایت کی ہے، محمد بن علی نے کہا کہ میں نے اپنے والد علیؓ سے سوال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ فرمایا ابوبکر، میں نے کہا اس کے بعد کون؟ فرمایا عمر، مجھے اس کا اندیشہ ہوا کہ اگر آگے سوال کروں تو فرمادیں عثمان تو میں نے عرض کیا پھر آپ تو حضرت علیؓ نے فرمایا میں تو ایسا ہی ہوں جیسے دیگر مسلمان

(۲) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہ کو جو خط لکھا تھا اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے

بلاشبہ مجھ سے بیعت کی ہے ان لوگوں نے جنہوں نے بیعت کی تھی حضرت ابوبکر و عمر و عثمان سے انہی شرائط پر کہ جن پر ان سے بیعت کی تھی لہٰذا اب نہ حاضر کو اختیار ہے کہ کسی اور کو پسند کرے اور نہ غائب کو کہ میری خلافت رد کرے، خلافت کے مشورہ کا حق مہاجرین و انصار کو ہے وہ اگر کسی شخص پر متفق ہو جائیں اور اس کو امام کہدیں تو وہ اللہ کا پسندیدہ امام ہے، مہاجرین و انصار کے مشورہ سے جو شخص خلاف ہو جائے یا کوئی اعتراض کرے یا نئی بات نکالے تو چاہیے کہ لوگ اس کو واپس لائیں اس بات کی طرف کہ جس سے وہ نکل گیا ہے، اور اگر وہ نہ مانے تو اس سے قتال کریں کیوں کہ اس نے ایمان والوں کی راہ کے خلاف راہ اختیار کی ہے اور اس کو اسی طرف پھیر دیں جس طرف سے وہ پھر گیا ہے، اور قسم اپنی جان کی اے معاویہ اگر تم عقل سے غور کرو خواہش نفس کو دخل نہ دو تو مجھ کو خون عثمان سے بے تعلق پاؤ گے اور یقیناً تم کو معلوم ہو جائے گا کہ میں اس خون سے بالکل بری ہوں [۱]

اس خط میں حضرت علیؓ نے نہایت صراحت کے ساتھ نام لے کر خلفاء ثلٰثہ کی خلافت کے برحق ہونے کی تصریح فرمائی ہے اور اپنی خلافت کے برحق ہونے کے ثبوت میں اس بات کو پیش کیا ہے کہ میرے ہاتھ پر ان لوگوں نے بیعت کی ہے جنہوں نے خلفاء ثلٰثہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، اس خط میں حضرت علی نے یہ بھی فرمایا کہ عقد خلافت کا مشورہ انصار و مہاجرین کا حق ہے جس کو وہ خلیفہ بنا دیں وہ خلیفہ پسندیدہ اور برحق ہے اور یہ بھی لکھا کہ مہاجرین و انصار کے بنائے ہوئے خلیفہ کو جو تسلیم نہ کرے وہ واجب القتل

---

[۱] نہج البلاغہ ص۷

ہے، شیعہ حضرات کو اس سے زیادہ اور کیا صراحت چاہیے حضرت علیؓ کے مذکورہ خط ہی سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ خلافت منصوص نہیں ہے، حضرت علی کا مذکورہ خط نہج البلاغہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے شیعہ حضرات اس بات سے خوب واقف ہیں کہ نہج البلاغہ کی ان کے یہاں کیا حیثیت ہے نہج البلاغہ میں حضرت علی کرم اللہ کے فرمودات اور مکتوبات کا مجموعہ ہے جس کا ایک ایک حرف وحی کا درجہ رکھتا ہے اس لیے کہ شیعہ حضرات کے نزدیک امام معصوم عن الخطاء والنسیان ہوتا ہے وہ جو کچھ کہتا ہے وحی خفی کے ذریعہ کہتا ہے لہذا اس خط میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص مجھے حضرت ابوبکر وعمر پر فضیلت دے گا وہ مفتری ہے میں اسکو کوڑوں کی سزا دوں گا جس طرح افترا کرنے والوں کو سزا دی جاتی ہے[۱] موجودہ شیعہ حضرات کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ حضرت علی کے زمانہ میں نہ ہوئے ورنہ تو انہی کے ہاتھ سے قتل اور کوڑوں کی سزا پاتے ـــــــــ علماء شیعہ متقدمین شیخین کی افضلیت پر متفق ہیں، عبدالجبار ہمدانی نے اپنی کتاب "تثبت بالنبوۃ" میں نقل کیا ہے کہ ابو قاسم نصر بن صباح البلخی نے اپنی کتاب "کتاب النقض علی ابن راوندی" میں لکھا ہے کہ ایک سائل نے شریک بن عبداللہ سے سوال کیا کہ ابوبکر وعلی میں کون افضل ہیں تو شریک نے جواب دیا ابوبکر افضل ہیں تو سائل نے کہا کہ تم شیعہ ہو کر ایسی بات کہتے ہو شریک نے جواب دیا ہاں جو اس کا قائل نہ ہو وہ شیعہ نہیں واللہ حضرت علیؓ اس ممبر پر چڑھے اور فرمایا "الا ان خیر ھذہ الامۃ بعد نبیھا ابو بکر ثم عمر" خوب سن لو نبی صلعم کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابوبکر اور عمر ہیں لہذا ہم حضرت علی کے فرمان کو کیسے رد کر سکتے ہیں اور کیسے ان کی تکذیب کر سکتے ہیں خدا کی قسم حضرت علی کذاب نہیں تھے[۲]

یہ بات تاریخی واقعات سے ثابت ہے کہ حضرت علیؓ کوفہ کی مسجد میں بر سرِ ممبر حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی تعریف فرمایا کرتے تھے، اہل سنت حضرت علیؓ کو نہایت راست گو راست باز اور بہادر سمجھتے ہیں اہل سنت اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ حضرت علی نے بر سرِ ممبر شیخین کی تعریف کرکے کذب بیانی اور دروغ گوئی کا ارتکاب کیا ہوگا اور نہ ہم حضرت علی کو بزدل سمجھتے ہیں

---

[۱] نہج البلاغہ بحوالہ مکتوبات مجدد الف ثانی ج مکتوب ۶۵ دفتر دوم ص ۱۱۳ [۲] تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۱۰

کہ مُردوں سے ڈرکر ان کی تعریف فرمائی ہوگی اہل سنت تو ان کو شیر خدا اور بہادر سمجھتے ہیں شیعہ حضرات ایسے موقعہ پر تقیہ کا داؤ چلاکر بڑی آسانی سے نکل جاتے ہیں مگر بد قسمتی سے یہاں تقیہ کا داؤ بھی نہیں چل سکتا اس لیے کہ کوفہ شیعان علی کا مرکز ہے جناب امیر پر جان چھڑکنے والوں کا مجمع ہے پھر کس کا خوف ہے کہ تقیہ کیا جائے البتہ بقول شیعہ حضرات یہ ہو سکتا ہے کہ جب حضرت علی خلفاء ثلثہ کی زندگی میں اس قدر خوف زدہ تھے کہ اپنا اصل عقیدہ اور مذہب بھی ظاہر نہ کر سکتے تھے، نہایت آسانی سے بقول شیعہ حضرات خلافت چھوڑ بیٹھے، متعہ جیسی مفید اور لذت بخش چیز جس کو بقول شیعہ حضرات حضرت عمر نے حرام کر دیا تھا حلال نہ کر سکے ممکن ہے کہ ان کے انتقال کے بعد بھی دہشت طاری رہی ہو اور ڈر کے مارے برسر ممبر ان کی جھوٹی تعریف کرتے ہوں تو یہ عقیدہ بھی شیعہ حضرات ہی کو مبارک ہو، اہل سنت تو ایک لمحہ کے لیے بھی اس کا تصور نہیں کر سکتے۔

(۴) حضرت علی رضؓ نے حضرت فاطمہ زہراءؓ کے بطن) اپنی صاحبزادی ام کلثوم کو حضرت عمرؓ کی زوجیت میں دیدیا حالانکہ شیعہ عقیدہ کے مطابق حضرت عمر مرتد اور کافر تھے، اگر ایسا ہے تو کیا شیعہ حضرات حضرت علی کی سنت کو زندہ کرکے ثواب دارین حاصل کرنے کے لیے تیار ہیں[1]

---

[1] مجالس المومنین قاضی نور اللہ شوستری، المسالک شرح الشرائع ابو القاسم النقی بحوالہ المرتضیٰ ص۱۹۶

بابت سنہ ۱۴۱۵ھ

پانچواں محاضرۂ علمیہ

برموضوع

ردِّ شیعیت

پیش کردہ

جناب مولانا محمد جمال صاحب

استاذِ تفسیر دارالعلوم دیوبند

فہرست مضامین رد شیعیت

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

قال اللہ تعالیٰ : انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحٰفظون

حاضرین کرام: اس محاضرے کے تین عنوان ہیں (۱) تحریف قرآن (۲) تقیہ (۳) مشاجرات صحابہ

آپ حضرات اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ اسلام کے سرچشمۂ حیات تین ہیں،

(۱) کتاب (۲) سنت (۳) ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم،

آپ حضرات اس بات سے بھی بخوبی واقف ہیں کہ مغربی اقوام خصوصاً یہودیوں نے اسلام کو بیخ وبن سے اکھاڑ دینے کے لیے اسلام اور مسلمانوں کا جتنا مطالعہ کیا ہے ہم نے ان کا اتنا نہیں کیا، مستشرقین نے جاننا چاہا ہے کہ مسلمانوں کی قوت کا راز کیا ہے؟ اور سرچشمۂ حیات کہاں ہے مستشرقین نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کے سرچشمے بند ہو جائیں، وہ طویل مطالعہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ تین ایسی چیزیں ہیں کہ جن میں ہماری قوت کا راز پنہاں ہے تقریب فہم کے لیے ہم انہیں چار کہہ سکتے ہیں غور و فکر کے نتیجے میں انہوں نے رائے قائم کی کہ اگر مذکورہ چاروں سے امت مسلمہ کو بیگانہ کر دیا جائے تو اسلام کا سرچشمہ بند ہو جائے گا اور شہ رگ کٹنے کے بعد امت مسلمہ بے جان ہو جائے گی یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ان چاروں چیزوں کو جو کہ مسلم معاشرہ کی اساس ہے شدید تنقید کا نشانہ بنایا، ان کی تنقیص کی، انہیں مختلف فیہ بنانے کی کوشش کی، انہوں نے اس بات کی پوری جد و جہد کی کہ مذکورہ چیزیں مسلمانوں کے درمیان بحث کا موضوع بن جائیں،

ان چار عناصر میں پہلا عنصر قرآن ہے دوسرا عنصر ذات رسول، اور تیسرا عنصر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ، چوتھا عنصر جہاد فی سبیل اللہ،

قرآن (جو کہ کتاب اللہ اور سرچشمۂ حیات ہے) کے بارے میں ان کی رائے یہ ہے

کہ قرآن کو مقامِ حجیت سے ہٹا کر قابلِ بحث بنا دیا جائے تو اسلام کی جڑ اکھڑ جائے گی، چنانچہ مستشرقین کی کھیپ کی کھیپ اس کام میں منہمک ہونے لگی سیکڑوں ہزاروں اس بات کی کوشش کرنے لگے کہ قرآن کے سلسلہ میں جس طرح بھی ہو ایسی باتیں سامنے لائی جائیں جن سے قرآن حجت اور فرقان رہنے کی بجائے قابلِ بحث بن جائے۔

شیعیت نے مستشرقین کے لیے اس موضوع پر سب سے زیادہ مواد فراہم کیا ہے، اس بات میں ذرہ برابر بھی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ شیعیت یہودیوں کا خود کاشتہ پودا اور صیہونی مقاصد کو پورا کرنے کا نہایت مناسب آلہ ہے۔

قرآن کے بارے میں اہلِ تسنن کا عقیدہ

اسلاف اور اکابر اسلام نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ جو شخص تحریفِ قرآن کا عقیدہ رکھتا ہو وہ اسلام سے خارج ہے،[۱] خازن نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے کہ صحابہ نے قرآن کو اسی طرح جمع کیا جس طرح اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمایا تھا، قرآن یقیناً اسی ترتیب کے مطابق ہے جو لوحِ محفوظ میں ہے[۲]

ابن حزم ظاہری اپنی کتاب الملل والنحل میں فرماتے ہیں، قرآن میں تحریف کا عقیدہ رکھنا صریح کفر اور آنحضرت صلعم کی تکذیب ہے[۳]

قال البغوی فی شرح السنۃ ان الصحابۃ بین الدفتین القرآن الذی انزل اللہ تعالیٰ علی رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم من غیر زیادۃ ونقصان[۴]	امام بغوی رح فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس قرآن کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا بعینہٖ اسی کو کسی کمی بیشی کے بغیر صحابہ کرام نے بین الدفتین جمع کر دیا۔

قد ذکر اہل السنۃ تحت آیت "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون"

---

[۱] الشیعہ والسنۃ ص۱۴۱ از احسان الٰہی ظہیر [۲] تفسیر خازن ص۸/۱ [۳] الملل والنحل ص۱۲۵ ج۴ بحوالہ الشیعہ والسنۃ، [۴] شرح السنۃ بحوالہ الشیعہ والسنۃ ص۱۴۲،

بان القرآن محفوظ عن ای تغییر وتبدیل وتحریف مثلاً یقول :

الخازن فی تفسیرہ ان ذکر الذی انزلناہ علی محمد م لحافظون یعنی من الزیادۃ فیہ والنقصان والتغییر والتبدیل والتحریف فالقرآن العظیم محفوظ من ھذہ الاشیاء کلھا لا یقدر احدٌ من جمیع الخلق من الجن والانس ان یزید فیہ او ینقص منہ حرفا واحداً او کلمۃ واحدۃً وھذا مختص بالقرآن العظیم بخلاف الکتب المنزلۃ [۱]

اہل سنت نے "انا لہ لحافظون" کے تحت ذکر کیا ہے کہ یہ قرآن ہر قسم کی تحریف و تبدیل و تغیر سے محفوظ ہے، مثلاً خازن اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ قرآن کریم جس کو ہم نے محمد صلعم پر نازل کیا ہے ہم اس کی ہر قسم کی کمی بیشی سے حفاظت کرنے والے ہیں لہذا قرآن ان تمام تغیرات سے محفوظ ہے کسی بھی مخلوق کو خواہ جن ہو یا انس اس کی طاقت نہیں کہ اس میں ایک حرف کا بھی حذف و اضافہ کر سکے اور یہ بات قرآن ہی کے ساتھ خاص ہے دیگر کتب سماویہ تحریف سے محفوظ نہیں،

قرآن کے بارے میں اہل تشیع کا عقیدہ

اہل تشیع کا عقیدہ ہے کہ موجودہ قرآن اصلی نہیں ہے اس میں ہر قسم کی تحریف ہوئی ہے، موجودہ قرآن کو بیاض عثمانی کہتے ہیں، ان کا بیان ہے کہ اصلی قرآن کو امام مہدی اپنے ساتھ لے کر سُرَّ مَنْ رَّاٰی کے غار میں روپوش ہیں اور قرب قیامت اس اصلی قرآن کو لے کر ظہور فرمائیں گے، اصول کافی میں جابر سے مروی ہے!

عن جابر قال سمعت ابا جعفر یقول ما ادعی احد من الناس انہ جمع القرآن کلہ کما انزل کذاب وما جمعہ وما حفظہ کما انزلہ اللہ تعالیٰ الا علی بن ابی طالب والائمۃ من بعدہ۔ [۲]

جابر سے مروی ہے کہ میں نے امام محمد باقر سے سنا وہ فرماتے تھے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس نے پورے قرآن کو جس طرح نازل ہوا تھا جمع کیا ہے وہ جھوٹا ہے قرآن کو نزول کے مطابق حضرت علی اور بعدہ ائمہ کے علاوہ کسی نے جمع نہیں کیا

---

[۱] خازن ص ۸۹ ج ۳ بحوالہ الشیعہ والسنہ، [۲] اصول کافی مطبوعہ نولکشور ص ۱۳۹، ۸۱

صاحب جلاء العیون تحریر فرماتے ہیں، ابوبکر نے جناب امیر حضرت علی کو اپنی بیعت کے لیے بلایا جناب امیر نے فرمایا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ میں جب تک قرآن کو جمع نہ کرلوں گھر سے باہر نہ آؤں گا اور چادر دوش پر نہ ڈالوں گا، چند روز کے بعد کلام اللہ ناطق (حضرت علی) نے قرآن کو جمع فرماکر اور جزدان میں رکھکر سربمہر کر دیا اور مسجد میں تشریف لائے اور مہاجرین وانصار کے مجمع میں ندا فرمائی کہ اے گروہ مردماں جب میں پیغمبر آخر الزماں کے دفن سے فارغ ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق قرآن جمع کرنے میں مشغول ہوگیا اور قرآن کی تمام آیتوں اور سورتوں کو میں نے جمع کیا ہے اور کوئی آیت آسمان سے نازل نہیں ہوئی جو حضرت نے مجھے نہ سنائی ہو اور اس کی تاویل کی تعلیم مجھے نہ دی ہو ــــــ چوں کہ اس قرآن میں قوم کے کفر ونفاق اور جناب امیر کی خلافت پر صریح نص تھیں اس وجہ سے عمر نے اس قرآن کو قبول نہیں کیا لہذا جناب امیر خشمناک ہو کر اپنے حجرہ طاہرہ کی طرف تشریف لے گئے اور فرمایا اس قرآن کو تم لوگ تا ظہور قائم آل محمد (امام مہدی) نہ دیکھ سکو گے۔ [1] ان روایات اور اسی جیسی روایات کی وجہ سے اہل تشیع کا عقیدہ ہے کہ قرآن میں ہر قسم کی تحریف ہوئی ہے۔

شیعوں کے مقتدر اور مسلم پیشوا مولوی سید علی الحائری لاہوری اور ان کے نفس ناطقہ مرزا احمد علی امرتسری نے ایک رسالہ اردو "الانصاف فی الاستخلاف" شائع کیا ہے اس کے صفحہ ۱۲۵ پر مرزا موصوف نے موجودہ قرآن کے متعلق اپنا عقیدہ صاف الفاظ میں لکھدیا ہے کہ موجودہ قرآن غلط اور ناقص نیز غیر صحیح الترتیب ہے اور یہ کہ اس طرح کا قرآن (معاذ اللہ) مرزا احمد علی بھی بنا سکتا ہے [2]

اصول کافی میں سالم بن سلمہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر صادق کے سامنے قرآن پڑھا اس قرآن کے ایسے حروف میں نے سنے جو اس قرآن میں نہیں ہیں جس کو آج لوگ پڑھا کرتے ہیں امام صاحب نے اس سے فرمایا ابھی اس قرآن کا پڑھنا بند رکھو، یہی قرآن پڑھا کر جس کو لوگ پڑھتے ہیں جب تک امام مہدی کا ظہور نہ ہو جب وہ تشریف

---

[1] جلاء العیون ص۲۰۳ [2] الانصاف فی استخلاف ص۱۲۵ بحوالہ آفتاب ہدایۃ

لائیں گے تو وہ دوسرا قرآن پڑھیں گے ـــــــــ امام جعفر نے حضرت علی کا لکھا ہوا قرآن نکالا اور فرمایا یہ ہے وہ قرآن جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا تھا، میں نے اس کو برباد ہونے سے محفوظ کر لیا ہے لوگوں نے کہا ہمارے پاس جامع موجود ہے تمہارے قرآن کی ہمیں ضرورت نہیں ہے آپ نے فرمایا بخدا آج کے بعد اس قرآن کو کبھی نہ دیکھو گے مجھے لازم تھا کہ تمہیں اپنے جمع کردہ قرآن سے آگاہ کر دوں تاکہ تم اس کو پڑھو [1]

موجودہ شیعہ حضرات بھی امام غائب کے ساتھ قرآن غائب کا عقیدہ رکھتے ہیں چنانچہ رسالہ ,,نافع،، مصنفہ محسن علی شاہ [2] میں لکھا ہے کہ جناب امیر نے جو قرآن جمع کیا تھا وہ اس وقت شیعہ وسنی دونوں کے پاس نہیں ہے مگر ہے ضرور خواہ کہیں ہو اور لوگوں نے اس کو دیکھا بھی ہے

شیعہ حضرات سے سوال | ہم شیعہ حضرات سے سوال کرتے ہیں کہ جس قرآن کے آپ حضرات قائل ہیں وہ تو مع امام کے غائب ہے اور موجودہ قرآن بقول آپ کے ناقص، محرّف اور غیر صحیح ہے تو پھر آپ کے پاس کون سی کتاب ہدایت ہے جس کی وجہ سے آپ مومن ہیں اور ہدایت حاصل کرتے ہیں،

دوسرا سوال | بقول شیعہ حضرات امام مہدی ۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے اور چار سال کی عمر میں ۲۵۹ھ میں اصل قرآن ہمراہ لے کر غائب ہو گئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر ۲۵۹ھ تک تقریباً ڈھائی سو سال کی طویل مدت تک اصلی قرآن کا صرف ایک ہی نسخہ پوری دنیا میں تھا کہ جس کو امام صاحب اپنے ہمراہ لے کر سرّ مَن رای کے غار میں روپوش ہو گئے جب کہ مذکورہ مدت میں شیعہ حضرات کی حکومتیں بھی قائم ہوئیں نیز اہل تشیّع کو کافی فروغ حاصل ہوا تمام ممالک اسلامیہ میں اہل تشیّع پھیلے ہوئے تھے خصوصاً حضرت علی کا عہد مبارک تو اصلی قرآن کی اشاعت کا نہایت مناسب موقع تھا، اس ڈھائی سو سال کی مدت میں اصلی قرآن کی اشاعت کیوں نہیں کی گئی۔؟

تحریف قرآن اور تفسیر صافی | شیعہ حضرات کے نزدیک معتبر تفسیر ,,صافی،، کے مؤلف

---

[1] اصول کافی ص۲۵۳، ۱۶۹۱ [2] رسالہ نافع ص۳۱

محسن فیض کاشانی متوفی سنہ ۱۰۹۱ھ اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ اہل بیت کے طریقہ سند سے ان تمام احادیث و روایات سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں،

(۱) ہمارے سامنے موجودہ قرآن وہ نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا

(۲) اس کا کچھ حصہ تنزیل کے خلاف ہے (۳) کچھ حصہ تبدیل شدہ اور محرف ہے،

(۴) بہت سی چیزیں نکال دی گئیں ہیں جن میں بہت سے مقامات پر حضرت علی رضؓ کا نام وغیرہ بھی تھا (۵) یہ خدا اور رسول کی پسندیدہ ترتیب نہیں ہے،

مفسر صافی احتجاج طبرسی کے حوالہ سے رقمطراز ہے " اگر میں وہ سب کچھ تیرے سامنے کھول دوں جو قرآن سے نکال دیا گیا ہے تو بات لمبی ہو جائے گی جس کے اظہار سے تقیہ مانع ہے [1]

تحریف قرآن کے عقیدہ کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟

جیسا کہ یہ بات معلوم ہے کہ عقائد شیعہ میں عقیدۂ امامت کی غیر معمولی اہمیت ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا بنیادی عقیدہ کہ جس پر کفر و ایمان نیز جنت و نار کا دار و مدار ہے اس کا ذکر قرآن میں کیوں نہیں ؟ اس کے بر خلاف عقیدہ توحید و رسالت نیز قیامت و آخرت کے مسائل یہاں تک کہ بہت سے مسائل جزئیہ کو قرآن کریم میں سینکڑوں جگہ مختلف عنوانات سے بیان فرمایا گیا ہے آخر ایسا کیوں؟ جب کہ ساتویں امام موسیٰ کاظم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کتابیں اور صحیفے پیغمبروں پر نازل ہوئے ان سب میں حضرت علی کی ولایت اور امامت کا عقیدہ بیان کیا گیا تھا پھر اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید میں جو کہ اسی امت کی ہدایت کے لیے نازل کی گئی ہے اور بقول شیعہ حضرات اسی امت کے حضرت علی رضؓ امام بنائے گئے ہیں، ان کی امامت کا ذکر کیوں نہیں ہے ؟ ——— اسی سوال کے جواب کے لیے تحریف قرآن کا عقیدہ تراشا گیا ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ شیعہ حضرات کے ائمہ معصومین کی ایک دو نہیں بلکہ ہزاروں روایات سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ قرآن مجید میں صدہا جگہ حضرت علی رضؓ کی امامت کو صاف صاف بیان کیا گیا تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جن حضرات نے غاصبانہ طور پر خلافت پر قبضہ کر لیا تھا انہوں نے قرآن میں سے وہ کلمات اور آیات اور سورتیں

---

[1] صافی ص۲۶

نکال دیں کہ جن میں حضرت علی اور ائمہ معصومین کی امامت کا بیان تھا اور ان کے نام بھی مذکور تھے

تحریف کے بارے میں شیعی روایات

سورہ احزاب کے آخری رکوع میں یہ آیت ہے ,, من یطع اللّٰہ ورسولہ فقد فاز فوزًا عظیمًا ،، اس آیت کے بارے میں اصول کافی میں ابو بصیر سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا یہ آیت اس طرح نازل ہوئی تھی ,, ومن یطع اللّٰہ ورسولہ فی ولایۃ علی والائمۃ من بعدہ فقد فاز فوزًا عظیمًا ،، مقصد یہ ہے کہ اس آیت میں حضرت علی اور ان کے بعد کے تمام ائمہ کا صراحت کے ساتھ ذکر تھا لیکن اس آیت سے ,, ولایۃ علی والائمۃ من بعدہ ،، کے الفاظ نکال دیئے گئے [1]

اصول کافی ہی کے اس سے اگلے ہی صفحہ پر امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ,, نزل جبرئیل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھذہ الآیۃ ھکذا یاایھا الذین اوتوا الکتاب آمنوا بما نزلنا فی علیٍّ نورًا مبینا ،، صاحب کافی کی تصریح کے مطابق یہ آیت قرآن میں موجود نہیں ہے اصول کافی صـ۲۶۲ پر ہی امام جعفر صادق ابو بصیر کی روایت ہے ,, عن ابی عبد اللّٰہ علیہ السلام فی قولہ تعالیٰ سأل سائل بعذاب واقع للکافرین بولایۃ علی لیس لہ دافع قال ھکذا نزل بھا جبرائیل علیہ السلام علی محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم مطلب یہ کہ (بولایۃ علی) کے الفاظ آیت سے نکال دیئے گئے ، اصول کافی ہی کے صـ۲۶۷ پر امام باقر کی روایت ہے ,, قال نزل جبرئیل علیہ السلام لی ھٰذہ الآیۃ ھٰکذا ، (یاایھا الناس قد جاءکم الرسول بالحق من ربکم فی ولایۃ علی فآمنوا خیرا لکم وان تکفروا بولایۃ علی فان للّٰہ ما فی السمٰوات وما فی الارض) مطلب یہ کہ اس آیت میں صراحت کے ساتھ حضرت علی کی امامت وولایت کا ذکر تھا اور ولایت وامامت سے انکار پر وعید تھی مگر آیت سے خط کشیدہ الفاظ خارج کر دیئے گئے ،

قرآن کا دو تہائی حصہ غائب کر دیا گیا

عن ھشام بن سالم عن ابی ... ہشام بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ امام

---

[1] اصول کافی صـ۲۶۲

عبد اللّٰہ علیہ السلام قال ان القرآن الذی جاء بہ جبرئیل الی محمد صلعم سبعۃ عشر الف آیۃ[1]

جعفر نے فرمایا کہ وہ قرآن کہ جس کو جبرئیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر لے کر نازل ہوئے تھے اسمیں سترہ ہزار آیتیں تھیں۔

موجودہ قرآن میں خود شیعہ حضرات کے مصنفین کے لکھنے کے مطابق چھ ہزار سے کچھ زیادہ آیتیں ہیں

حضرت علی سے ایک زندیق کا مکالمہ

احتجاج طبرسی شیعہ حضرات کی معتبر کتابوں میں شمار ہوتی ہے اس میں ایک زندیق کے ساتھ حضرت کا طویل مکالمہ ذکر کیا گیا ہے، اس مکالمہ میں اس زندیق نے قرآن مجید پر بہت سے اعتراضات کیے ہیں اور حضرت علی رضؓ نے ان کا جواب دیا ہے ——— ان میں سے ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ سورہ نساء کے پہلے رکوع میں آیت "وان خفتم ان لاتقسطوا فی الیتامیٰ فانکحوا الآیۃ" میں شرط و جزاء کے درمیان وہ تعلق اور ربط نہیں ہے جو شرط و جزا کے درمیان ہونا چاہیے۔[2]

مذکورہ اعتراض کا جواب احتجاج میں یہ نقل کیا گیا ہے

ھذا مما قدمت ذکرہ من اسقاط المنافقین من القرآن ومن القول فی الیتامیٰ وبین نکاح النساء من الخطاب والقصص اکثر من ثلث القرآن۔[3]

یہ اعتراض بھی اسی قبیل سے ہے جس کا جواب میں اس سے پہلے ذکر کر چکا ہوں یعنی یہ کہ منافقین نے قرآن میں سے بہت کچھ ساقط کر دیا ہے اس آیت میں یہ تصرف ہوا ہے کہ ان خفتم فی الیتامیٰ اور فانکحوا ما طاب لکم من النساء کے درمیان ایک تہائی قرآن سے زیادہ تھا جو ساقط کر دیا گیا، اس میں خطاب تھا اور قصص تھے، احتجاج کی اس روایت کے مطابق حضرت علی رضؓ نے ارشاد فرمایا کہ اس آیت کے درمیان سے منافقین نے ایک تہائی قرآن سے زیادہ غائب کر دیا ہے اس سے

---

[1] اصول کافی ص۶۷۱ باب فضل القرآن [2] احتجاج طبرسی ص۱۲۲ طبع ایران [3] احتجاج طبرسی ص۱۲۹

اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ پورے قرآن سے کتنا غائب کیا گیا ہوگا؟

اصلی قرآن لے کر غائب ہوگئے

یہ بات شیعہ حضرات کے معروف مسلمات میں سے ہے کہ حضرت علی نے قرآن مرتب فرمایا تھا جو کہ موجودہ قرآن سے بالکل مختلف تھا، حضرت علیؓ کی زندگی میں ان کے پاس رہا اور ان کے بعد ان کی اولاد میں سے ائمہ کے پاس رہا اور اب وہ امام غائب کے پاس ہے اسی مضمون کی بہت سی روایتیں اصول کافی کے ص۶۱ ص۱۳۹ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے

مذکورہ روایات کی روشنی میں یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ تحریف قرآن کا عقیدہ عقیدۂ امامت کے لوازمات میں سے ہے اس کے علاوہ اس عقیدہ کا ایک خاص مقصد یہ بھی ہے کہ حضرات شیخین اور ذوالنورین کو غصبِ خلافت اور غصبِ فدک کے علاوہ تحریفِ قرآن کا مجرم بھی ثابت کیا جائے۔

تحریفِ قرآن کی روایات دو ہزار سے زائد ہیں

علامہ نوری طبرسی شیعہ حضرات کے نزدیک بڑے مجتہد اور محدث شمار ہوتے ہیں، اور ان کی کتاب "فصل الخطاب"، جو کہ مشہد مقدس میں بیٹھ کر لکھی گئی تھی اور شیعہ حضرات کے نزدیک نہایت ہی معتبر اور مستند ہے اہل تشیع کو اس کتاب پر بڑا فخر ہے، علامہ تحریر فرماتے ہیں کہ تحریف قرآن کی روایات دو ہزار سے زیادہ ہیں، سید نعمت اللہ جزائری فرماتے ہیں کہ تحریف کو بتلانے والی روایات کی تعداد دو ہزار سے زیادہ ہے اور فرماتے ہیں کہ ہمارے اکابر کی ایک بڑی جماعت مثلاً شیخ مفید، اور محقق داماد اور علامہ مجلسی نے ان روایات کو مستفیض اور مشہور لکھا ہے بلکہ بعض علماء نے تواتر کا دعویٰ کیا ہے، تواتر کا دعویٰ کرنے والوں میں قاضی القضاۃ علی بن عبدالعالی، اور محدث جلیل ابوالحسن الشریف شیعی بھی ہیں، علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک اس باب میں حدیثیں معنیٰ کے لحاظ سے متواتر ہیں ان سب کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ احادیث اور روایات سے اعتماد بالکل اٹھ جائیگا اور احادیث کا سارا ذخیرہ ناقابل اعتبار ہو جائے گا بلکہ میرا گمان ہے کہ تحریف قرآن کی روایات مسئلہ امامت کی روایات سے کم نہیں ہیں، (فصل الخطاب ملخصاً ۲۳۹)

تحریف کی ہزاروں شیعی روایات کی موجودگی میں کسی شیعی کو نفی تحریف سے انکار کی گنجائش نہیں،

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ تحریف کے بارے میں ہزاروں روایات کے ہوتے ہوئے جو بقول شیعہ حضرات متواتر ہیں اور صراحۃً تحریف پر دلالت کرتی ہیں اور اسی کے مطابق علمائے شیعہ متقدمین کا عقیدہ بھی ہے، کیا کسی صاحب علم کے لیے تحریف سے انکار کی گنجائش باقی رہتی ہے ظاہر ہے کہ اس کی گنجائش باقی نہیں رہتی، ہاں البتہ تقیہ کی بنیاد پر انکار کیا جاسکتا ہے جس طرح شیعی روایات کے مطابق ائمہ نے ازراہِ تقیہ امامت سے انکار فرمایا اس لیے قرین قیاس بھی یہی ہے کہ ان چاروں حضرات نے تقیہ ہی کی بنیاد پر تحریف قرآن سے انکار کیا ہو،

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ کلینی سے خمینی تک رافضی علماء و مجتہدین اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن میں ہر قسم کی تحریف ہوئی ہے لیکن شیعہ حضرات کے چار عالم ایسے ہیں جو تحریف قرآن سے انکار کرتے ہیں، وہ یہ ہیں (۱) شریف رضی (۲) شیخ صدوق (۳) ابوجعفر طوسی (۴) شیخ ابوعلی، لیکن جیسا کہ آئندہ دلیل سے واضح ہو جائے گا ان کا یہ انکار تقیہ کی بنیاد پر ہے اس لیے کہ ان کا یہ عقیدہ ان کو مذہب رافضیت سے خارج کر دیتا ہے کیوں کہ بقول شیعہ حضرات ائمہ معصومین کا عقیدہ ہے کہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے، حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ چاروں علماء بھی تحریف قرآن کا عقیدہ رکھتے ہیں جیسا کہ ان کی کتابوں سے ثابت ہے مثلاً شیخ صدوق ہی کو لیجیے وہ اپنی مشہور کتاب "من لا یحضرہ الفقیہ" میں رقمطراز ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ حلال فرمایا تھا اور دلیل میں "فما استمتعتم منھن الیٰ اجل مسمیً فاتوھن اجورھن فریضۃ من اللہ" کو پیش فرماتے ہیں جب کہ سورہ نساء کی مذکورہ آیت اس طرح ہے "فما استمتعتم منھن فاتوھن اجورھن فریضۃ"، آپ نے دیکھا صدوق صاحب نے جو کہ تحریف کے قائل نہیں ہیں اس آیت میں "الیٰ اجل مسمیً" اور "من اللہ" کا اضافہ کر کے مذہب رافضیت میں زنا اور بدکاری کو مقدس ترین عبادت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور یہی صدوق صاحب ابوزبیر کی یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ قیامت کے

دن تین چیزیں شکایت لے کر آئیں گی (۱) قرآن مجید (۲) مسجد (۳) اہل بیت، قرآن کہے گا اے میرے پروردگار انہوں نے میرے اندر تحریف کر کے میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے مسجد کہے گی مجھے ناکارہ بنا کر ضائع کر دیا اور اہل بیت کہیں گے ہمیں قتل کر کے دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر دیا،

شیخ صدوق کی طرح طوسی اور شریف مرتضیٰ اور طبرسی کی کتابوں میں بھی آپ کو قرآن میں رافضیوں کے اس تحریفی مشن کی جھلکیاں نظر آئیں گی،

قرآن سے سورۂ ولایت حذف کر دی گئی

رافضی علماء کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن میں سورۂ ولایت نام کی ایک سورت تھی جسے آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد حذف کر دیا گیا علامہ نوری طبرسی نے اس رافضی ساختہ سورت کا اپنی کتاب "فصل الخطاب" صہ ۲۲ پر ذکر کیا ہے کہ تقریباً ایک صدی قبل عراق کے علامہ سید محمد شکری آلوسی نے تحفہ اثنا عشریہ کی عربی میں تلخیص کی تھی جو مختصر تحفہ اثنا عشریہ کے نام سے شائع ہوئی ہے اس کے بعد مصر کے ایک جلیل القدر عالم شیخ محی الدین الخطیب نے مختصر تحفہ اثنا عشریہ کو آڈٹ کیا اور تصحیح و تحشیہ نیز مقدمہ کے اضافہ کے ساتھ شائع کر دیا اس میں موصوف نے ایران میں لکھے گئے قرآن کے ایک قلمی نسخہ سے لیا ہوا ایک سورت (سورۂ ولایت) کا عکس شائع کیا ہے جس کے متعدد ایڈیشن ایران میں شائع ہو چکے ہیں، مصر کے ایک بڑے ماہر قانون داں پروفیسر محمد علی مسعودی نے مشہور مستشرق "براؤن" کے پاس ایران میں لکھے ہوئے قرآن کا ایک قلمی نسخہ دیکھا تھا اس میں مذکورہ سورۂ ولایت بھی تھی انہوں نے اس کا عکس لیا جو رسالہ الفتح کے شمارہ ۸۴۲ کے صفحہ ۹ پر شائع ہوا تھا شیخ محی الدین الخطیب نے اسی کا عکس اپنی کتاب کے صہ ۳۱ پر شائع کیا

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تحفہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ رافضی علماء کا دعویٰ ہے کہ سورۂ الم نشرح کی ایک آیت حذف کر دی گئی اور وہ آیت "وجعلنا علیاً صھرک" ہے یعنی ہم نے علی کو آپ کا داماد بنایا، اھ (د مختصر تحفہ صہ ۳۳)

ابو جعفر کلینی رقمطراز ہیں کہ صحابہ نے معاذ اللہ قرآن کریم سے دس ہزار تین سو چار اسی آیتوں کو حذف کر دیا اس لیے کہ اصل قرآن میں سترہ ہزار آیتیں تھیں [1]

تحریف قرآن اور حضرت علیؓ کی ذمہ داری تحریف قرآن کی جو کیفیت مذہب شیعہ میں بیان کی گئی ہے اس کا الزام صحابہ پر جس قدر ہے اس سے بدرجہا زیادہ حضرت علیؓ پر عائد ہوتا ہے، حضرت علی پر پہلا الزام یہ ہے کہ انہوں نے قرآن میں تحریف کیوں ہونے دی، تحریف کرنے والوں کو بزور شمشیر کیوں نہ روکا؟ حضرت علی کے رو برو قرآن مجید میں تحریف ہوتی رہی بہت سی آیتیں بلکہ سورتیں غائب کر دی گئیں مگر حضرت علیؓ خاموش تماشائی بنے دیکھتے رہے، حضرت علی تو حضرت علی ہیں ایک معمولی مسلمان جس کے اندر ذرہ برابر بھی ایمانی حرارت ہو قرآن کو برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتا

دوسرا الزام جب خود حضرت علیؓ کی خلافت کا زمانہ آیا تو اپنے زمانہ خلافت میں انہوں نے اصل قرآن کی اشاعت اور محرف قرآن کو معدوم کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟ اگر حضرت علیؓ اس وقت کوشش فرماتے تو کامیابی ممکن تھی، کم از کم اس کا یہ نتیجہ تو ضرور برآمد ہوتا کہ اصل قرآن کا وجود بھی روئے زمین پر قائم ہو جاتا، کچھ لوگوں کے پاس محرف قرآن ہوتا اور کچھ کے پاس اصلی مگر افسوس کہ حضرت علی نے اس سلسلہ میں کچھ بھی نہیں کیا،

شیعی تاویل مذکورہ اعتراض اور الزام کی شیعہ حضرات یہ تاویل کرتے ہیں کہ حضرت علی تینوں خلفاء کے زمانہ میں معذور و مغلوب تھے ان کا کوئی یار و مددگار نہیں تھا صرف تین چار اشخاص حضرت علی کے ہمنوا تھے، اس بے کسی اور بے بسی پر کیوں کر حضرت علی اتنی بڑی جماعت کا مقابلہ کر سکتے تھے، اسی وجہ سے انہوں نے بحالت مغلوبی و مجبوری حضرات خلفاء ثلثہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور تمام مظالم پر خاموش رہے،

مذکورہ تاویل کا جواب مذکورہ تاویل اور عذر یارد کا جواب یہ ہے کہ جہاں حضرت علی کی مغلوبیت کی روایات کتب شیعہ میں وارد ہوئی ہیں وہیں اس کے برخلاف بہادری اور شجاعت کی روایات بھی موجود ہیں، حضرت علی کی روایتی شجاعت

---

[1] اصول کافی ص۶۷۱،

اور بہادری اس بات کی متقاضی ہے کہ انہی روایات کو ترجیح دی جائے ،

شیعہ حضرات کی بہت سی معتبر کتابوں میں بکثرت وہ روایتیں ہیں جن میں جناب امیر کی ذاتی شجاعت اور جسمانی مافوق الفطرت طاقت وقوت اور ان کے یاروں نیز مددگاروں کی کثرت وشوکت کا بیان ہے ، اس کے علاوہ بقول شیعہ حضرات حضرت علی رضؓ کو جو معجزات ملے تھے ان کی تو کچھ حد وانتہا ہی نہیں ، عصائے موسیٰ ان کے پاس انگشتریٔ سلیمان ان کے پاس انبیاء سابقین کے معجزات ان کے پاس اسم اعظم ان کے پاس پھر مغلوب اور ڈرنے کی کیا وجہ تھی اس مضمون کی روایات (حیات القلوب ، کتاب الخراج ، اصول کافی) میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں

ان روایات میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ خلفاء ثلثہ خصوصاً حضرت عمر رضؓ حضرت علی رضؓ سے بہت ڈرتے تھے ، غزوۂ احد کے بعد حضرت عمر رضؓ کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ جب جناب امیر کو دیکھتے تھے تو غیر معمولی اضطراب طاری ہوجاتا تھا ، اور خوف کے مارے مدہوشی کی سی کیفیت چھاجاتی تھی ، ان روایات میں یہ بھی ہے کہ ائمہ کو اپنی موت کا علم ہوتا ہے اور ان کی موت ان کے اختیار میں ہوتی ہے ، پس جب جناب امیر شجاع اور بہادر بھی تھے مددگاروں اور فرمانبرداروں کی بھی کثرت تھی جسمانی طاقت بھی اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی عطا فرمائی تھی تمام انبیاء کے معجزات بھی ان کے پاس تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کی موت ان کے اختیار میں تھی ان تمام باتوں کے باوجود کون کہہ سکتا ہے کہ جناب امیر عاجز اور مغلوب تھے جس کی وجہ سے تحریف قرآن کو روکنے پر قادر نہ تھے ، معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی نے قصداً روکنے کی کوشش نہیں کی (نعوذ باللہ من ذالک)

تقیہ

تقیہ باب (سمع) کا مصدر ہے اس کے معنیٰ ہیں پرہیز کرنا، اور شیعہ مذہب کی اصطلاح میں تقیہ کا مطلب ہے اپنے قول یا عمل سے واقعہ اور حقیقت کے خلاف یا اپنے عقیدہ وضمیر نیز مذہب ومسلک کے خلاف ظاہر کر کے دوسروں کو دھوکے اور فریب میں مبتلا کرنا۔

مذکورہ عقیدہ بھی عقیدۂ امامت کی صیانت وحفاظت کے لیے تصنیف کیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ عقیدہ شیعہ مذہب کی خصوصیات میں سے ہے، آپ گمراہ سے گمراہ مذہب کا مطالعہ کیجیے، بدتر سے بدتر سماج کا جائزہ لیجیے کسی مذہب میں جھوٹ مکر وفریب دین ومذہب کا رکن نظر نہیں آئے گا، برخلاف شیعہ مذہب کے کہ جھوٹ، مکر وفریب اس کی اصولی تعلیمات میں داخل ہے، شیعہ مذہب میں دس حصوں میں سے نو حصے دین تقیہ (جھوٹ) مکر وفریب، دروغ گوئی، کذب بیانی ہے اور ایک حصہ میں بقیہ تمام عبادات وحسنات ہیں اور جو شخص تقیہ نہ کرے اس کا دین کامل نہیں ہے امام جعفر صادق سے روایت ہے

عن عمیر الاعجمی قال قال لی ابو عبد اللہ علیہ السلام یا عمیر تسعۃ اعشار الدین فی التقیہ ولا دین لمن لا تقیۃ لہ والتقیۃ فی	ابو عمیر اعجمی سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا نو حصہ دین تقیہ میں ہے اور جو شخص تقیہ نہ کرے اس کا دین نہیں، تقیہ ہر چیز میں ہے سوائے نبیذ اور مسح علی الخفین کے

کل شیٔ الا فی النبیذ والمسح علی الخفین، (اصول کافی ص۴۸۲)

شیعہ مذہب کی رو سے کوئی شخص کتنا ہی متقی اور پرہیزگار ہو، صوم صلوٰۃ کا پابند ہو مگر مکر وفریب اور کذب بیانی نہ کرتا ہو تو وہ کامل الایمان نہیں ہو سکتا، غالبًا اس امر کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ جھوٹ ایک ایسی نجاست ہے کہ جس کو دنیا میں آج تک کسی انسان نے اچھا نہیں سمجھا اہل مذہب ہوں یا لامذہب سب اس سے نفرت کرتے ہیں، غرضیکہ جھوٹ بولنا سب کے نزدیک نہایت ذلیل حرکت ہے، لہذا جس مذہب میں جھوٹ نہ صرف جائز

ہو بلکہ لازم اور ضروری ہو اور اس پر اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہو اس مذہب کے باطل ہونے میں کس کو شک ہو سکتا ہے ؟ اس مذہب کے لوگ اگر کسی بات کی خبر دیں یا کوئی روایت بیان کریں تو اس پر کس کو اعتماد ہو سکتا ہے ؟

ہر ضرورت کے وقت تقیہ

عن زرارة بن اعين عن ابي جعفر عليه السلام قال التقية في كل ضرورة وصاحبها اعلم بها حين تنزل به،

زرارہ بن اعین نے امام جعفر صادق سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ تقیہ ہر ضرورت میں ہے اور صاحبِ ضرورت ہی اپنی ضرورت سے واقف ہوتا ہے،

اس روایت سے معلوم ہو گیا کہ تقیہ کے لیے کسی مجبوری یا شدید خوف کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہر ضرورت میں تقیہ کرنا چاہیے، ضرورت کی تعیین و تحدید بھی شریعت کی طرف سے نہیں کی گئی بلکہ صاحبِ ضرورت کی صواب دید پر چھوڑ دیا گیا ہے، بلکہ بلا ضرورت بھی تقیہ جائز ہے

بلا ضرورت تقیہ کی مثال

الجامع الکافی کے آخری حصہ کتاب الروضہ میں ایک روایت ہے اس کے راوی اور صاحبِ واقعہ امام جعفر کے ایک مخلص مرید محمد بن مسلم ہیں وہ بیان کرتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے۔

میں ایک روز امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت ان کے پاس امام ابو حنیفہؒ تشریف فرما تھے میں نے امام جعفر صادق سے عرض کیا میں آپ پر قربان جاؤں میں نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا ہے، امام نے فرمایا اے ابن مسلم تم اپنا خواب بیان کرو، خوابوں کی تعبیر کا ایک عالم اس وقت یہاں موجود ہے (اور ہاتھ سے امام ابو حنیفہؒ کی طرف اشارہ کیا) — محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے اپنا خواب بیان کیا امام ابو حنیفہؒ نے خواب سن کر تعبیر بیان فرمائی تعبیر سن کر امام جعفر نے فرمایا، اصبت واللہ یا ابا حنیفة الخ،، (کتاب الروضہ ص۱۳۷) مطلب یہ کہ امام جعفر نے امام ابو حنیفہ کی تصویب کرتے ہوئے فرمایا کہ خدا کی قسم اے ابو حنیفہؒ آپ نے

بالکل سچ فرمایا (حدیث کے راوی ابن مسلم) کہتے ہیں کہ جب امام ابوحنیفہ رح ان کے پاس سے چلے گئے تو میں نے عرض کیا، میں آپ پر قربان جاؤں اس ناصبی کی تعبیر مجھے پسند نہیں آئی تو امام جعفر نے فرمایا کہ اے ابن مسلم تمہیں اس سے رنجیدہ اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے ہماری تعبیر ان لوگوں کی تعبیر سے مختلف ہوتی ہے، ابوحنیفہ رح نے جو تعبیر بیان کی ہے، وہ صحیح نہیں ہے (ابن مسلم کہتے ہیں) کہ میں نے عرض کیا کہ آپ پر قربان جاؤں، پھر آپ نے "اصبت" کہہ کر اور قسم کھا کر ان کی بیان کردہ تعبیر کی تصدیق و تصویب کیوں فرمائی؟ امام جعفر نے فرمایا میں نے اس پر قسم کھائی تھی کہ امام ابوحنیفہ غلطی پر پہنچے روایت چونکہ بہت طویل ہے طوالت سے بچنے کے لیے ہم نے خواب اور اس کی تعبیر کو ترک کر دیا ہے شائقین کتاب الروضہ کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ روایت میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے، اس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ شیعہ حضرات کے ائمہ معصومین بالکل بے ضرورت بھی تقیہ کیا کرتے تھے، مذکورہ واقعہ میں امام جعفر نے بالکل بے ضرورت غلط بیانی کی اس لئے کہ امام ابوحنیفہ رح سے ان کو کوئی خطرہ تھا نہ خوف اس لیے کہ امام ابوحنیفہ رح ایک پردیسی کوفہ کے رہنے والے تھے اور امام جعفر اپنے وطن مدینہ میں اپنے گھر پر تھے، اس کے علاوہ امام ابوحنیفہ رح حکومتِ وقت کے معتوب تھے جس کی وجہ سے ایک مدت تک جیل میں بھی رہ چکے تھے،

دینی مسائل میں تقیہ شیعہ حضرات کی معتبر اور مستند کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ائمہ معصومین نہ صرف یہ کہ دنیوی معاملات میں تقیہ کرتے تھے بلکہ دینی مسائل و احکام کے بیان کرنے میں بھی تقیہ کرنے سے نہیں چوکتے تھے، اور قصداً و ارادۃً لوگوں کو غلط مسائل بتاتے تھے اور یہ اتفاقیہ نہیں بلکہ ان کا عام معمول تھا، اصول کافی کی یہ روایت ملاحظہ فرمائیں، روایت چونکہ طویل ہے لہٰذا ہم صرف ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں:

زرارہ بن اعین سے روایت ہے کہ میں نے امام جعفر سے ایک مسئلہ دریافت کیا، انہوں نے مجھے جواب دیا، اس کے بعد اسی نشست میں ایک صاحب تشریف لائے اور وہی مسئلہ دریافت کیا تو امام صاحب نے اس شخص کو اس سے مختلف جواب دیا جو مجھے دیا تھا، اس کے بعد ایک دوسرے صاحب تشریف لائے (اور وہی مسئلہ دریافت کیا) تو امام صاحب نے

ان کو اس سے مختلف جواب دیا جو مجھکو اور پہلے صاحب کو دیا تھا جب یہ دونوں صاحبان چلے گئے تو میں نے امام صاحب سے عرض کیا کہ اے رسولِ خدا کے فرزند عراق کے رہنے والے دو آدمی جو آپ کے شیعوں میں سے تھے آئے اور ان دونوں نے آپ سے ایک مسئلہ دریافت کیا آپ نے دونوں کو مختلف جواب دیا (یہ کیا ہوا؟) تو جناب امام نے فرمایا اے زرارہ اس میں ہماری تمہاری خیریت اور بقا ہے۔

ناظرین: آپ نے غور فرمایا کہ کس طرح شیعوں کے امام ہمام نے بلا کسی خوف اور ضرورت کے تقیہ کے لباس میں ملبوس ہو کر ایک ہی مسئلہ کے مختلف جوابات دیئے اور مقصد صرف یہ تھا کہ اپنے معتقدین میں اتفاق نہ ہونے پائے آپس میں لڑتے رہیں ورنہ تو ان کی بقا کے لیے خطرہ تھا نیز اگر معتقدین میں اختلاف باقی رہے گا تو ائمہ کا وقار باقی رہے گا۔

بعض اوقات ائمہ تقیہ کے ذریعہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیتے ہیں

عن ابان بن تغلب قال سمعت ابا عبد اللّٰہ علیہ السلام یفتی زمان بنی امیۃ عما قتلہ البازِ والصقر فھو حلال وکان یتقیھم وانا لا اتقیھم وھو حرام ما قتل (الخ)

ابان بن تغلب روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام جعفر سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میرے والد (امام باقر) علیہ السلام بنی امیہ کے دورِ حکومت میں تقیہ کے طور پر فتویٰ دیا کرتے تھے کہ باز یا شاہین جس پرندہ کا شکار کریں اور اور قبل الذبح مر جائے تو اس کا کھانا حلال ہے اور میں اہل حکومت کے خوف سے تقیہ نہیں کرتا میں فتویٰ دیتا ہوں کہ باز یا شاہین کا مارا ہوا حرام ہے۔

تقیہ کرنا واجب ہے اور تقیہ نہ کرنے والا تارکِ صلوٰۃ کے مانند ہے

قال الصادق علیہ السلام لو قلت امام جعفر صادق نے فرمایا کہ اگر میں کہوں کہ

ان تارک التقیۃ کتارک الصلوٰۃ لکنت صادقا قال علیہ السلام لا دین لمن لا تقیۃ لہ

تارک تقیہ تارک صلوٰۃ کے مانند ہے تو میں اس قول میں سچا ہوں گا نیز امام موصوف نے فرمایا کہ جو شخص تقیہ نہ کرے وہ بے دین ہے

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح نماز فرض ہے اسی طرح تقیہ بھی فرض ہے بلکہ تقیہ نہ کرنے والا دین سے خارج ہے۔

عن معمر بن خلاد قال سألت ابا الحسن علیہ السلام عن القیام للولاۃ فقال قال ابوجعفر (باقر) علیہ السلام التقیۃ من دینی ودین آبائی ولا ایمان لمن لا تقیۃ لہ،

معمر بن خلاد سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوالحسن (امام باقر) علیہ السلام سے معلوم کیا کہ حکام وقت کی اطاعت کا کیا حکم ہے، انہوں نے کہا کہ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا تقیہ میرا اور میرے آباء واجداد کا دین ہے اور جو شخص تقیہ نہ کرے اس کا ایمان نہیں

شیخ صدوق نے بھی اپنی مشہور تفسیر "التبیان" میں لکھا ہے کہ تقیہ واجب ہے، امام غائب یعنی بارہویں امام مہدی کے ظہور سے پہلے اس کا ترک جائز نہیں جس نے ظہور امام سے پہلے تقیہ ترک کر دیا وہ امامیہ کے دین سے نکل گیا اور اس نے اللہ اور اس کے رسول صلعم اور اس کے ائمہ کی مخالفت کی، امام جعفر صادق سے اللہ تعالیٰ کے قول "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا "عملکم بالتقیۃ" تقیہ پر عمل کرنا مراد ہے "الاعتقادات للصدوق" بحوالہ الشیعہ والسنہ۔

تقیہ افضل اعمال ہے تفسیر عسکری میں حضرت علیؓ سے روایت ہے، انہ قال التقیۃ من افضل اعمال المومنین یصون بہا نفسہ واخوانہ من الفاجرین۔

تقیہ مؤمن کے افضل ترین اعمال میں سے ہے جس کے ذریعہ اپنی اور اپنے بھائیوں کی فجار سے حفاظت ہوتی ہے۔

وقد روی الصدوق عن جابر

شیخ صدوق نے جابرؓ سے روایت کیا ہے

قال قلت یا رسول اللّٰہ ان الناس	کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض
یقولون ان ابا طالب مات کافرًا	کیا یا رسول اللہ لوگ کہتے ہیں کہ ابو طالب کا انتقال
قال: یا جابر ربک اعلم بالغیب	بحالت کفر ہوا تھا، آپ نے فرمایا اے جابر تیرا
انہ لما کانت اللیلۃ التی اسریٰ	رب ہی غیب خوب جانتا ہے جس رات مجھ کو
بی الی السماء انتہیت الی العرش	آسمان کی طرف لے جایا گیا اور جب میں عرش
فرأیت اربعۃ انوار فقیل لی ہذا	تک پہنچا تو میں نے چار نور دیکھے، مجھے بتایا گیا یہ
عبد المطلب وہذا عمک	عبد المطلب ہیں اور یہ آپ کے چچا ابو طالب ہیں
ابوطالب ہذا ابوک عبد اللّٰہ	اور یہ آپ کے والد عبد اللہ ہیں اور آپ کے
وہذا عمک جعفر بن ابی طالب	چچا جعفر بن ابی طالب ہیں تو میں نے عرض کیا یا
فقلت الٰہی لو نالوا ہذہ الدرجۃ	الٰہی ان حضرات کو یہ مرتبہ کیسے ملا تو جواب
قال بکتمانہم الایمان و	ملا کہ ایمان کو چھپانے اور کفر کو ظاہر کرنے کی وجہ
لاظہارہم الکفر حتی ماتوا	سے یہاں تک کہ اسی حالت پر انتقال ہوا۔

علیٰ ذالک (جامع الاخبار، نقلا عن تنقیح المسائل ص۱۱۱ بحوالہ الشیعہ والسنۃ)

عقیدہ تقیہ گھڑنے کی وجوہات

پہلی وجہ یہ بات بطور واقعہ معلوم و مسلم ہے، جس سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں کہ حضرت علی رضؓ سے لے کر شیعوں کے گیارہویں امام "حسن عسکری" تک کسی بھی امام نے نہ تو مسلمانوں کے کسی بڑے اجتماع میں یا حج کے موقع پر جو کہ مسلمانوں کا سب سے بڑا اجتماع ہوتا ہے اور تمام عالم اسلام کے مسلمان اس میں جمع ہوتے ہیں اسی طرح نہ جمعہ وعیدین کے موقع پر جس میں علاقہ اور شہر کے مسلمان جمع ہوتے ہیں اور نہ اس کے علاوہ مسلمانوں کے کسی بڑے اجتماع میں اپنی امامت کا اعلان کیا اور نہ اپنی امامت کا دعویٰ کیا اور نہ اس کے لیے بیعت لی۔ اس کے برخلاف خود حضرتِ علی کا طرزِ عمل۔ خلفاء ثلٰثہ کے جو ۲۴ سالہ دورِ خلافت میں یہ رہا کہ دوسرے تمام مسلمانوں کی طرح وہ بھی ان کے پیچھے نماز پڑھتے رہے،

اور اخلاص و سچائی کے ساتھ ان کے ساتھ تعاون بھی کرتے رہے اور یہی رویہ باقی تمام ائمہ کا رہا، اب سوال یہ ہے کہ ان حضرات نے اپنی امامت کا اعلان کیوں نہیں کیا حالانکہ جس طرح نبی کو اپنی نبوت کا اعلان کرنا ضروری ہوتا ہے اسی طرح امام چونکہ نائب رسول ہوتا ہے لہٰذا اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنی امامت کا اعلان عام کرے اور لوگوں کو بیعت کی دعوت دے، چنانچہ پہلی صدی ہجری کے اواخر اور دوسری صدی ہجری کے نصف اول (یعنی امام باقر اور امام جعفر کے زمانہ میں) جن حضرات نے اثنا عشری مذہب تصنیف کیا انہوں نے اس ناقابل تردید واقعاتی اور تاریخی شہادت کی زد سے عقیدۂ امامت کو بچانے کیلیے تقیہ کا عقیدہ تصنیف کیا، اور مذکورہ اہم سوال کا جواب شیعہ مذہب کے بانی حضرات نے نہایت آسانی کے ساتھ یہ تراش لیا کہ ائمہ نے اس مسئلہ میں تقیہ اور کتمان سے کام لیا ہے اور پھر اس کے لیے تقیہ کے فضائل کی حدیثیں گھڑ لیں۔

دوسری وجہ شیعہ حضرات نے جب ائمہ کے اقوال متضادہ اور آرائے مختلفہ دیکھیں اور لوگوں نے اعتراض کیا کہ ائمہ بقول شیعہ حضرات خطاء و نسیان سے معصوم ہوتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ ان کے کلام میں تضاد و تناقض واقع ہوتا ہے؟ ایک ہی بات کو ایک ہی وقت میں جائز بھی کہتے ہیں، اور ناجائز بھی حلال بھی کہتے ہیں اور حرام بھی اس اعتراض کا ان کے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہیں تھا کہ یہ کہ ان میں کا ایک قول بطور تقیہ تھا ـــــ مثلاً تیسری صدی ہجری کے مشہور عالم النوبختی عمر بن رباح روایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ابوجعفر (امام باقر) سے ایک مسئلہ کے بارے میں سوال کیا تو موصوف نے ایک جواب دیا آئندہ سال جب اسی مسئلہ کے بارے میں دریافت کیا تو اس مرتبہ پہلے جواب سے مختلف جواب دیا تو ابوجعفر (امام باقر) سے عرض کیا کہ گذشتہ سال جو آپ نے اس مسئلہ کا جواب دیا تھا یہ جواب اس کے برخلاف ہے تو امام صاحب نے جواب دیا کہ ہمارا جواب بسا اوقات بطور تقیہ ہوتا ہے، چنانچہ (عمر بن رباح) نے امام کا یہ جواب سن کر موصوف کی امامت سے رجوع کر لیا، اور کہا کہ ایسا شخص کبھی امام نہیں ہو سکتا جو کسی بھی حال میں کسی بھی وقت تقیہ کے طور پر غلط فتویٰ دے۔ (فرق الشیعہ للنوبختی صف ۸۰/۸۱/۸۲ مطبع حیدریہ بالنجف بحوالہ الشیعہ والسنہ ص۱۸۳)

اظہارِ حقیقت کے طور پر ایک ہندی شیعی عالم اپنی مشہور کتاب "اساس الاصول" میں لکھتا ہے کہ ائمہ سے جو احادیث مروی ہیں ان میں بہت اختلاف ہے یہاں تک کہ کوئی حدیث ایسی نہیں ہے کہ اس کے خلاف دوسری حدیث موجود نہ ہو۔ یہاں تک کہ یہ اختلاف بعض ضعیف الاعتقاد شیعہ حضرات کے مذہب سے رجوع کا سبب بن گیا (اساس الاصول ص۵۱)

عقیدۂ تقیہ تصنیف کرنے کی تیسری وجہ یہ کہ شیعوں کے ائمہ حضرات اپنے متبعین کو چونکہ طفل تسلیاں دیا کرتے تھے اور امیدوں اور آرزؤں کا سبز باغ دکھایا کرتے تھے تاکہ ان کے متبعین اور معتقدین شیعہ مذہب پر قائم رہیں، جس کی وجہ سے ائمہ کے اقوال میں تعارض اور تضاد واقع ہو جاتا تھا۔

(الکافی فی اصول الاصول ص۲۳ بحوالہ الشیعہ والسنہ ص۱۸۶)

عقیدہ تقیہ تصنیف کرنے کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ ان کے ائمہ نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ صرف یہ کہ مدح و منقبت بیان کی ہے بلکہ ان کی فضیلت کا علی رؤس الاشہاد اعتراف کیا اور قرآنی شہادت کے ذریعہ خیر کی طرف سبقت کرنے والے ثابت کیا۔ یہاں تک کہ خلفاء ثلٰثہ کی خلافت و امامت کا نہ صرف اقرار کیا بلکہ خلافتِ راشدہ قرار دیا اور خدا کے وعدۂ استخلاف کا مصداق قرار دیا لہٰذا اس مسئلہ میں شیعہ حضرات حیران و پریشان تھے اس لیے کہ ان کے مذہب کی بنیاد تو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً خلفاء ثلٰثہ سے اظہارِ بیزاری اور تبرا پر قائم ہے ان کے سامنے گلو خلاصی کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں تھی کہ یہ کہہ دیں کہ ائمہ نے جو کچھ کیا یا کہا وہ سب بطور تقیہ تھا۔

تقیہ اور جھوٹ مترادف ہیں

تقیہ اور جھوٹ مترادف ہیں جھوٹ ہی کا دوسرا نام تقیہ ہے جیسے کہ امام ابو عبداللہ نے بیان فرمایا

عن ابی نصیر قال ابو عبد اللّٰہ التقیۃ من دین اللّٰہ قلت من دین اللّٰہ؟ قال ای واللّٰہ

ابو نصیر سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ تقیہ اللہ کا دین ہے میں نے تعجب سے کہا کہ اللہ کا دین ہے؟ امام نے

من دین اللّٰہ ولقد قال یوسفؑ ایتہا العیر انکم لسارقون، واللّٰہ ماکانوسرقوا شیئًا ولقد قال ابراھیم علیہ السلام انی سقیم واللّٰہ ماکان سقیمًا۔

فرمایا ہاں خدا کی قسم اللہ کا دین ہے یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اے قافلہ والو تم چور ہو حالانکہ خدا کی قسم انہوں نے کچھ نہیں چرایا تھا اور ابراہیم ع نے فرمایا تھا کہ میں بیمار ہوں حالانکہ خدا کی قسم وہ بیمار نہیں تھے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تقیہ کے معنیٰ جھوٹ ہی کے ہیں کیوں کہ امام نے فرمایا کہ ایک شخص نے چوری نہیں کی تھی اس کو چور کہا گیا۔ یہ تقیہ ہے اور اسی کو تمام دنیا جھوٹ کہتی ہے لہٰذا جب امام کے ارشادات سے تقیہ کے معنیٰ معلوم ہو گئے تو اب کسی مجتہد کو اپنی طرف سے تقیہ کے معنیٰ بیان کرنے کا حق نہیں رہا۔

مُشَاجرات صَحَابہ

صحابہ کرام کا جو درجہ اور مقام قرآن و سنت کی نصوص اور اجماعِ امت سے ثابت ہے اس کے بعد قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب تمام صحابہ کرام واجب التعظیم اور لائق احترام ہیں اور عدول و ثقات نیز متقی و پرہیز گار ہیں اگر ان کے درمیان کسی مسئلے میں اختلاف ہو جائے تو ہمارے لیے طریقہ کار کیا ہونا چاہیے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ دو متضاد اقوال میں دونوں کو صحیح سمجھ کر دونوں ہی کو معمول بہ نہیں بنایا جا سکتا۔ عمل کے لیے کسی ایک کو اختیار اور دوسرے کو ترک کرنا لازم ہے۔ تو اس ترک و اختیار کا معیار کیا ہونا چاہیے؟ نیز اس میں دونوں طرف کے بزرگوں کا ادب و احترام کیسے قائم رہے گا، جب کہ ایک قول کو مرجوح قرار دے کر ترک کر دیا جائے گا؟ خصوصًا یہ سوال ان معاملات میں اور زیادہ سنگین ہو جاتا ہے جن میں ان حضرات کا اختلاف جنگ اور خوں ریزی تک پہنچ گیا ہو ظاہر ہے کہ ان میں سے ایک فریق حق پر اور دوسرا خطا پر ہوگا اس خطا اور صواب کا معاملہ طے کرنا عمل اور عقیدہ کے لیے نہایت ضروری ہے۔ مگر اس صورت میں دونوں فریقوں کی یکساں تعظیم و احترام کو کیسے قائم رکھا جا سکتا ہے جس کو خطا پر قرار دیا جائے گا۔ اس کی

تنقیص ایک لازمی امر ہے ۔

جواب یہ ہے کہ یہ کہنا غلط ہے کہ دو مختلف اقوال میں سے ایک کو حق یا راجح اور دوسرے کو خطا یا مرجوح قرار دینے میں کسی ایک فریق کی تنقیص لازمی امر ہے ۔

اسلاف نے ان دونوں کاموں کو اس طرح جمع کیا ہے کہ عمل اور عقیدہ کے لیے کسی ایک فریق کے قول کو شریعت کے مسلمہ اصول اجتہاد کے مطابق اختیار، اور دوسرے کو ترک کیا ہے لیکن جس کے قول کو ترک کیا ہے اسکی ذات اور شخصیت کے متعلق کوئی ایک جملہ بھی ایسا نہیں کہا کہ جس سے ان کی تنقیص ہوتی ہو اسی طرح اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ جنگ جمل میں حضرت علی رضؓ حق پر تھے اور ان کے مقابل حضرات خطا پر، اللہ نے ان کی خطاؤں کو اجتہادی قرار دیا ہے، جو شرعاً کوئی گناہ نہیں ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہو، بلکہ اصول اجتہاد کے مطابق اپنی کوشش صرف کرنے کے بعد بھی اگر ان سے خطا ہو گئی تو ایسے خطا کرنے والے بھی ثواب سے محروم نہیں رہتے، بلکہ ایک اجر ان کو اس پر بھی ملتا ہے،

مشاجرات صحابہ کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ

لفظ مشاجرۃ شجر سے مشتق ہے جس کے اصل معنیٰ ایسے تنے دار درخت کے ہیں جس کی شاخیں اطراف وجوانب میں ، باہمی اختلافات وتنازعات کو اسی مناسبت سے مشاجرۃ کہا جاتا ہے کہ درخت کی شاخیں بھی آپس میں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں اور ایک دوسرے کی طرف بڑھتی ہیں ،حضراتِ صحابہ کرام کے درمیان جو اختلافات پیش آئے اور کھلی جنگوں تک پہنچ گئے علماء امت نے ان کے باہمی اختلاف کو جنگ وجدال سے تعبیر نہیں کیا بلکہ از روئے ادب مشاجرۃ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے کیوں کہ درخت کی شاخ کا ایک دوسرے میں گھسنا اور ٹکرانا مجموعی حیثیت سے کوئی عیب نہیں ہے بلکہ درخت کی زینت اور کمال ہے ۔

باجماع امت حضرات صحابہ کے اس اختلاف کو بھی دیگر اختلافوں کی طرح اجتہادی اختلاف قرار دیا گیا ہے جس سے کسی فریق کی شخصیتیں مجروح نہیں ہوتیں ،اس طرح سے

ایک طرف خطا وصواب کو بھی واضح کر دیا گیا ہے، تو دوسری طرف صحابہ کرام کے درجہ اور مقام کا بھی پورا احترام ملحوظ رکھا گیا ہے اور مشاجرات صحابہ میں کف لسان اور سکوت کو اسلم قرار دیا گیا ہے۔ اور اس کو ترجیح دی گئی ہے کہ بلا وجہ ان روایات اور حکایات میں خوض کرنا جائز نہیں ہے جو باہمی جنگ کے دوران ایک دوسرے کے متعلق نقل کی گئیں ہیں، اس سلسلہ کی علمائے کرام کی چند تصریحات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) شیخ ابن ہمام نے شرح مسائرہ میں فرمایا ہے:

واعتقاد اہل السنۃ تزکیۃ جمیع الصحابۃ رض وجوبًا باثبات اللہ انہ لکل منہم والکف عن الطعن فیہم والثناء علیہم کما اثنیٰ اللہ سبحانہ وتعالیٰ (و ذکر آیات عدیدۃ ثم قال) واثنیٰ علیہم الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ثم سرد احادیث الباب ثم قال وما جریٰ بین معاویۃ وعلیؓ من الحرب کان مبنیًا علی الاجتہاد۔

(شرح مسائرہ ص ۱۳۲)

اہل سنت کا اعتقاد یہ ہے کہ وہ تمام صحابہ کو لازمی طور پر پاک وصاف مانتے ہیں اس لیے کہ اللہ نے ان میں سے ہر ایک کا تزکیہ فرمایا ہے نیز ان کے بارے میں اعتراضات کرنے سے احتراز کرتے ہیں اور ان سب کی مدح وثنا کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مدح فرمائی، اس کے بعد چند آیات نقل فرمائی ہیں اور رسول صلعم نے بھی ان کی تعریف فرمائی ہے (پھر کچھ احادیث نقل فرمائی ہیں) اس کے بعد لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور معاویہ کے درمیان جو جنگ ہوئیں وہ اجتہاد پر مبنی تھیں۔

(۲) شیخ الاسلام ابن تیمیہ شرح عقیدہ واسطیہ میں اہل سنت والجماعت کے عقائد لکھتے ہوئے فرماتے ہیں،

اہل سنت والجماعت ان روافض کے طریقے سے برأت کرتے ہیں جو صحابہ سے بغض رکھتے ہیں اور ان کو برا کہتے ہیں اسی طرح ان ناصبیوں کے طریقے سے بھی برأت کرتے ہیں جو اہل بیت کو اپنی باتوں سے نہ کہ عمل سے اذیت پہنچاتے ہیں اور صحابہ کے درمیان جو اختلاف

ہوئے ان کے بارے میں اہل سنت سکوت اختیار کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ صحابہ رضؓ کی برائی میں جو روایتیں منقول ہیں ان میں سے بعض تو بالکل جھوٹ ہیں اور بعض ایسی ہیں کہ ان میں کمی بیشی کردی گئی ہیں اور ان کا صحیح مفہوم بدل دیا گیا ہے اور اس قسم کی روایتیں جو بالکل صحیح ہیں ان میں بھی صحابہ معذور ہیں ان میں بعض حضرات اجتہاد سے کام لے کر حق وصواب تک پہنچ گئے ہیں اور بعض نے اجتہاد سے کام لیا مگر اس میں خطا ہوگئی اس کے ساتھ اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ صحابہ کا ہر فرد تمام صغائر وکبائر سے معصوم ہے بلکہ ان سے فی الجملہ گناہوں کا صدور ممکن ہے، لیکن ان کے فضائل وسوابق اتنے ہیں کہ اگر کوئی گناہ ان سے صادر ہو بھی تو یہ فضائل ان کی مغفرت کے موجب ہیں یہانتک کہ ان کی مغفرت کے مواقع اتنے ہیں کہ ان کے بعد کسی کو حاصل نہیں ہو سکتے۔

علامہ سفارینی نے اپنی کتاب "الدرة المضية"، اور اس کی شرح میں مشاجرات صحابہ رضؓ کے بارے میں اچھا کلام کیا ہے، اس کا خلاصہ نقل کیا جاتا ہے۔

جو نزاع صحابہ کے درمیان پیش آیا وہ اس اجتہاد کی بنا پر تھا کہ فریقین میں سے ہر ایک کا مقصد اچھا تھا اگرچہ اس اجتہاد میں حق پر ایک ہی فریق ہے اور وہ حضرت علی اور ان کے رفقاء ہیں اور خطا دوسری جانب میں ہے البتہ جو فریق خطا پر تھا اس کو بھی ایک اجر ملے گا، اس مسئلہ میں اہلِ جفا اور بد باطن ہی اختلاف کرتے ہیں لہٰذا صحابہ کرام کے درمیان مشاجرات کی جو صحیح روایات ہیں ان کی بھی اس طرح شرح کرنا واجب ہے جو ان حضرات سے الزام کو دور کرنے والی ہوں لہٰذا حضرت ابن عباس اور حضرت علی رضؓ کے درمیان جو تلخ کلامی ہوئی وہ کسی کے لیے بھی موجب عیب نہیں ہے نیز ابتداء میں جو حضرت علی رضؓ نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی تھی وہ دو باتوں میں سے کسی ایک وجہ سے تھی یا تو یہ وجہ تھی کہ ان سے خلافت جیسے اہم مسئلہ میں مشورہ نہیں لیا گیا تھا جیسا کہ خود انہوں نے اس پر رنجیدگی کا اظہار فرمایا، یا پھر حضرت فاطمہ رضؓ کی دلداری مقصود تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے میراث میں جو حصہ ملنا چاہیے تھا وہ نہیں ملا پھر حضرت علی نے تمام لوگوں کے سامنے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کرلی، یہ توجیہہ مشہور قول کی بنا پر ہے ورنہ ذخیرہ تاریخ میں ایسی روایت بھی موجود

ہے کہ حضرت علی نے ابتداء ہی میں بیعت کر لی تھی چنانچہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

لما قعد ابو بکر علی المنبر نظر فی وجوہ القوم فلم یر علیا فدعا بعلی بن ابی طالب فجاء فقال ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وختنہ: اردت ان تنشق عصا المسلمین قال لا تثریب یا خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبایعہ'

(البدایہ ص۲۴۹ ج۵)

جب حضرت ابو بکر رضؓ ممبر پر بیٹھے تو قوم کے لوگوں کو دیکھا حضرت علی رضؓ نظر نہ آئے تو حضرت علی رضؓ کو بلا بھیجا حضرت علی تشریف لائے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں سوچ رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور ان کے داماد کیا آپ مسلمانوں کے درمیان اختلاف ڈالنا چاہتے ہیں؟ حضرت علی نے فرمایا نہیں اے خلیفۃ الرسول بس حضرت علیؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی

اسی صفحہ پر آگے چل کر مصنف لکھتے ہیں:

فیہ فائدۃ جلیلۃ فبایعہ علی بن ابی طالب اما فی اول یوم او فی الیوم الثانی من الوفاۃ وھذا حق۔

مذکورہ روایت سے یہ اہم فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ حضرت علی نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پہلے ہی دن یا دوسرے دن حضرت ابو بکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی،

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی رائے مبارک

امیر معاویہ کا مجتہد مخطی ہونا اس وجہ سے ہے کہ وہ بھی شبہ سے متمسک تھے

اگرچہ میزان شرع میں اس سے وزن دار حجت موجود ہے یہ شبہ وہی تھا جو اصحاب جمل کو پیش آیا،

(ازالۃ الخفاء اردو ص۵۵۱ ج۲)

حضرت مجدد الف ثانی کی رائے گرامی

محاربان حضرت علی کرم اللہ وجہہ برخطا بودہ اند وحق بجانب امیر بودہ لیکن چوں این خطا خطاء اجتہادیست از ملامت دوراست (مکتوبات ربانی ص۲۷۲)

حضرت علی سے جنگ کرنے والے خطا پر تھے اور حق حضرت علیؓ کے ساتھ تھا لیکن چوں کہ خطا اجتہادی ہے ملامت سے دور ہے

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں

انما اختلف اجتهادهم في الحق وسفه كلٌ نظر صاحبه باجتهاده في الحق فاقتتلوا عليه وان كان المصيب عليا فلم يكن معاوية قائمًا فيها بقصد الباطل انما قصد الحق واخطاء (مقدمہ ابن خلدون ص۲۰۹)

بے شک طلب حق میں ان کا اختلاف مختلف ہوگیا اور ہر طائفہ نے دوسرے کی رائے کو نادانی قرار دیا پس دونوں فریق نے جنگ کی اگرچہ مصیب حضرت علی تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے باطل کا قصد نہیں کیا قصد تو حق کا کیا تھا مگر خطا کر گئے۔

اسی طرح حضرت علیؓ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لینے میں جو توقف سے کام لیا یا اس بناء پر تھا کہ یقینی طور سے متعین قاتل معلوم نہ ہو سکا یا اس لئے کہ فتنہ وفساد میں اضافہ کا اندیشہ تھا، اور حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر حضرت معاویہؓ اور ان کے متبعین نے حضرت علیؓ کے مقابلہ میں جنگ کرنے کو جائز سمجھا ان حضرات میں بعض حضرات مجتہد تھے اور بعض ان کی تقلید کرنے والے، اس بات پر اہلِ حق کا اتفاق ہے کہ ان جنگوں میں بلا شبہ حق حضرت علیؓ کے ساتھ تھا، اور وہ عقیدہ برحق جس پر کوئی مصالحت نہیں ہو سکتی یہ ہے کہ تمام صحابہ عادل ہیں اس لیے کہ تمام جنگوں میں انہوں نے تاویل واجتہاد سے کام لیا، (شرح عقائد سفارینی ص۳۸۶ ج۲)

(۴) مؤرخ اسلام مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی مصنف تاریخ اسلام نے حضرات صحابہ کرام

کے آپسی اختلافات کا بہت مناسب تجزیہ کیا ہے، فرماتے ہیں

حضرت علی رضؓ کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ کی معرکہ آرائیوں اور حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت علیؓ کی لڑائیوں کو لوگ اپنے زمانے کی لڑائیوں اور مخالفتوں پر قیاس کر کے بہت کچھ دھوکے اور فریب میں مبتلا ہو جاتے ہیں ہم ان بزرگوں کے اخلاق کو اپنے اخلاقی پیمانوں سے ناپنا چاہتے ہیں حالانکہ یہ بہت بڑی غلطی ہے ذرا غور فرمائیں کہ جنگ جمل کے موقع پر حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما نے کس عزم و ہمت کے ساتھ معارکہ آرائی کی تیاری کی تھی لیکن جب ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث یاد دلائی گئی تو بروقت میدان جنگ سے الگ ہوئے حالانکہ جاں نثاروں کی ایک زبردست فوج ان کے قبضہ میں تھی، ان کو غیرت بھی دلائی گئی، بزدل بھی کہا گیا، مگر انہوں نے کسی چیز کی بھی پرواہ دین وایمان کے بارے میں نہیں کی اور جنگ سے کنارہ کش ہو گئے۔

جنگ صفین اور حکمین کے فیصلہ کے بعد ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ نے حضرت علیؓ کی خدمت میں ایک استفتاء بھیج کر فتویٰ طلب کیا کہ خنثیٰ مشکل کی میراث کے متعلق شریعت میں کیا حکم ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا مفصل جواب عنایت فرمایا۔

جنگ جمل کے بعد جب آپ بصرہ میں داخل ہوئے تو قیس بن عبادہ نے عرض کیا کہ لوگ یہ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے وعدہ فرمایا تھا کہ میرے بعد تم خلیفہ بنائے جاؤ گے کیا یہ بات درست ہے حضرت علیؓ نے جواب دیا یہ بات غلط ہے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہرگز جھوٹ نہیں بول سکتا، اگر آپ مجھ سے یہ وعدہ فرماتے تو میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروقؓ و حضرت عثمان کو کیوں خلیفہ بننے دیتا اور کیوں ان کی بیعت کرتا، علامہ سفارینی، شرح عقائد سفارینی ص ۳۸۶ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ درحقیقت ان جنگوں کا سبب معاملات کا اشتباہ تھا، یہ اشتباہ اتنا شدید تھا کہ صحابہ کی اجتہادی آراء مختلف ہو گئیں اور وہ تین قسموں میں تقسیم ہو گئے، صحابہ کی ایک جماعت تو وہ تھی جس کے اجتہاد نے اس نتیجہ تک پہنچا دیا کہ حق فلاں فریق کے ساتھ ہے اور اس کا مخالف باغی ہے، لہٰذا اس پر اپنے اجتہاد کے مطابق برحق فریق کی مدد کرنا اور باغی فریق سے لڑنا واجب ہے چنانچہ انہوں نے

انہوں نے ایسا ہی کیا اور ظاہر ہے کہ جس شخص کا حال یہ ہو اس کے لیے ہرگز مناسب نہیں تھا کہ وہ امام عادل و برحق کی مدد اور باغیوں سے جنگ کے فریضہ میں کوتاہی کرے دوسری قسم اس کے برعکس ہے اور اس پر بھی وہ تمام باتیں صادق آتی ہیں جو پہلی قسم کے لیے بیان کی گئی ہیں صحابہ کی ایک تیسری جماعت وہ تھی جس کے لیے کچھ فیصلہ کرنا مشکل تھا اور اس پر یہ واضح نہ ہوسکا کہ فریقین میں سے کس کو ترجیح دے یہ جماعت فریقین سے کنارہ کش رہی، اور ان حضرات کے لیے یہ کنارہ کشی ہی واجب تھی اس لیے کہ جب تک کوئی شرعی وجہ معلوم نہ ہو کسی مسلمان کے خلاف قتال کا اقدام حلال نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ اہل حق کے تمام قابل ذکر علماء کا اس پر اجماع ہے کہ ان کی شہادتیں بھی قبول ہیں اور ان کی روایات بھی اور ان سب کے لیے عدالت ثابت ہے ۔ علامہ سفارینی آگے چل کر لکھتے ہیں :

تمام صحابہ سے محبت رکھنا اور ان کے درمیان جو واقعات پیش آئے ان کو بلا ضرورت لکھنے لکھانے اور پڑھنے پڑھانے اور سننے سنانے سے پرہیز کرنا واجب ہے اور ان کی خوبیوں کا تذکرہ کرنا اور ان سے رضامندی کا اظہار کرنا ان سے محبت کرنا ان پر اعتراضات کی روش کو ترک کرنا انہیں معذور سمجھنا اور یہ یقین رکھنا واجب ہے کہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ ایسے جائز اجتہاد کی بنا پر کیا جس سے نہ کفر لازم آتا ہے اور نہ حق ثابت ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات اس پر انہیں اجر ملے گا اس لیے کہ یہ ان کا جائز اجتہاد تھا، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ مشاجرات صحابہ میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ سکوت اختیار کیا جائے، یا پھر ان کی شان میں کوئی ایسی بات کہنے سے احتراز کیا جائے جس سے ان میں کسی کی تنقیص ہوتی ہو ۔ (شرح عقائد سفارینی ص۳۸۶ ج۲)

(۵) مفسر قرطبی نے سورۂ حجرات میں آیۃ "وان طائفتان من المومنین اقتتلوا" کے تحت مشاجرات صحابہ پر سلف صالحین کے اقوال کے ساتھ تحقیق فرمائی ہے جس کا ترجمہ پیش خدمت ہے، یہ جائز نہیں ہے کہ کسی بھی صحابی کی طرف قطعی اور یقینی طور پر غلطی منسوب کی جائے اس لیے کہ ان سب حضرات نے اپنے اپنے طرز عمل میں اجتہاد سے کام لیا تھا اور سب کا مقصد اللہ کی خوشنودی تھی یہ سب حضرات ہمارے پیشوا ہیں ہمیں حکم ہے کہ ان کے باہمی اختلافات سے کف لسان کریں اور ہمیشہ ان کا ذکر بہتر طریقہ پر کریں، کیوں کہ صحابیت بڑی حرمت کی

چیز ہے ، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بُرا کہنے سے منع فرمایا ہے اور یہ خبر دی ہے کہ اللہ نے انہیں معاف کر دیا ہے اور ان سے راضی ہے اس کے علاوہ متعدد سندوں سے یہ حدیث ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ کے بارے میں فرمایا، ان طلحة شهيد يمشى على وجه الارض، طلحہ روئے زمین پر چلنے پھرنے والے شہید ہیں، اب اگر حضرت علی رضؓ کے خلاف حضرت طلحہ کا جنگ کے لیے نکلنا کھلا گناہ اور عصیان تھا تو اس جنگ میں مقتول ہو کر وہ ہرگز شہادت کا رتبہ حاصل نہ کرتے، اسی طرح حضرت طلحہؓ کا یہ عمل تاویل کی غلطی اور ادائے واجب میں کوتاہی قرار دیا جا سکتا ہے تو بھی آپ کو شہادت کا مقام حاصل نہ ہوتا کیوں کہ شہادت تو صرف اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کوئی شخص اطاعت ربانی میں قتل ہوا ہو لہٰذا ان حضرات کے معاملہ کو اسی عقیدہ پر محمول کرنا ضروری ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے

اسی بات کی دوسری دلیل وہ صحیح اور معروف ومشہور احادیث ہیں جو خود حضرت علیؓ سے مروی ہیں اور جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا زبیر کا قاتل جہنم میں ہے۔

نیز حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ صفیہ کے بیٹے کے قاتل کو جہنم کی خبر دے دو، جب یہ بات ہے تو ثابت ہو گیا کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ عاصی اور گنہگار نہیں ہوئے اگر ایسا نہ ہوتا تو آنحضرت صلعم حضرت طلحہ کو شہید نہ فرماتے، اور حضرت زبیر کے قاتل کے بارے میں پیشین گوئی نہ فرماتے نیز ان کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہے جن کے جنتی ہونے کی شہادت تقریباً متواتر ہے۔

اسی طرح جو صحابہ جنگوں میں کنارہ کش رہے انہیں بھی تاویل میں خطا کار نہیں کہا جا سکتا بلکہ ان کا طرز عمل بھی اس لحاظ سے درست تھا کہ اللہ تعالٰی نے ان کو اجتہاد میں ایسی رائے پر قائم رکھا، جب یہ بات ہے تو اس وجہ سے ان حضرات پر لعن طعن کرنا اور ان سے برأت کا اظہار کرنا اور انہیں فاسق قرار دینا ، ان کے فضائل ومجاہدات اور عظیم دینی خدمات کو کالعدم قرار دینا کسی طرح درست نہیں ہے بعض علماء سے دریافت کیا گیا کہ اس خون کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو صحابہ کرام کے باہمی مشاجرات میں بہایا گیا تو انہوں نے جواب میں یہ آیت پڑھ دی (تلک امة قد خلت لها ما کسبت ولکم

ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون، یہ ایک امت تھی جو گذر گئی ان کے اعمال انکے ساتھ ساتھ ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ ہیں اور تم سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا کسی بزرگ سے یہی سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا یہ ایسا خون ہے کہ اللہ نے میرے ہاتھوں کو اس میں رنگنے سے بچالیا اب میں اپنی زبان کو اس میں کیوں آلودہ کروں؟ مطلب یہ تھا کہ میں کسی فریق کے معاملہ میں یقینی طور پر خطا کار ٹھہرانے کی غلطی میں مبتلا نہیں ہونا چاہتا۔

حسن بصری سے صحابہ کے قتال کے بارے میں معلوم کیا گیا تو انہوں نے فرمایا یہ ایسی لڑائی تھی جس میں صحابہ موجود تھے اور ہم غائب وہ پورے حالات کو جانتے تھے ہم نہیں جانتے جس معاملہ پر تمام صحابہ کا اتفاق ہے ہم اس میں ان کی پیروی کرتے ہیں۔ اور جس معاملہ میں ان کے درمیان اختلاف ہے اس میں سکوت اختیار کرتے ہیں۔

(تفسیر قرطبی ص۳۲۲ ج ۶ بحوالہ مقام صحابہ)

اس طویل عبارت میں علامہ قرطبی نے اہل سنت کے عقیدہ کی بہترین ترجمانی کی ہے عبارت کے شروع میں انہوں نے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کی شہادت سے متعلق جو حدیثیں نقل فرمائی ہیں ان سے اس مسئلہ پر خاص روشنی پڑتی ہے، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضہ دونوں حضرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ میں سے ہیں اور ان دس حضرات میں آپ کا نام بھی ہے جن کے بارے میں آنحضرت صلعم نے نام لے کر ان کے جنتی ہونے کی خوشخبری دی ہے جن کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے اور ان دونوں حضرات نے حضرت عثمان رضہ کے قصاص کا مطالبہ کرنے کے لیے حضرت علی رضہ کا مقابلہ کیا، آنحضرت صلعم نے ان کے لیے بھی شہادت کی پیشین گوئی فرمائی غور کیا جائے تو یہی ارشادات اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان جنگوں میں کوئی فریق بھی کھلے باطل پر نہ تھا، بلکہ ہر فریق اللہ کی رضامندی کے لیے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق کام کر رہا تھا، ورنہ ظاہر ہے کہ اگر یہ اختلاف حق و باطل کا اختلاف ہوتا تو ہر ایک فریق کے رہنماؤں کے لیے بیک وقت شہادت کے لیے پیشین گوئی نہ فرمائی جاتی، ان ارشادات نے یہ واضح کر دیا کہ حضرت طلحہ و زبیر بھی اللہ کی خوشنودی کے لیے

لڑ رہے تھے اس لیے وہ بھی شہید ہیں اور ادھر حضرت عمار بن یاسر کا مقصد بھی رضائے الٰہی کے حصول کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ بھی لائق مدح وستائش ہیں دونوں کا اختلاف کسی دنیوی غرض سے نہیں بلکہ اجتہاد ورائے کی بنا پر تھا اور ان میں سے کسی بھی فریق کو مجروح ومطعون نہیں کیا جا سکتا۔

مشاجرات صحابہ کے بارے میں شیعی عقیدہ

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان جو اختلافات رونما ہوئے ان میں سب سے زیادہ اہم واقعے جمل اور صفین کے ہیں جن میں قتل وقتال وخونریزی تک نوبت پہنچی، واقعہ جمل میں حضرت علیؓ اور ان کے ہمنوا ایک طرف تھے اور حضرت طلحہ وحضرت زبیر وحضرت عائشہ صدیقہؓ اور ان کے ہمنوا دوسری طرف، اور واقعہ صفین حضرت علی اور حضرت معاویہ کے درمیان پیش آیا، حضرت علیؓ کے ساتھ جن حضرات نے مخالفت یا محاربہ کیا وہ شیعی عقیدہ کے مطابق کافر اور غاصب اور ظالم ہیں ان پر تبرا کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ واجب ہے یہاں تک کہ تین صحابہ (۱) ابوذر (۲) مقداد (۳) سلمان فارسی کے علاوہ تمام صحابہ مرتد ہیں، (تفسیر صافی ص۳۸۹)

شیعوں کی مستند اور معتبر کتاب "آیات بینات" میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں لکھا ہے "ہر کہ در کفر آں شک کند کافر است"، جو کوئی ان کے (صحابہ) کے کفر میں شک کرے کافر ہے، خمینی کے ممدوح ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں، حضرت امام زین العابدین سے ان کے آزاد کردہ غلام نے کہا کہ میرا جو آپ پر حق خدمت ہے اس کی وجہ سے حضرت ابوبکر وعمر کا حال سنائیں۔

حضرت فرمود — وکافر بودند ہر کہ ایشاں را دوست دارد کافر است "حق الیقین ص۵۲۲"، حضرت نے فرمایا دونوں کافر تھے (العیاذ باللہ) اور جو کوئی ان سے دوستی رکھے وہ بھی کافر ہے

پہلا جواب: — پہلا جواب یہ ہے کہ اہل بیت بلکہ شیعوں کے بعض ائمہ کے درمیان نہ صرف یہ کہ اختلاف رہا ہے بلکہ مخالفت اور انکار امامت تک نوبت پہنچی ہے لہذا جو تاویل وتطبیق شیعہ حضرات اپنے ائمہ کے مشاجرات کی کرتے ہیں وہی دیگر صحابہ کے اختلاف کی

کرنی چاہیے مثلاً (۱) ملا محمد رفیع واعظ نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہ زہراؓ کے درمیان ناچاقی اور نااتفاقی کا واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت حضرت فاطمہ زہراؓ کے گھر تشریف لے گئے، حضرت علیؓ کو گھر موجود نہ پاکر فرمانے لگے میرے چچازاد بھائی کہاں ہیں، ؟ حضرت فاطمہؓ نے فرمایا میرے اور علی کے درمیان کچھ ان بن ہو گئی ہے جس کی وجہ سے آج اُنہوں نے گھر قیلولہ نہیں کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ علی رضؓ مسجد میں زمین پر لیٹے ہوئے ہیں اور آپ کا چہرہ اور سر گرد آلود ہے تو آپؐ نے فرمایا "قم یا ابا تراب قم یا ابا تراب" اے ابو تراب اٹھو اے ابو تراب اٹھو،

صحابہ کرام اور ازواج مطہرات سے کوئی ایسا فعل یا قول صادر نہیں ہوا جو ان کے کفر کا سبب ہو، سوائے اس کے کہ فدک اور خلافت جیسے مسئلہ میں حضرت علیؓ سے مخالفت رونما ہوئی اور محاربہ تک نوبت پہنچی۔

(۲) محمد بن حنفیہ (جو کہ حضرت علیؓ کے صاحبزادے ہیں) اور چوتھے امام زین العابدین جو کہ امام حسین رضؓ کے صاحبزادے ہیں اور حضرت علیؓ کے پوتے ہیں اور بارہ اماموں میں سے ایک ہیں) کے درمیان سخت اختلاف تھا یہاں تک کہ محمد بن حنفیہ زین العابدین کی امامت کے بھی منکر تھے اور بقول شیعہ حضرات اپنی امامت کے مدعی بھی تھے اور اپنی اولاد کو امامت کی وصیت کر کے دنیا سے رخصت ہوئے اور جو نذر نیاز اور خمس وغیرہ مختار بھیجتا تھا اس میں سے امام زین العابدین کو کچھ نہیں دیتے تھے اور وفات کے وقت اپنے بیٹے ہاشم کو امامت کی وصیت کی۔

(۳) زید شہید بن علی بن حسین جو کہ امام حسین کے پوتے تھے اور امامت کے مدعی تھے اپنے حقیقی بھائی باقر بن علی بن حسین (جو کہ بارہ اماموں میں سے پانچویں امام ہیں) کے ساتھ سخت اختلاف تھا یہاں تک کہ امام باقر کی امامت کے بھی منکر تھے، زید شہید نے اس کے بارے میں ہشام بن الحکم سے مناظرہ بھی کیا، مگر دعویٰ امامت سے دست بردار نہیں ہوئے، یہاں تک کہ لڑ کر شہید ہوئے پھر ان کی اولاد یحییٰ و متوکل سے برسرپیکار رہی۔

(۴) امام جعفر صادق کی اولاد بھی آپس میں برسرپیکار رہی، عبداللہ افطح بن امام جعفر اور ان کے بھائی اسحاق بن امام جعفر دونوں امامت کے دعویدار تھے اور آپس میں ایک دوسرے کی امامت کے منکر تھے۔

(۵) اسی طرح امام حسن کی اولاد میں ایک جماعت مدعی امامت اور دوسروں کی امامت کی منکر تھی مثلاً نفس زکیہ وغیرہ اپنی امامت کے مدعی اور دوسروں کی امامت کے منکر تھے اور نوبت مخالفت سے گذر کر جنگ و جدال اور کشت و خون تک پہنچی تھی، لہذا اگر انکارِ امامت انکارِ نبوت کی طرح ہے تو مذکورہ تمام اہلِ بیت کافر قرار پاتے ہیں۔ اہلِ بیت میں مذکورہ مخالفت بلکہ خون ریزی کے باوجود شیعہ حضرات ان بزرگوں کو نیکی سے یاد کرتے ہیں اور واجب المحبت اور واجب الاحترام جانتے ہیں

(۶) چھٹے امام صادق کے پانچوں بیٹے (۱) محمد بن جعفر (۲) اسحٰق بن جعفر (۳) عبداللہ افطح بن جعفر (۴) موسیٰ بن جعفر (۵) اسماعیل بن جعفر، امامت کے بارے میں آپس میں شدید اختلاف رکھتے تھے، عبداللہ افطح اسماعیل کے حقیقی بھائی ہیں اسماعیل امام جعفر کی اولاد میں سب سے بڑے تھے اسماعیل کا اپنے والد جعفر ہی کے زندگی میں انتقال ہو گیا تھا حالانکہ امام جعفر نے خدا کے حکم سے اپنے بعد کے لیے اسمٰعیل کو امامت کے لیے نامزد کیا تھا اسماعیل کے انتقال کے بعد دوسرے بیٹے موسیٰ کو امام نامزد کیا اور اسماعیل کے بارے میں کہدیا کہ اللہ تعالیٰ کو اسماعیل کے نامزد کرنے میں "بدا" (دھوکا) ہو گیا تھا (نعوذ باللہ)

غرضیکہ اسماعیل کے انتقال کے بعد ان کے حقیقی بھائی عبداللہ افطح نے امامت کا دعویٰ کیا عبداللہ کے ساتھ ہی عبداللہ کے دوسرے بھائی محمد بن جعفر نے امامت کا دعویٰ کیا خلاصہ یہ کہ ان صاحبان اہل بیت کی آپس میں مخالفت اور ایک دوسرے کی امامت سے انکار کوئی ایسی چیز نہیں جو کسی صاحب علم سے پوشیدہ ہو۔

(۷) گیارہویں امام حسن عسکری اور ان کے حقیقی بھائی جعفر بن علی کے درمیان تو لعن طعن سب و شتم اور تفسیق و تذلیل اور ارتکاب کبائر تک کے الزام کی نوبت پہنچی شیعہ حضرات بھی اس سے خوب واقف ہیں ان تمام حالات کے باوجود شیعہ حضرات ان بزرگانِ اہلِ بیت

کو مقبول اور واجب التعظیم سمجھتے ہیں۔

(۸) مختار جو کہ محمد بن حنفیہ بن علی بن ابی طالب کا معتمد اور نمائندہ تھا امام زین العابدین (چوتھے امام) کی امامت سے صراحۃً انکار کرتا تھا، یہاں تک کہ حضرت علی رض کے صلبی بیٹے عبداللہ کو کوفہ میں قتل کرادیا تھا اس کے باوجود قاضی نوراللہ شوشتری نے مختار کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کی حسنِ عقیدت میں شیعوں کو کوئی کلام نہیں ہے (تحفۂ اثنا عشریہ صـ۶۲۰)

دوسرا جواب:۔ صحابہ کرام کے درمیان بعض معاملات میں اختلاف تھا مگر عداوت نہیں تھی، اس لیے کہ اختلاف عداوت کو مستلزم نہیں ہوتا،۔

عداوت، اختلاف کو مستلزم ہوتی ہے، اسی نقطہ کی جانب اشداء علی الکفار رحماء بینہم میں اشارہ ملتا ہے اور اگر عداوت اور اختلاف میں فرق تسلیم نہ کیا جائے تو اہلِ بیت اور ائمہ کے درمیان واقع ہونے والے اختلاف کی کیا توجیہ ہوگی؟

اب غور طلب بات یہ ہے کہ مخالفت اور محاربہ نیز غصب شیعہ علماء کے نزدیک کفر ہے یا نہیں، اس بارے میں دو قول مشہور ہیں (۱) ایک قول خواجہ نصیر الدین طوسی کا ہے فرماتے ہیں۔ مخالفوہ فسقۃ ومحاربوہ کفرۃ، حضرت علی رض سے مخالفت رکھنے والے فاسق ہیں اور لڑنے والے کافر، لہٰذا صحابہ میں سے جنہوں نے صرف مخالفت کی وہ نہ کافر ہیں اور نہ قابلِ تبرا، کیوں کہ ان کا معاملہ زیادہ سے زیادہ مخالفت کی وجہ سے فسق تک پہنچتا ہے اور فاسق مومن ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "والمومنون والمومنات بعضہم اولیاء بعض"، مومن مرد اور عورتیں آپس میں دوست ہیں، گویا شیخین اور حضرت عثمان کی خود اصول شیعہ کے مطابق تکفیر جائز نہیں ہے اور نہ تبرا۔

اب رہا ان مہاجرین و انصار کا معاملہ جنہوں نے حضرت سے محاربہ کیا مثلاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت زبیر و حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم، تو شیعہ حضرات ان کے بارے میں بہت متردد ہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ شیعہ متقدمین مخالفت اور محاربت میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے اور اس کو کافر کہتے تھے اور سب سے سب وشتم اور تبرا کرتے تھے لیکن متاخرین اس پر متنبہ ہوئے کہ اگر ہم نے امامت کو بمنزلہ نبوت جان کر امامت کے

منکر کو کافر شمار کیا تو ہمارے اصول مذہب میں بہت کچھ خلل واقع ہوگا، ان میں سے ایک یہ کہ حضرات ائمہ بلا تکلف اور بغیر کسی مجبوری کے ان حضرات کے ساتھ رشتہ بندی کرتے تھے آپس میں لڑکیاں لیتے بھی تھے اور دیتے بھی تھے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی لڑکی ام کلثوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دی اور حضرت سکینہ بنت حسین رض کا نکاح مصعب بن زبیر سے ہوا اور قاسم بن محمد بن ابی بکر کی لڑکی سے پانچویں امام امام باقر نے نکاح کیا اسی طرح کا عمل تمام ائمہ کے درمیان جاری تھا، غرضیکہ مذکورہ اہل بیت اور ائمہ کا معاملہ ان حضرات منکرین امامت کے ساتھ ایسا ہرگز نہیں تھا جیسا کہ منکرین رسالت کے ساتھ

اس کے برخلاف صحابۂ کرام اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم حضرت علی کے ساتھ لڑائی کا ارادہ نہیں رکھتے تھے بلکہ قاتلین عثمان رض سے قصاص لینے میں حضرت علی رض کی مدد مقصود تھی قریب تھا کہ صلح ہو جائے لیکن صلح ہونے میں قاتلین عثمان رض کو اپنی موت نظر آرہی تھی فسادیوں کو اپنی خیر اسی میں نظر آرہی تھی کہ صلح نہ ہو چنانچہ فریقین کے علی الرغم فسادیوں نے جنگ چھیڑ دی اور ابتدار کا الزام ایک دوسرے پر رکھنا شروع کر دیا جس کے نتیجہ میں واقعہ جمل پیش آگیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت طلحہ اور زبیر حضرت علی کے بدخواہ نہیں تھے بلکہ حمایتی اور مددگار تھے اور ان کا اختلاف نیک نیتی اور اخلاص پر مبنی تھا۔

فریقین کی نیک نیتی کا ثبوت

حضرت قعقاع بن عمر کو حضرت علی رض نے بصرہ کی طرف اس لیے روانہ کیا تھا کہ جا کر ام المومنین حضرت عائشہ اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر سے ان کا عندیہ معلوم کریں اور جہاں تک ہو سکے صلح اور آشتی کی طرف مائل کریں اور بیعت کی تجدید پر آمادہ کریں، چنانچہ قعقاع بن عمر نے بصرہ پہنچ کر ان حضرات سے ملاقات کی اور حضرت عائشہ سے عرض کیا کہ آپ کو اس کام پر کس چیز نے آمادہ کیا ہے اور آپ کی کیا خواہش ہے؟ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ میرا مقصد صرف مسلمانوں کی اصلاح اور ان کو قرآن پر عامل بنانا ہے، حضرت طلحہ اور زبیر بھی وہیں موجود تھے اور ان سے بھی یہی سوال کیا گیا اور انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت عائشہ نے دیا تھا، یہ سن کر حضرت قعقاع نے عرض کیا کہ اگر آپ کا مقصد اصلاح اور عمل بالقرآن ہے تو یہ مقصد اس طرح

تو حاصل نہیں ہو سکتا جس طرح آپ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ان بزرگوں نے کہا قرآن میں قصاص کا حکم ہے ہم حضرت عثمان کا قصاص لینا چاہتے ہیں حضرت قعقاع نے کہا قصاص اس طرح کہاں لیا جاتا ہے؟ اول امامت و خلافت کا قیام و استحکام ضروری ہے تاکہ امن و امان قائم ہو اس کے بعد آسانی سے قاتلین عثمان سے قصاص لیا جا سکتا ہے لیکن امن و امان و نظام ملکی باقی نہ رہے تو ہر شخص کہاں مجاز ہے کہ وہ قصاص لے، دیکھو یہیں آپ نے بصرہ میں بہت سے آدمیوں کو قصاص عثمانی میں قتل کر دیا لیکن حرقوص بن زبیر آپ کے ہاتھ نہیں آیا آپ نے اس کا تعاقب کیا تو چھ ہزار آدمی اس کی حمایت میں آپ سے لڑنے کے لیے تیار ہو گئے اور آپ نے اس کا تعاقب مصلحۃً ترک کر دیا اسی طرح اگر حضرت علی مصلحۃً فتنہ کے دبانے اور طاقت حاصل کرنے کے انتظار میں مجبوراً فوراً قصاص نہ لے سکے تو آپ کو انتظار کرنا چاہیے تھا۔ آپ کے لیے یہ کہاں جائز تھا کہ آپ قصاص کے لیے خود کھڑے ہو جائیں اور اس فتنہ کو بڑھا دیں اس طرح تو فتنہ اور ترقی کرے گا مسلمانوں میں خوں ریزی ہوگی اور قاتلین عثمان جو اصل مجرم ہیں قصاص سے بچ جائیں گے۔

یہ باتیں کہکر آخر میں قعقاع بن عمر نے نہایت دل سوزی کے ساتھ کہا اے بزرگو اس وقت سب سے بڑی اصلاح تو یہی ہے کہ آپس میں صلاح کر لو تاکہ مسلمانوں کو امن و عافیت حاصل ہو آپ حضرات مفاتیح الخیر اور انجم ہدایت ہیں آپ برائے خدا ہم لوگوں کو آزمائش میں نہ ڈالیں ورنہ یاد رہے آپ بھی اس آزمائش میں مبتلا ہو جائیں گے اور امت مسلمہ کو بڑا نقصان پہنچے گا۔

حضرت قعقاع کی ان باتوں کا حضرت عائشہ رضؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ کے دلوں پر بڑا اثر ہوا اور انہوں نے کہا کہ اگر حضرت علی کے یہی خیالات ہیں جو آپ نے بیان کیے اور وہ قاتلین عثمان سے قصاص لینے کا ارادہ رکھتے ہیں تو پھر لڑائی و مخالفت کی کوئی بات باقی نہیں رہتی۔ ہم اب تک یہی سمجھ رہے تھے کہ حضرت علی رضؓ قاتلین عثمان سے ہمدردی رکھتے ہیں اور قصاص کا ارادہ نہیں رکھتے اس لیے کہ قاتلین عثمان ان کے لشکر میں شریک ہیں قعقاع نے کہا کہ میں نے جو کچھ کہا حضرت کے خیالات کی ترجمانی کی ہے ان حضرات

نے کہا پھر ہم کو ان سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔
جب قعقاع حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے تمام کیفیت گوش گذار کی تو حضرت علی بہت خوش ہوئے۔ اہل بصرہ کے وفد نے جو کہ حضرت قعقاع کے ساتھ حالات کا جائزہ لینے کے لیے آیا تھا کو ذ والوں سے جو حضرت علی کے لشکر میں شریک تھے ان کی رائے اور خیالات معلوم کیے تو سب نے صلح و آشتی کو بہتر و مناسب سمجھا، پھر حضرت علی نے اہل بصرہ کی وفد کو اپنی خدمت میں طلب کیا اور ہر طرح اطمینان دلایا یہ لوگ بھی خوش وخرم واپس آئے اور سب کو مصالحت کے یقینی ہونے کی خوشخبری سنائی صلح کی تمہید قائم ہو جانے کے بعد حضرت علی رضؓ نے لشکر کو جمع کیا اور ایک پرتاثیر تقریر فرمائی اور حکم دیا کہ کل بصرہ کی جانب ہمارا سفر ہوگا۔ اور یہ سفر صلح و آشتی کے لیے ہوگا، نہ کہ جنگ و پیکار کے لیے، اور ساتھ آپ نے یہ حکم دیا جو لوگ محاصرۂ عثمان میں شریک تھے وہ ہمارے ساتھ نہ چلیں بلکہ ہمارے لشکر سے الگ ہو جائیں، یہ تقریر اور حکم سن کر اہل بصرہ اور عبداللہ بن سبا کو بڑی فکر ہوئی، حضرت علی رضؓ کی لشکر میں ایسے لوگوں کی تعداد دو ڈھائی ہزار کے قریب تھی جن میں بعض حضرات بڑے چالاک تھے اور باثر بھی تھے ان لوگوں کی عبداللہ بن سبا نے ایک خفیہ خصوصی میٹنگ کی اس خاص میٹنگ میں عبداللہ بن سبا بن ملجم اشتر وغیرہ شریک تھے آپس میں کہنے لگے، اب تک تو طلحہ و زبیرؓ قصاص کے خواہاں تھے لیکن اب تو امیر المومنین بھی انہی کے ہم خیال معلوم ہو رہے ہیں اگر ان کی آپس میں صلح ہو گئی تو متفق ہونے کے بعد ضرور ہم سے قصاص لے لیں گے، اشتر نے کہا طلحہ ہوں یا زبیر یا علی ہمارے متعلق تو سب کی رائے ایک ہی ہے اب جو یہ صلح ہو گی یقیناً ہمارے خون پر صلح ہوگی، لہٰذا میرے نزدیک یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ طلحہ، زبیر و علی تینوں کو عثمان کے پاس پہنچا دیں، عبداللہ بن سبا نے جو اس مجلس کا صدر تھا کہا کہ ہم لوگوں کی تعداد بہت کم ہے اور حضرت علی کے ساتھ اس وقت بیس ہزار کا لشکر ہے اسی طرح طلحہ و زبیر کے ساتھ تیس ہزار کا لشکر ہے ہمارے لیے اپنے مقصد کا پورا کرنا نہایت دشوار ہے مختلف آراء و تبادلہ خیال کے بعد عبداللہ بن سبا یہودی نے کہا کہ بھائیو ہم سب کے لیے بہتری اسی میں ہے کہ سب کے

سب حضرت علی کے لشکر میں ملے جلے رہیں الگ نہ ہوں اور اگر وہ بالغرض الگ بھی کر دیں تو زیادہ فاصلہ پر نہ رہیں اور یہ کہدیں کہ ہم اس لیے آپ سے قریب رہنا چاہتے ہیں کہ مبادا صلح نہ ہو اور جنگ چھڑ جائے تو ہم بر وقت شریک جنگ ہو کر آپ کی امداد کر سکیں، اور ہم کو کوشش کرنی چاہیے کہ کسی صورت میں جنگ چھڑ جائے اور صلح نہ ہونے پائے اور یہ کچھ مشکل کام نہیں ہے جب فریقین آپس میں لڑ پڑیں گے تو ہمارے لیے کوئی خطرہ باقی نہ رہیگا

غرضیکہ حضرت علی رض مع اپنے لشکر کے بصرہ کے قریب پہنچ گئے قصر عبداللہ کے میدان میں خیمہ زن ہوئے حضرت طلحہ وزبیر رض بھی اسی میدان میں فروکش ہوئے ایک روز حضرت علی ہی کے ایک شخص نے حضرت علی رض سے متعدد سوالات کیے ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ اگر کل مقابلہ ہو گیا اور لڑائی چھڑ گئی تو ہمارا اور ان کا کیا حال ہوگا ؟ حضرت علی نے جواب دیا ہمارے اور ان کے مقتولین جنت میں ہوں گے (یہ اس بات کی دلیل ہے کہ فریقین خود کو حق پر سمجھتے تھے) اس کے بعد حضرت علی نے حضرت زبیر کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر آپ اس اقرار پر کہ جس کی خبر قعقاع نے دی ہے قائم رہیں تو لڑائی سے رکے رہیں حضرت زبیر نے کہلا بھیجا کہ آپ مطمئن رہیں ہم اپنے اقرار پر قائم ہیں

اس کے بعد حضرت طلحہ وزبیر لشکر سے نکل کر میدان میں آئے ادھر سے حضرت علی میدان میں تشریف لائے اور اس قدر قریب ہو گئے کہ دونوں کے گھوڑوں کے منہ آپس میں مل گئے اور آپس میں گفتگو شروع ہوئی، حضرت علی نے کلام کی ابتدا کرتے ہوئے حضرت طلحہ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا، اے طلحہ! تم نے میری مخالفت اور میری دشمنی کے لیے یہ لشکر جمع کیا ہے اور میرے مقابلے پر آئے ہو کیا عنداللہ تم کوئی عذر پیش کر سکتے ہو؟ اور اپنے اس کام کو جائز ثابت کر سکتے ہو؟ کیا میں تمہارا دینی بھائی نہیں ہوں؟ کیا تم پر میرا اور مجھ پر تمہارا خون حرام نہیں ہے؟

حضرت طلحہ: نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کیا آپ نے حضرت عثمان کے قتل میں سازش نہیں کی؟۔

حضرت علی:۔ خدا دانا و بینا ہے وہ قاتلین عثمان پر لعنت بھیجے گا۔ اس کے بعد

حضرت علی حضرت زبیر کے طرف متوجہ ہوئے ۔

حضرت علی :۔ کیا تم کو وہ دن یاد نہیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے فرمایا تھا کہ تم ایک شخص سے لڑو گے اور تم اس پر ظلم کرنے والے ہو گے ۔

حضرت زبیر :۔ نے یہ سنکر فرمایا ہاں مجھے یاد آگیا لیکن آپ نے میری روانگی سے پہلے مجھے یہ بات کیوں یاد نہیں دلائی ؟ ورنہ میں مدینہ سے روانہ نہ ہوتا اور اب واللہ میں تم سے ہرگز نہ لڑوں گا ۔

اس گفتگو کے بعد ایک دوسرے سے جدا ہو گئے حضرت زبیر نے اپنے لشکر میں جاکر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ آج مجھے علی نے ایسی بات یاد دلائی ہے کہ ان سے کسی حال میں نہیں لڑ سکتا میرا ارادہ ہے کہ مدینہ واپس چلا جاؤں ، حضرت ام المومنین پہلے ہی سے اس قسم کا خیال رکھتی تھیں کیوں کہ ان کو چشمۂ حواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی یاد آ گئی تھی ۔

نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علی کی طرف سے عبداللہ بن عباس حضرت زبیر کی خدمت میں اور حضرت طلحہ و زبیر کی طرف سے محمد بن طلحہ حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صلح کے تمام شرائط تیسرے دن شام کے وقت مکمل ہو گئے اور یہ بات طے پائی کہ صلح نامہ کل صبح لکھا جائے گا اور فریقین کے دستخط ہو جائیں گے ۔

ادھر عبداللہ بن سبا اور اس کے ہم خیال بلوائیوں کو شرارت آمیز ارادوں کو پورا کرنے کا موقع نہ ملا ، اب جب کہ بلوائیوں کو معلوم ہوا کہ کل صبح صلح نامہ لکھا جائے گا تو بہت فکرمند ہوئے اور رات بھر مشورے کرتے رہے آخر صبح تڑکے حضرت طلحہ و زبیر کے لشکر پر بلوائیوں نے حملہ کر دیا ، حضرت طلحہ و زبیر کے لشکر نے مدافعت میں ہتھیار اٹھا لیے اس طرح پورے لشکر میں لڑائی پھیل گئی لڑائی کا شور سنکر حضرت طلحہ و زبیر خیموں سے نکلے اور شور و غل کا سبب معلوم کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت علی کی فوج نے اچانک حملہ کر دیا بہت افسوس ہوا ، ادھر شور و غل سن کر حضرت علی خیمہ سے نکلے اور شور و غل کا سبب معلوم کیا تو جواب ملا کہ حضرت طلحہ و زبیر کے لشکر نے ہمارے لشکر پر اچانک حملہ کر دیا حضرت علی کو بہت افسوس ہوا ، فریقین کے

سپہ سالاروں میں سے ہرایک نے دوسرے کو مجرم سمجھا اور حقیقت اصلیہ سے دونوں بے خبر اور ناواقف رہے۔

جب لڑائی شدت اختیار کر گئی تو حضرت طلحہ نے ارادہ کیا کہ میں بھی حضرت علی کا مقابلہ ہرگز نہ کروں گا اسی خیال میں وہ لشکر سے الگ ہو کر ایک طرف کھڑے ہوئے حضرت علیؓ کی باتوں پر غور کر رہے تھے اور حضرت زبیر اور حضرت علی کی گفتگو اور عمار بن یاسر کی پیشین گوئی کو یاد کر کے اس لڑائی سے بالکل جدا اور غیر جانب دار ہونا چاہتے تھے اس حالت میں مروان بن حکم نے ان کو دیکھا اور سمجھ گیا کہ وہ لڑائی میں حصہ نہیں لینا چاہتے اور صاف بچ نکلنا چاہتے ہیں چنانچہ اس نے اپنے غلام کو اشارہ کیا اس نے مروان کے چہرے پر چادر ڈال دی، مروان نے چادر سے اپنا منہ چھپا کر تاکہ اس کی کوئی شناخت نہ کر سکے ایک زہر آلود تیر کمان میں جوڑ کر حضرت طلحہ کو نشانہ بنایا یہ تیر حضرت طلحہ کے پیر کو زخمی کر کے گھوڑے کے پیٹ میں لگا اور گھوڑا حضرت طلحہ کو لے کر گرا حضرت طلحہ نے اٹھ کر حضرت علی کے غلام کو جو اتفاق سے ادھر آ نکلا تھا بلایا اور اس کے ہاتھ پر یا قعقاع کے ہاتھ پر جو وہاں آ گئے تھے حضرت علیؓ کی بیعت کی اور اس تجدید بیعت کے بعد بصرہ میں آ کر انتقال فرمایا، حضرت علیؓ کو جب یہ معلوم ہوا تو حضرت طلحہ کے لیے دعا کی اور بہت تعریف اور افسوس کرتے رہے۔

مذکورہ تاریخی واقعات سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ فریقین کا اختلاف خلوص اور اجتہاد پر مبنی تھا اور ہر فریق خود کو حق پر سمجھتا تھا اور اپنے اجتہاد پر عمل نہ کرنے کی صورت میں عنداللہ جواب دہ اور گنہگار سمجھتا تھا، یہی وجہ تھی کہ لڑائی بند ہونے کے بعد ایک دوسرے کے مقتولین کی تجہیز و تکفین میں شریک ہوئے تھے، مذکورہ پوری تفصیل البدایہ والنہایہ ص۲۴۷ ج۷ سے ماخوذ ہے۔

جنگ صفین میں بلوائیوں کا کردار اور فریقین کی نیک نیتی

اس میں کوئی شک نہیں کہ واقعہ جمل ہو یا واقعہ صفین دونوں ہی خطاء اجتہادی اور سبائیوں کی سازش اور ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھے، حضرت امیر معاویہ رض حضرت عثمان غنی کے ہم جد قریبی رشتہ دار اور قصاص عثمانی کے وارث ہونے کی وجہ سے قصاص کا مطالبہ کر رہے تھے اور وہ اس کو اپنا شرعی حق سمجھتے تھے ادھر حضرت علی کے لشکر میں قاتلان عثمان بے شریک بلکہ اہم اور با اثر عہدوں پر فائز ہونے کی وجہ سے حضرت امیر معاویہ رض کے اس شبہ کی مزید تقویت ہو رہی تھی کہ حضرت علی قاتلان عثمان سے قصاص لینے کا ارادہ نہیں رکھتے، اشتر جو کہ حضرت عثمان غنی رض کے قتل میں پیش پیش اور بلوائیوں کا سرغنہ تھا وہ حضرت علی کی فوج کا سپہ سالار بنا ہوا تھا اور حضرت علی کا دست راست سمجھا جاتا تھا، حضرت طلحہ و حضرت زبیر و حضرت عائشہ صدیقہ کے خروج اور مدینہ کے کئی اکابر صحابہ کے حضرت کی بیعت سے احتراز کرنے کی وجہ سے شبہ ظن غالب میں تبدیل ہو گیا تھا،

ادھر حضرت علی اور امیر معاویہ کی بالواسطہ گفتگو اور سفارت کے ناکام ہو جانے کی وجہ سے امیر معاویہ کا ظن غالب یقین میں تبدیل ہو رہا تھا حضرت علی کی جانب سے ابو مسلم خولانی کی سرکردگی میں جو وفد حضرت امیر معاویہ سے صلح کے متعلق گفتگو کرنے کے لیے شام گیا ان کی آپس میں جو گفتگو ہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ کا اصل مطالبہ اور پہلی شرط قاتلین عثمان سے قصاص لینا تھا مذکورہ شرط کے پورا کرنے کی صورت میں حضرت امیر معاویہ حضرت علی کی بیعت کے لیے آمادہ نظر آتے ہیں۔

صاحب البدایہ والنہایہ نے جو حضرت معاویہ اور ابو مسلم خولانی کی گفتگو نقل کی ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے

ان ابا مسلم الخولانی وجماعة معه دخلوا على معاوية فقالوا له: انت تنازع عليا ام انت	ابو مسلم خولانی اور ان کے ساتھ ایک جماعت حضرت امیر معاویہ کے پاس گئی، اور حضرت امیر معاویہ سے کہا کہ آپ حضرت علی سے

مثلہ، فقال واللہ انی لا علم انہ خیر منی وافضل واحق بالامر منی ولکن الستم تعلمون ان عثمان قتل مظلوما وانا ابن عمہ وانا اطلب بدمہ وامرہ الی فقولوا لہ سلم الی قتلۃ عثمان وانا اسلم لہ امرہ فاتوا علیا فکلموا فی ذالک فلم یدفع الیہم واحدا فعند ذالک صمم اہل الشام علی القتال مع معاویہ۔

(البدایہ والنہایہ ص۱۲۹/۸)

نزاع کرتے ہیں کیا آپ ان کے مثل ہیں حضرت امیر معاویہ نے فرمایا، واللہ میں اس بات سے بخوبی واقف ہوں کہ حضرت علی مجھ سے افضل اور بہتر ہیں اور خلافت کے مجھ سے زیادہ حقدار ہیں، لیکن کیا آپ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ حضرت عثمان ظلما قتل کیے گئے؟ اور میں ان کا چچازاد بھائی ہوں؟ اور میں ان کے قصاص کا طالب ہوں؟ اور وہ میری ذمہ داری ہے؟ آپ حضرت علی سے جاکر کہیں کہ قاتلین عثمان کو میرے سپرد کردیں میں امر خلافت ان کے سپرد کردوں گا

چنانچہ یہ حضرات حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے اس معاملہ میں گفتگو کی مگر حضرت علی نے ایک فرد بھی حضرت امیر معاویہ کے حوالہ نہیں کیا لہٰذا اس کے بعد اہل شام نے جنگ کا عزم مصمم کرلیا۔

تقریبًا انہی الفاظ کے ساتھ علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں سند کے ساتھ روایت نقل کی ہے

ثم قال الجعفی حدثنا یعلی بن عبید عن ابیہ جاء ابو مسلم الخولانی و اناس الی معاویۃ وقالوا انت تنازع علیا ام انت مثلہ فقال لا واللہ انی لاعلم انہ افضل منی واحق بالامر منی ولکن الستم تعلمون ان عثمان قتل مظلوما وانا ابن

ابومسلم الخولانی اور چند لوگ حضرت امیر معاویہ کے پاس آئے اور کہا آپ حضرت علی سے نزاع کرتے ہیں کیا آپ ان کے مثل ہیں امیر معاویہ نے فرمایا واللہ میں بخوبی واقف ہوں کہ حضرت علی مجھ سے افضل اور امر خلافت میں مجھ سے زیادہ حق ہیں لیکن کیا آپ نہیں جانتے کہ حضرت عثمان

عمه والطالب بدمه فاتوه فقولوا له فليدفع الى قتلة عثمان و اسلم له فاتوا عليا فكلموه فلم يدفعهم اليه۔ (بحوالہ البدایۃ والنہایہ ص ۱۲۹)

ظلماً قتل کیے گئے اور میں ان کا چچازاد بھائی ہوں لہٰذا تم لوگ حضرت علی کے پاس جاؤ اور ان سے کہو وہ قاتلین عثمان کو میرے حوالہ کریں میں ان کے تابع ہو جاؤں گا۔

چنانچہ یہ لوگ حضرت علی کے پاس آئے اور ان سے اس معاملہ میں گفتگو کی مگر حضرت علی نے ان کو حضرت معاویہ کے حوالہ نہیں کیا،

مذکورہ عبارت اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر معاویہ کا ارادہ بغاوت اور جنگ کا نہیں تھا بلکہ مقصد قاتلین عثمان سے قصاص لینا تھا جیسا کہ امیر معاویہ نے قسم کھا کر فرمایا کہ اگر حضرت علی حضرت عثمان کے قاتلین کو میرے حوالہ کر دیں تو میں ان کی اتباع کرنے کے لیے تیار ہوں۔

مگر مذکورہ اختلاف اور اجتہادی نزاع کو قتل و قتال و خون ریزی تک پہنچانے میں منافقین کی سبائی جماعت کا بنیادی ہاتھ تھا۔ حضرت علی نظام خلافت کے استحکام کا انتظار کر رہے تھے اس لیے کہ موجودہ صورت میں قاتلین عثمان سے قصاص لینا نہ آسان تھا اور نہ مصلحت، حضرت علی کی فوج میں تقریباً دو ڈھائی ہزار وہ بلوائی شامل تھے جو حضرت عثمان کے محاصرہ میں شریک تھے۔

فریقین کا اختلاف شرعی اجتہاد اور نیک نیتی پر مبنی تھا جو فریق اجتہاد کے بعد جس نتیجہ پر پہنچا وہ اس کو حق سمجھتا تھا اور اس پر عمل نہ کرنے یا کوتاہی کرنے کی صورت میں خود کو گنہگار اور عند اللہ جواب دہ تصور کرتا تھا۔

جب امیر معاویہ کے پاس حضرت علی کی شہادت کی خبر پہنچی تو رونے لگے، اہلیہ نے کہا آپ زندگی میں تو ان سے لڑتے رہے اب روتے ہو؟ حضرت امیر معاویہ نے فرمایا تم نہیں جانتی کہ ان کی وفات سے کیسی فقہ اور کیسا علم رخصت ہو گیا (البدایہ والنہایہ ص ۱۲۹ ج ۸)

قیصر روم نے مسلمانوں کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا حضرت امیر معاویہ رض کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے قیصر کے نام ایک خط

لکھا کہ اگر تم نے ارادہ پورا کرنے کی ٹھان لی ہے تو میں قسم کھاتا ہوں کہ اپنے ساتھی (حضرت علی) سے صلح کروں گا اور پھر تمہارے خلاف ان کا جو لشکر روانہ ہوگا اس کے ہر دستہ میں شریک ہو کر قسطنطنیہ کو جلا کر کوئلہ بنا دوں گا اور تمہاری حکومت کو گاجر مولی کی طرح اکھاڑ پھینکوں گا۔

(بحوالہ مقام صحابہ)

شیعوں کا شرعی حکم

حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ نے فتاویٰ رشیدیہ ص۶۹ میں لکھا ہے کہ رافضی کے کفر میں علماء کا اختلاف ہے بعض کافر کہتے ہیں اور بعض فاسق پھر جو علماء کافر کہتے ہیں بعض نے ان کو اہل کتاب کا حکم دیا ہے بعض نے مرتد کا (خلاصہ مع تشریح) اختلاف تین وجوہ سے ہوا

(۱) شیعوں کا کوئی ایک فرقہ نہیں ہے بلکہ سینکڑوں فرقے ہیں اور ان کے مختلف عقائد ہیں ایسی صورت میں ان پر کوئی ایک حکم لگانا مشکل ہے جب تک کوئی فرقہ متعین نہ ہو ان کے مزعومات اور عقائد واضح نہ ہوں کوئی بات قطعیت کے ساتھ کہنا مشکل ہے۔

(۲) شیعہ عام طور پر اپنے عقائد چھپاتے ہیں کیوں کہ تقیہ ان کے نزدیک اصل اصول ہے بلکہ وہ جھوٹ بھی بولتے ہیں، حتیٰ کہ عقیدہ کا صریح انکار بھی کر دیتے ہیں، ان کے بڑے ایک بات لکھتے ہیں اور چھوٹے مانتے ہوئے بھی اقرار نہیں کرتے بلکہ انکار کر جاتے ہیں ایسی صورت میں ان کو پکڑنا مشکل ہوتا ہے

(۳) کفر کا مسئلہ نہایت سنگین ہے جب تک ایمان کا ادنیٰ احتمال بھی باقی رہے کفر کا حکم نہیں لگایا جاتا، جب کوئی صورت بھی باقی نہ رہے تب مجبوراً کفر کا حکم لگایا جاتا ہے، اسی وجہ سے کچھ علماء نے غایت احتیاط سے کام لے کر ان پر کفر کا حکم نہیں لگایا اور دوسرے حضرات نے ان کے صریح کفریات دیکھ کر ان کو کافر قرار دیا،

فقہ و فتاویٰ کی کتابوں میں بھی شیعوں کے تمام فرقوں پر یا کسی معین فرقہ پر مطلقاً حکم لگانے کے بجائے ان کے عقائد کو بنیاد بنا کر حکم لگایا ہے کہ جن شیعوں کے کفریہ عقائد ہیں وہ بلاشبہ کافر ہیں اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، اور جن کے عقائد و مزعومات کفر کی حد تک نہیں پہنچے ہیں وہ گمراہ ہیں اور اہل قبلہ ہیں،

وہ عقائد جو کفریہ ہیں وہ یہ ہیں :-

(۱) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت کا عقیدہ رکھنا کیوں کہ یہ عقیدہ نص صریح کے خلاف ہے
(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضہ کے صحابی ہونے کا انکار کرنا کیوں کہ یہ عقیدہ بھی نص صریح کے خلاف ہے
(۳) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خدا ہونے کا عقیدہ
(۴) یہ عقیدہ کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر حقیقت میں علی رضہ کے پاس تشریف لا رہے تھے مگر ان سے غلطی ہوگئی اور بھول کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دی اور انکو نبی بنا دیا۔
(۵) موجودہ قرآن کے کامل قرآن نہ ہونے کا عقیدہ اسی طرح اسکی کمی بیشی سے محفوظ نہ ہونے کا عقیدہ رکھنا۔
(۶) ختم نبوت کے ماثور مفہوم کا انکار کہ آنحضرت صلعم پر ہر قسم کی وحی تشریعی اور غیر تشریعی مکمل ہوگئی ہے اور آپ کے بعد وحی کا دروازہ بند ہوگیا ہے۔
(۷) چند صحابہ کے علاوہ تمام صحابہ کو کافر قرار دینا۔

مذکورہ بالا عقائد اور اسی قسم کے عقائد جو نصوص قطعیہ اور اجماع امت کے خلاف ہیں وہ صریح کفر ہیں جو شخص ان عقائد میں سے کوئی عقیدہ رکھتا ہے وہ کافر ہے، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، ذیل میں اس سلسلہ کی علماء کرام کی تصریحات پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) نعم لاشک فی تکفیر من قذف السیدۃ عائشۃ رضہ وانکر صحبۃ الصدیق اواعتقد الالوہیۃ فی علی او ان جبرئیل عم غلط فی الوحی اونحو ذالک من الکفر الصریح المخالف للقرآن

(شامی ص۲۶۰ ج۳ باب المرتد)

اس شخص کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے جس نے حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت لگائی اور ابوبکر صدیق کی صحابیت سے انکار کیا یا حضرت علی رضہ میں الوہیت کا اعتقاد رکھا یا وحی کے پہنچانے میں حضرت جبرئیل کی غلطی کا اعتقاد رکھا وغیر ذالک یہ کفر صریح مخالف قرآن ہے

(۲) فتاوی عالم گیری میں ہے۔

الرافضی اذا کان یسب الشیخین ویلعنہما العیاذ باللہ فہو کافر

یعنی رافضی جو شیخین کو برا کہتا ہو اور ان پر لعنت بھیجتا ہو (نعوذ باللہ) کافر ہے اور اگر برا نہ کہتا

وان کان یفضل علیا کرم اللہ وجهه علی ابی بکرؓ لایکون کافراً لکنه یبتدع ولو قذف عائشة بالزنا فقد کفر الخ (عالمگیری۔ ص۲۶۳ ج۲)

ہو مگر اس امر کا قائل ہو کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ پر علی رضؓ کو فضیلت حاصل ہے وہ کافر نہیں البتہ بدعتی ہے اور اگر عائشہؓ کی شان میں قذف کا مرتکب ہو وہ بھی کافر ہے۔

(۳) علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں

زعوانهم ارتدوا بعد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الا نفراً قلیلاً لا یبلغون بضعة عشر نفسا او انهم فسقوا عامتهم فهذا لا ریب ایضاً فی کفره لانه مکذب لما نصه فی غیر موضع من الرضی عنهم والثناء علیهم بل من یشك فی کفر مثل هذا فان کفره متعین (الصارم المسلول ص۵۸۶)

جو شخص گمان کرتا ہے کہ صحابہ کرام سوائے چند کے جن کی گنتی انیس تک نہیں پہنچتی سب مرتد ہو گئے تھے، سو ان کے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں ہے کیوں کہ ایسا کہنے والا قرآن کے اس حصہ کا مکذب ہے جس پر بہت سے مواقع میں لعن وارد ہوئی ہے اور صحابہ کرام کی تعریف کی گئی ہے بلکہ جو شخص ایسے کافروں کے کفر میں شک کرے اس کا کفر بھی اپنی جگہ طے پا چکا ہے۔

(۴) مفسر قرآن علامہ ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں

ومن هذه الآیه انتزع الامام مالک فی روایته عنه بتکفیر الروافض الذین یبغضون الصحابة رضؓ فهو کافر لهذه الایة (ابن کثیر ص۲۰۴ ج۲)

اور اس آیت سے ایک روایت کے مطابق امام مالکؒ نے ان رافضیوں کی تکفیر کا حکم نکالا ہے جو صحابہ سے بغض رکھتے ہیں کیوں کہ جو صحابہ سے دشمنی رکھے وہ اس آیت کی رو سے کافر ہے۔

(۵) امام ربانی مجدد الف ثانیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

الف۔ سبّ شیخین کفر است واحادیث صحیحه برآں دال است (رسالہ رد روافض ص۱۳)

یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کو برا کہنا کفر ہے اور صحیح احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں

(ب) شک نیست کہ شیخین از اکابر صحابہ اند بلکہ افضل ایشاں پس تکفیر بلکہ تنقیص ایشاں موجب کفر و زندقہ و ضلالت باشد (ص۱۵)

اس میں شک نہیں کہ شیخین اکابر صحابہ میں سے ہیں بلکہ ان میں افضل ہیں پس ان کی تکفیر بلکہ تنقیص بھی کفر و زندقہ و ضلالت ہے

(۶) قاضی ایاز مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

ونقطع بتکفیر کل قائل یتوسل الی تضلیل الامۃ وتکفیر جمیع الصحابہ۔ (ص۲۸۶ ج ۳)

اور ہم قطعی طور پر اس شخص کو کافر سمجھتے ہیں جو پوری امت کو گمراہی پر سمجھے اور صحابہ کی تکفیر کا قائل ہو۔

(۷) فخر المحدثین امام فخر الدین رازی تحریر فرماتے ہیں

ادعاء الروافض ان القرآن دخله الزيادة والنقصان والتغير والتحريف ذالك يبطل الاسلام (تفسير كبير)

روافض کا یہ کہنا ہے کہ قرآن کریم میں کمی بیشی ہوئی ہے اور تبدیل نے اس میں راہ پائی ہے ان کا یہ عقیدہ اسلام کو باطل کرتا ہے۔

شیعوں کے ساتھ معاشرتی معاملات

ہمارے ملک میں عام طور پر شیعوں کا فرقہ امامیہ یعنی اثنا عشریہ پایا جاتا ہے اس فرقہ کے معروف عقائد یہ ہیں۔

(۱) موجودہ قرآن پاک کامل نہیں ہے اس کا ایک بڑا حصہ امام غائب کے پاس ہے اور کمی بیشی سے محفوظ بھی نہیں ہے اس کی متعدد آیات میں صحابہ نے اور مسلمانوں نے تحریف کردی ہے

(۲) ان کے نزدیک وحی کا سلسلہ خاتم النبین پر ختم نہیں ہوا ہے بلکہ آپ کے بعد بھی ائمہ معصومین پر مسلسل وحی تشریعی اور غیر تشریعی آتی رہی ہے۔

(۳) ان کے نزدیک ائمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیاء کرام سے افضل ہیں

(۴) یہ فرقہ شیخین کے صحابی بلکہ مومن ہونے کا بھی منکر ہے۔

(۵) حضرت عائشہ صدیقہ کے بارے میں بدگمانی بھی کرتا ہے۔

(۶) شیخین کی بلکہ خلفاء ثلثہ کی خلافت کا منکر ہے اس کو غصب اور ظلم و عدوان قرار دیتا ہے
(۷) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرائض منصبی میں کوتاہی کرنے والا تصور کرتا ہے
پس مذکورہ بالا عقائد کے ساتھ اس فرقہ کے مسلمان ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس لیے ان کے ساتھ مناکحت یعنی ان کی لڑکی لینا یا دینا، اسی طرح ان کا ذبیحہ کھانا اور ان کے مردوں کی نماز جنازہ پڑھنا ان کے مردوں کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا یا ان کے ساتھ نشست و برخاست رکھنا اور الفت و مؤدت کا معاملہ کرنا سب حرام ہے۔

محبوب سبحانی قطب ربانی سیدنا عبدالقادر جیلانی رح نے غنیۃ الطالبین میں یہ روایت لکھی ہے۔

سیجیئ فی آخر الزمان قوم یبغضون اصحابی فلا تجالسوھم ولا تشاربوھم ولا تواکلوھم ولا تناکحوھم ولا تصلوا علیھم ولا تصلوا معھم

یعنی آخری زمانہ میں ایک قوم ہوگی جو میرے اصحاب کی تنقیص کرے گی پس تم ان کی مجلس میں نہ بیٹھو اور نہ ان کے ساتھ کھاؤ پیو اور نہ ان سے رشتہ داری کرو نہ ان کے جنازے کی نماز پڑھو اور نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو

دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ "روافض کا وہ فرقہ جو بسبب سب شیخین اور تکفیر صحابہ کافر ہے ان کی تجہیز و تکفین میں امداد کرنا اور ان کے جنازے کی نماز پڑھنا اور ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا درست نہیں ہے اور ان سے بالکل متارکت اور مقاطعت کی جائے تاکہ ان کو تنبیہ ہو اور درستی ہو جائیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۲۵ ج۵)

روافض اور عداوت اسلام روافض دراصل مذہب اسلام کے لیے مار آستین ہیں ان کی پوری تاریخ ہی اسلام کی بیخ کنی کے واقعات سے بھری ہوئی ہے چھٹی، ساتویں، آٹھویں صدی میں یہ لوگ صرف اسی لیے مسلمانوں سے الگ اور اسلام دشمن سمجھے جاتے تھے کہ بعض صحابہ کے سایہ میں مسلمانوں کی سیاسی شوکت کے دشمن تھے۔ اور جس طرح یہود و نصاریٰ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کا نظام

خلافت درہم برہم ہوجائے یہ لوگ صفوفِ اسلام میں ان کی بڑی امیدگاہ تھے اور یہ ہر وقت اس کوشش میں رہتے تھے کہ مسلمانوں کی تباہی میں کسی طرح کمی نہ کی جائے۔

خلافت بغداد کی تباہی میں خلیفہ معتصم باللہ (۶۵۶ھ) کے شیعہ وزیر مؤید الدین محمد ابن علی علقمی کا بنیادی ہاتھ تھا،

تاتاریوں کے اس حملے میں سولہ لاکھ مسلمان شہید ہوئے، مگر ابن علی علقمی کی انتقام کی کی آگ پھر بھی نہ بجھی اس کی تفصیل کے لیے تاریخ ابن خلدون ص۵۳۲ ج۳ اور تاریخ الاسلام اکبر نجیب آبادی دیکھیں۔

اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ جو لوگ کھلے بندوں کافروں کے ساتھ رہے ہیں اور قافلہ اسلام کے ہراول دستہ صحابہ کرام رضؓ کے خلاف دن رات بغض کا لاوا اگلتے رہتے ہیں اور مسلمانوں کی جب بھی کفار سے پنجہ آزمائی ہوئی وہ ان کے ساتھ مل گئے اور تاتاریوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی تاریخی تباہی ان ہی کے ہاتھوں عمل میں آئی ہے اور خلافت بغداد ان ہی کے عمل سے مٹی ہوئی پھر ان کے کفر والحاد اور اسلام دشمن ہونے میں کسی دانشمند کو کسی قسم کا شک وتردد ہوسکتا ہے؟

نہیں تو قرآن کی اس شہادت کو لےلیں اور پھر خود فیصلہ کریں کہ کیا ان کو مسلمان کہا جاسکتا ہے ومن یتولہم منکم فانہ منہم (پ۶ المائدہ رکوع ۸) اسلئے تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان دشمنان اسلام سے ہوشیار رہیں اور ان کے ساتھ معاشرتی روابط قائم کرکے اپنا دین وایمان خراب نہ کریں، اللہم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ آمین یارب العالمین و صلی اللہ علی النبی الکریم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

برحمتک یاارحم الراحمین

سہیل احمد قاسمی محلہ محل دیوبند

بابت سنہ ۱۴۱۶ھ

چھٹا محاضرۂ علمیہ

بر موضوع
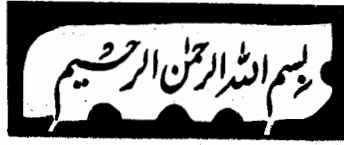
ردِّ شیعیت

پیش کردہ

جناب مولانا محمد جمال صاحب

استاذِ تفسیر دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیا خاتم النبیین وعلیٰ
آلہ واصحابہ والتابعین باحسان الیٰ یوم الدین۔

امابعد، پہلے پانچ محاضروں میں بالعموم یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ شیعوں کے ایسے عقائد کو کہ جن کا اسلامی عقائد سے کوئی واسطہ نہیں ہے خود ان ہی کی مستند اور معتبر کتابوں سے ثابت کیا جائے، اور اہل سنت والجماعۃ پر ہونے والے اعتراضات کا جواب دیا جائے، خلاصہ یہ کہ اقدامی طریقہ کے بجائے دفاعی طریقہ اختیار کیا گیا ہے، مگر اس بات کو شدت سے محسوس کیا گیا اقدامی طریقہ اختیار کیا جائے اور ایسے سوالات مرتب کئے جائیں جو خود ان کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہوں، اور جن کا جواب نفیاً بھی غلط ہو اور اثباتاً بھی۔

عام طور سے یہ دیکھا گیا ہے کہ شیعہ حضرات کی جانب سے ابتدائً سوالات کرکے مخاطب کو دفاعی پوزیشن ڈال کر جواب دہی کے لئے مجبور کر دیا جاتا ہے، اور خود جواب دہی کی زحمت سے بچ جاتے ہیں۔ اسی مقصد کے پیش نظر اس محاضرہ میں پچیس ۲۵ ایسے سوالات مرتب کئے گئے ہیں کہ جن کو پیش کر کے مخاطب کو دفاعی پوزیشن میں ڈالتے ہوئے جواب دہی کے لئے مجبور کیا جائے۔

شیعہ حضرات سے پچیس ۲۵ سوالات

سوال (۱) :- شیعہ عقیدہ کے مطابق خلفاء ثلثہ کا جہاد شرعی اور اسلامی جہاد نہیں تھا، بلکہ ظالمانہ خونریزی اور غارت گری تھی۔ اسلئے کہ جہاد ایک خالص اسلامی فریضہ ہے، جس کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہے اور یہ مقصد کافر سے ادا نہیں ہوسکتا، بقول امام باقر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چار صحابہ، حضرت علیؓ، حضرت مقدادؓ، حضرت سلمانؓ فارسی اور ابوذرؓ کے علاوہ تمام صحابہ مرتد ہوگئے تھے (۱) مذکورہ شیعی عقیدہ کے مطابق خلفاء ثلثہ کے زمانہ کی تمام کارروائیاں ناجائز تھیں اور ان میں حاصل ہونے والا تمام مال حرام و ناجائز تھا اور ان لڑائیوں میں شریک ہونے والے تمام صحابہ بشمول حضرت علیؓ ظالم اور جابر تھے اور جن حضرات نے مذکورہ مال غنیمت سے حصہ لیا وہ حرام اور ناجائز تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ایران فتح ہوا، اور ایرانی شہزادی شہربانو قید ہوکر مال غنیمت میں شامل ہوئیں۔ اور بقول شیعہ حضرات غارت گری کا مال جب تقسیم ہوا تو ایرانی شہزادی شہربانو حضرت حسینؓ کے حصہ میں آئیں اور ان سے حضرت حسینؓ کے صاحبزادے علی بن حسین معروف بزین العابدین جو کہ شیعوں کے چوتھے امام پیدا ہوئے، اب سوال یہ ہے کہ حرام مال سے حاصل کی ہوئی باندی کو مردانہ تصرف میں رکھنا کیسا ہے اور اس باندی کی اولاد کیسی ہوگی اور آئندہ نسل کا کیا حکم ہوگا ؟

سوال (۲) :- حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں بنو حنیفہ کے مرتدین سے جہاد کیا تھا، جس میں حضرت علیؓ بھی شریک تھے اور مال غنیمت میں خولہ نامی ایک باندی قید ہوکر آئی تھی بقول شیعہ حضرات اس غارت گری کے مال میں سے مذکورہ باندی حضرت علیؓ کے حصہ میں آئی تھی اور اس باندی سے حضرت علیؓ کے صاحبزادے محمد بن حنیفہ پیدا ہوئے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت علیؓ کا خولہ نامی باندی کو قبول کرنا اور مردانہ تصرف میں رکھنا جائز تھا یا نہیں۔ اگر جائز تھا تو اس کی کیا دلیل ہے اور اگر ناجائز تھا تو گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے حالانکہ معصوم سے گناہ کبیرہ کا ارتکاب محال ہے، اور

---

(۱) ترجمہ حیات القلوب حصہ دوم صـ۹۲۳ ملا باقر مجلسی بحوالہ الاجوبۃ الاربعین

حضرت علی شیعہ عقیدہ کے مطابق معصوم ہیں۔

سوال (۳): حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کافر یا مرتد تھے یا نہیں، اگر نہیں تھے تو ان پر تبرا کرنا اور لعنت بھیجنا کیسا ہے، بقول شیعہ حضرات شیخین پر لعنت بھیجنا نہ صرف جائز بلکہ صبح و شام لعنت بھیجنے سے ستر نیکیاں حاصل ہوتی ہیں جیسا اہل تشیع کی کتاب مفتاح الجنان میں لکھا ہے ان لعن الشیخین فی کل صباح و مساء موجب لسبعین حسنۃ (۱) اور اگر کافر یا مرتد تھے جیسا کہ شیعوں کی معتبر کتاب "رایات بینات" میں صحابہ کرام کے بارے میں لکھا ہے "ہر کہ در کفر آں شک کند کافر است" شیعہ حضرات کی دوسری مستند کتاب "حق الیقین" میں لکھا ہے چوتھے امام زین العابدین نے فرمایا ابوبکر و عمر دونوں کافر تھے جو ان کو دوست رکھے وہ بھی کافر ہے۔ صفحہ ۵۲۲ تو حضرت علی نے اپنے لخت جگر حضرت ام کلثوم کا جو کہ حضرت فاطمہ کے بطن سے تھیں حضرت عمر سے کیوں نکاح کیا؟ اور اگر حضرت عمر نے جبراً نکاح کر لیا تھا جیسا کہ بعض شیعہ کا خیال ہے تو حضرت علی نے مزاحمت کیوں نہیں کی جبکہ حضرت علی اشجع صحابہ تھے خاص طور پر حضرت عمر پر حضرت علی کو دیکھ کر لرزہ طاری ہو جاتا تھا، جیسا کہ شیعہ حضرات کی کتابوں میں مذکور ہے۔

سوال (۴):- شیعہ حضرات آپسی اختلاف کو عداوت اور دشمنی پر محمول کرتے ہیں حالانکہ اختلاف کے لئے عداوت اور دشمنی لازم نہیں ہے امام ابوحنیفہ سے صاحبین نے بہت سے مسائل میں اختلاف کیا ہے حالانکہ اس اختلاف کو کوئی دشمنی اور عداوت پر محمول نہیں کرتا۔ اگر بزعم شیعہ حضرات اختلاف کے لئے دشمنی اور عداوت لازم ہے تو بارہ اماموں نیز بعض اہل بیت کے درمیان بھی اختلاف تھا۔ صاحب فصول (۲) ابومخنف سے روایت کرتے ہیں۔ ان الحسین بن علی یبدا الکراھۃ لما فعلہ اخوہ الحسن من صلح معاویہ ویقول لو جز انفی کان احب الیّ مما فعلہ اخی۔

ترجمہ:- جب حضرت حسنؓ نے امیر معاویہؓ سے صلح کر لی تو حضرت حسینؓ اپنی سخت ناراضگی و ناگواری کا اظہار فرمایا، اور فرمایا کہ کاش اس صلح کے بجائے میری ناک کاٹ دی جاتی تو بہتر تھا

---

(۱) مفتاح الجنان بحوالہ مختصر تحفہ صفحہ ۲۸۵ (۲) بحوالہ اجوبۃ الاربعین
" تفسیر صافی صفحہ ۳۸۹

مگر اختلاف و مخالفت کے لئے بقول شیعہ حضرات عداوت و دشمنی لازم ہے جس کی وجہ سے اہل بیت سے اختلاف رکھنے والا ان کا دشمن ہے اور دشمنی اہل بیت سے موجب کفر ہے تو امام حسنؓ اور حسینؓ کے درمیان خلع خلافت کے مسئلہ میں شدید اختلاف تھا اور اختلاف کے لئے چونکہ بقول شیعہ حضرات عداوت و دشمنی لازم ہے لہٰذا امام حسنؓ و حسینؓ کے درمیان بھی دشمنی ثابت ہوئی جو کہ طرفین کے لئے موجب کفر ہے، لہٰذا جو توجیہ حسنین کے اختلاف کی ہوگی وہی توجیہ دیگر صحابہ کے اختلاف کی ہوگی۔

سوال (۵):۔ محمد بن حنفیہ جو کہ حضرت علی کے صاحبزادے ہیں اور شیعوں کے ایک فرقہ کے امام ہیں کے درمیان اور علی بن حسین معروف بزین العابدین جو کہ اثنا عشری شیعاؤں کے چوتھے امام ہیں کے درمیان امامت کے مسئلہ میں شدید اختلاف تھا۔ محمد بن حنیفیہ زین العابدین کی امامت کے منکر اور اپنی امامت کے مدعی تھے۔ امام حسینؓ کے حقیقی پوتے زید بن علی بن حسین کے اپنے حقیقی بھائی باقر بن علی بن حسین (جو کہ پانچویں امام ہیں) کے ساتھ مسئلہ امامت میں شدید اختلاف تھا حتیٰ کہ امام باقر کی امامت کے منکر تھے، زید بن علی نے اس مسئلہ میں ہشام بن حکم سے مناظرہ بھی کیا تھا اور آخر تک دعوئے امامت سے دست بردار نہیں ہوئے یہاں تک کہ لڑکر شہید ہوگئے۔ امام جعفر صادق کی اولاد بھی آپس میں برسر پیکار رہی، عبد اللہ بن افطح بن امام جعفر صادق اور ان کے بھائی اسحاق بن جعفر دونوں امامت کے دعویدار تھے اور آپس میں ایک دوسرے کی امامت کے منکر۔ گیارہویں امام حسن عسکری اور ان کے حقیقی بھائی جعفر بن علی کے درمیان شدید اختلاف تھا یہاں تک کہ تفسیق و تذلیل تک نوبت پہنچی، شیعہ حضرات بھی اس سے خوب واقف ہیں ان تمام حالات کے باوجود شیعہ حضرات ان بزرگان اہل بیت کو واجب التعظیم سمجھتے ہیں، اگر محض اختلاف و مخالفت سبب کفر ہے تو ان بزرگان اہل بیت کا کیا حکم ہوگا جن کے درمیان شدید اختلاف تھا۔

سوال (۶):۔ تاریخ الائمہ کی روایت کے مطابق پانچ اماموں کی وفات زہر خورانی سے ہوئی تھی، اب سوال یہ ہے کہ ائمہ مذکورین کو زہر کی آمیزش کا علم تھا یا نہیں اگر نہیں تھا تو شیعہ حضرات کا یہ عقیدہ کہ ائمہ کو ماکان و مایکون کا علم ہوتا ہے غلط ثابت ہوا، اور اگر زہر کی آمیزش کا علم تھا

مگر اس کے باوجود بھی کھایا تو خودکشی ہوئی جو کہ معصیت اور حرام ہے اور اس کا مرتکب فاسق و فاجر اور مخلد فی النار ہے، لہٰذا ائمہ کی معصومیت کا دعویٰ غلط ہوا، حالانکہ شیعہ حضرات کے عقیدہ کے مطابق امام کا معصوم ہونا ضروری ہے۔

سوال (۷):- اذان میں جو "اشہدان امیرالمومنین علیاً ولی اللہ" مذہب شیعہ میں زائد ہوا ہے اگر دعویٰ یہ ہے کہ ایسی اذان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے مروّج اور مروی ہے تو اس کی کیا سند ہے اور اگر بعد میں ایجاد ہوئی تو کس امام کے زمانہ میں ایجاد ہوئی؟

سوال (۸):- امام مہدی کے روپوش ہونے کی کیا وجہ تھی، اگر دشمن کے خوف سے روپوشی واجب تھی تو امام حسینؓ نے یزید کے مقابلہ میں روپوشی اختیار کیوں نہیں کی اور واجب نہیں تھی تو تبلیغ دین اور رہنمائی قوم جو کہ واجب تھی۔ اس کو ترک کر کے روپوشی کیوں اختیار کی؟

سوال (۹):- امام مہدی نے اگر روپوشی جان کے خوف سے اختیار کی تو بے معنیٰ تھی اسلئے کہ بقول شیعہ حضرات ائمہ کی موت ان کے اختیار میں ہوتی ہے اور اگر ایذا رجسمانی کے خوف سے روپوشی اختیار کی تو یہ اللہ کے راستہ میں تکلیف برداشت کرنے نیز جہاد جیسی عبادت سے فرار تھا۔

سوال (۱۰):- انبیاء اور ائمہ ہدایت خلق کے لئے ہوتے ہیں جب ائمہ نے تقیہ کے ذریعہ حق کو چھپایا تو حق ظاہر کرنے والا کون ہوا، اور شیعہ حضرات تک حق کیسے پہنچا اور جب ائمہ سے ہر مسئلہ میں دو زبانی ہوئی تو لوگوں نے حق کیسے پہچانا، زرارہ بن اعین جو کہ اصول کافی کے راویوں میں ایک اہم راوی ہیں، اور وہ روایت کرتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق سے ایک مسئلہ میں دریافت کیا انھوں نے مجھے جواب دیا اس کے بعد اسی نشست میں ایک دوسرا شخص آیا اس نے بھی وہی مسئلہ دریافت کیا جو میں نے کہا تھا تو امام صاحب نے اس جواب سے مختلف جواب دیا جو مجھے دیا تھا۔ پھر اسی مجلس میں ایک تیسرا شخص حاضر ہوا اور اتفاق سے وہی مسئلہ دریافت کیا جو میں نے کیا تھا اس مرتبہ امام صاحب نے پہلے دونوں جوابوں سے مختلف جواب دیا، جب یہ دونوں صاحب چلے گئے تو میں نے امام صاحب سے عرض کیا کہ اے رسول خدا کے فرزند عراق کے رہنے والے دو آدمی جو آپ کے شیعوں

میں سے نکلے آئے اور ان دونوں نے آپ سے ایک ہی مسئلہ دریافت کیا آپ نے دونوں کو مختلف جواب دیا یہ کیا بات ہوئی تو امام صاحب نے فرمایا اے زرارہ اسی میں ہماری تمہاری خیریت اور بقاء ہے۔

اب آپ خود ہی فیصلہ فرمالیں کہ ان تین جوابوں میں سے کون سا حق اور کونسا باطل ہے

سوال (۱۱):- شیعہ حضرات امام غائب کے مانند قرآن غائب کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں چنانچہ رسالہ نافع ص۲۱ مصنفہ محسن علی شاہ لکھا ہے کہ جناب امیر نے جو قرآن جمع کیا تھا وہ اسوقت شیعہ سنی دونوں کے پاس موجود نہیں ہے مگر ہے ضرور، کہیں بھی ہو۔

اصول کافی ص۶۱۷ وص۱۳۹ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی نے جو قرآن مرتب فرمایا تھا وہ موجودہ قرآن سے بالکل مختلف تھا. حضرت علی کی زندگی میں ان کے پاس رہا اور اس کے بعد ان کی اولاد میں سے ائمہ کے پاس رہا اور اب وہ امام غائب کے پاس ہے

اب سوال یہ ہے کہ جس قرآن کے آپ قائل ہیں اس کو تو امام غائب لیکر غائب ہو گئے جیساکہ مذکورہ بالا دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ اور موجودہ قرآن بقول شیعہ حضرات محرف اور ناقص ہے تو پھر آپ کے پاس کون سی کتاب ہدایت ہے جس سے آپ ہدایت حاصل کرتے ہیں۔

سوال (۱۲):- بقول شیعہ حضرات امام مہدی ۲۵۹ھ میں اصلی قرآن لیکر غائب ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے امام مہدی کی غیبوبت تک تقریباً ڈھائی سو سال کی طویل مدت تک اصلی قرآن کا صرف ایک ہی نسخہ کیوں تھا۔ جس کو امام مہدی لے کر غائب ہو گئے، امت مسلمہ کتاب ہدایت بلکہ اس کے دیدار سے بھی محروم ہو گئی۔

جب کہ مذکورہ مدت میں شیعہ مکتب فکر کی حکومتیں بھی قائم ہوئیں اور اہل تشیع کا بہت ممالک میں کافی فروغ بھی حاصل ہوا، خصوصاً حضرت علیؓ کا دور خلافت تو اصلی قرآن کی اشاعت کا نہایت سنہرہ موقع تھا. اس ڈھائی سال کی مدت میں اصلی قرآن کی اشاعت کیوں نہیں کی؟

سوال (۱۳):۔ بقول شیعہ حضرات صحابہ نے قرآن محرف کر دیا، سوال یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے قرآن کو کیوں محرف ہونے دیا۔ اور بزور شمشیر تحریف کو کیوں نہیں روکا، جبکہ صحابہ میں حضرت علی سب سے زیادہ بہادر تھے، جس کی وجہ سے آپ کو اسد اللہ کا لقب ملا تھا، زور آور اور طاقتور ہونے کے علاوہ بقول شیعہ حضرات جناب حضرت علی کے پاس اسم اعظم، انگشتری سلیمان، عصائے موسیٰ بھی تھے۔ اگر اسم اعظم کو پڑھ کر اور انگشتری کو پہن کر اور عصائے موسیٰ کو ہاتھ میں لے کر ذرا اشارہ کر دیتے تو قرآن میں تحریف کرنے والے دشمنان خدا و رسول آنِ واحد میں بھی بھسم ہو جاتے حضرت علی اپنی نظروں کے سامنے قرآن کو محرف اور برباد ہوتے ہوئے خاموش تماشائی بنے ہوئے دیکھتے رہے، حضرت علی تو حضرت علی ہیں ایک معمولی مسلمان جس کے اندر ذرہ برابر ایمانی حرارت ہو قرآن کو اس طرح برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتا، کم از کم اپنی خلافت کے زمانہ میں اصلی قرآن کی اشاعت فرما دیتے تا کہ شیعہ حضرات کو اصلی قرآن کی زیارت نصیب ہو جاتی

سوال (۱۴):۔ بروایت امام جعفر صادق تقیہ کا تارک ایسا گنہگار ہے، جیسا کہ نماز کا تارک (۱) تو امام حسین نے یزید کے مقابلہ میں تقیہ کیوں نہیں کیا حتیٰ کہ پوری جماعت کو شہید کرا دیا۔

سوال (۱۵):۔ حضرت علیؓ نے کوفہ کی جامع مسجد میں بر سر ممبر ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں شیخین کی بارہا تعریف فرمائی، یہاں تک کہ فرمایا کہ جو شخص مجھے شیخین کی فضیلت دے گا میں اس کو مفتری کے مانند کوڑوں کی سزا دوں گا۔ حضرت علیؓ نے یہ تقیہ مُردوں سے کیا تھا یا زندوں سے اگر زندوں سے کیا تھا تو اس کی کیا ضرورت تھی، اس لئے کہ کوفہ میں سب حضرت علی کے حمایتی اور عاشق تھے، اور اگر کوئی منافق ہو بھی تو اس سے کیا خوف اور اگر مُردوں سے خوف کی وجہ سے تقیہ کیا تھا تو یہ خلاف عقل ہے۔

سوال (۱۶):۔ بقول شیعہ حضرات حضرت علیؓ زندگی بھر تقیہ کرتے رہے اور بزعم خود مرتدا ور کافروں کے پیچھے نماز پڑھتے رہے کبھی ایک لفظ ان کی مخالفت میں نہیں بولے یہاں تک کہ اپنی خورد سال صاحبزادی ام کلثوم ایک کہنہ مشق مرتد و کافر حضرت عمر کو دیدی تھی کہ اپنے زمانہ

خلافت میں بھی تقیہ کا لباس زیب تن کئے رہے اور متعہ جیسی نفع بخش چیز جس کو حضرت عمر نے حرام کر دیا تھا حلال نہ کر سکے اور نہ ہی باغ فدک کو واپس لے سکے، تو بالفرض اگر شیخین کے زمانہ میں خلافت مل بھی جاتی تو کیا فائدہ ہوتا؟ اس وقت بھی لباس تقیہ ملبوس ہو کر وہی کرتے جو اپنی خلافت کے زمانہ میں کیا۔

سوال (۱۷) خلعت امامت جو کہ شیعی عقیدہ کے مطابق رسالت و نبوت کے مانند من جانب اللہ عطا کردہ ہوتی ہے، تو کیا رسول اور امام کے لئے جائز ہے کہ اپنی رسالت و امامت سے کسی کافر کے حق میں دست بردار ہو جائے اور خلعت امامت اس کے گلے میں ڈالدے اگر جائز نہیں ہے تو امام حسن نے خلعت امامت امیر معاویہ کو سپرد کر کے حرام کا ارتکاب کیوں کیا، حالانکہ شیعہ حضرات کے عقیدہ کے مطابق امام معصوم ہوتا ہے، اور اگر امام حسن کا امیر معاویہ سے صلح کر کے خلعت امامت سے دست بردار ہونا جائز تھا تو امام حسین رض نے جائز کام پر امام حسن کو کیوں برا کہا یہانتک کہ فرمایا کہ کاش اس صلح کی بجائے میری ناک کاٹ دی جاتی تو بہتر ہوتا (بحوالہ مذکورہ)

سوال (۱۸) :- ابن مطہر حلّی کی روایت کے مطابق ۱۸ ذی الحجہ سنہ ھ کو غدیر خم کے مقام پر صحابہ کے مجمع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا ”من کنت مولاہ فعلی مولاہ“ اور بقول شیعہ یہ حضرت علی کی خلافت کا اعلان عام تھا، تو پھر بروایت امام باقر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں حضرت عباس رض کو طلب فرما کر انصار و مہاجرین کے روبرو یہ کیوں فرمایا کہ اے عباس میں انتقال کرنے والا ہوں، لہذا تم میری خلافت قبول کر کے مجھے خلیفہ بنانے کے اہم کام سے سبکدوش کر دو۔ حضرت عباس نے فرمایا کہ خلافت کے لائق تو حضرت علی ہیں مجھ میں اس کے تحمل کی صلاحیت نہیں ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مرض الوفات سے تقریباً تین ماہ قبل بقول شیعہ حضرات غدیر خم کے مقام پر حضرت علی کو خلیفہ نامزد کر دیا تھا۔ اور انصار و مہاجرین کے مجمع میں اس کا اعلان بھی فرمایا تھا تو اب حضرت عباس کے خلیفہ بنانے کے کیا معنی، اور اگر بالفرض بنایا تھا تو حضرت عباس کو خلافت کی پیش کش کر کے حضرت علی کو عہدۂ خلافت سے معزول کر دیا۔

سوال (۱۹) :۔ اگر کوئی شیعہ کسی سنی سے صحیح بات بلاتقیہ کہنا چاہے تو کس طرح کہے چونکہ تقیہ کیلئے شیعوں کے یہاں کوئی شدید قید نہیں ہے، لہٰذا شیعہ کی ہر بات میں تقیہ کا احتمال ہے، اگر کوئی شیعہ مخاطب کو اپنی بات کا یقین دلانے اور باور کرانے کے لئے کہتا ہے کہ میں یہ بات بلاتقیہ کہہ رہا ہوں تو اس کی کیا دلیل ہے کہ بلاتقیہ میں تقیہ نہیں ہے۔

لہٰذا بیان فرمائیں کہ مخاطب کو بات کے بلاتقیہ ہونے کا یقین دلانے کی کیا صورت ہوگی۔

سوال (۲۰) :۔ حضرت ابوبکرؓ کی شان میں اللہ تعالیٰ نے "اذ قال لصاحبہ" فرمایا ہے، یعنی اللہ نے ابوبکر صدیق کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی فرمایا ہے تو شیعہ حضرات حضرت ابوبکر صدیق کو صحابی کیوں نہیں مانتے

سوال (۲۱) :۔ شیعہ حضرات ائمۂ اثنا عشر ۱۲ کے لئے عصمت ثابت کرتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ امام پیدائشی معصوم ہوتا ہے اور ثبوت میں آیت تطہیر "انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا" کو پیش کرتے ہیں، حالانکہ آیۂ تطہیر کی دلالت ثبوت عصمت پر نہیں ہے اس لئے کہ آیت میں اہل بیت کے نجاست سے پاک ہو جانے کی خبر نہیں دی گئی بلکہ ان امور پر عمل کرنے کی دعوت دی گئی ہے جن پر عمل کرنے سے طہارت حاصل ہوتی ہے، اگر اللہ تعالیٰ کو اہل بیت کے لئے اثبات طہارت مقصود ہوتی تو عبارت اس طرح ہوتی "اذھب اللہ عنکم الرجس وطھّرکم تطھیرا" کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو گندگی اور نجاست سے پاک کر دیا معلوم ہوا کہ آیت تطہیر کی دلالت اثبات عصمت پر نہیں ہے اس کے برخلاف آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بیت کو پاک صاف کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا ہے اور پاک صاف اسی چیز کو کیا جاتا ہے جو گندی اور ناپاک ہو اگر پہلے ہی سے پاک صاف ہو تو اس کو پاک کرنے کی کیا ضرورت یہ تو تحصیل حاصل ہے۔

سوال (۲۲) : شیعہ حضرات حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل ثابت کرنے کے لئے دعوت ذوالعشیرہ کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں (۱) اور اپنے دعوے کے لئے نص قطعی سمجھتے ہیں، روایت کے

---

(۱) دعوت ذوالعشیرہ کی تفصیل محاضرہ ع ۳ ص ۲۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے دعوت ذوالعشیر کے موقع پر چالیس[۴۰] افراد کے روبرو دعوت توحید پیش فرماتے ہوئے فرمایا تھا کہ جو شخص میری اس دعوت وتبلیغ کے معاملہ میں تعاون کریگا وہ میرا خلیفہ ہوگا اور آپ کی دلی خواہش تھی کہ تمام حاضرین اسلام قبول کرلیں، لہٰذا یہ عین ممکن تھا کہ تمام حاضرین یا اکثر ایمان قبول کرتے ہوئے آپ کا تعاون کرنے پر آمادہ ہوجائیں، اب سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں خلیفہ کون ہوتا۔ اگر سب خلیفہ ہوتے تو اجتماع خلفاء لازم آتا اور اگر ایک ہوتا تو ترجیح بلا مرجح لازم آتی۔

سوال(۲۳):۔ شیعہ حضرات کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرت علیؓ بلکہ تمام ائمہ من جانب اللہ امامت کیلئے نامزد ہیں حالانکہ روایت ذوالعشیر کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ خلافت کیلئے من جانب اللہ نامزد نہیں تھے بلکہ حاضرین میں سے وہ شخص خلافت کا مستحق تھا جو سبقت کرکے آپ کی دعوتِ توحید پر لبیک کہہ دیتا اور وہ کوئی بھی ہو سکتا تھا اور اگر حضرت علیؓ خلافت کیلئے نامزد تھے تو آپ کا دعوت کے موقع پر یہ فرمانا کہ جو شخص میرے اس دعوت وتبلیغ کے معاملہ میں تعاون کرے گا وہ میرا خلیفہ ہوگا بے معنیٰ بات تھی اور اگر خلافت کے لئے صرف اتنی بات کافی تھی کہ شہادتین کو قبول کرلے اور تعاون کرے تو یہ کام تو ساری امت نے کیا ہے اور بنی عبدالمطلب میں سے حضرت حمزہؓ، حضرت جعفرؓ، حضرت عبیدۃ ابن الحارث وغیرہ نے بھی شہادتین کو قبول کیا اور تعاون بھی کیا حالانکہ یہ حضرات خلیفہ نہیں ہوئے۔

سوال(۲۴):۔ حضرات شیعہ کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم تھی کہ علی رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین ہیں اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ کو آپؐ کے بعد خلیفہ نامزد کیا تھا، حالانکہ خود حدیث طائر جس کو شیعہ حضرات حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ آپؐ کو حضرت علی کا احب الناس ہونا معلوم نہیں تھا، اس لئے کہ آپؐ نے عام الفاظ کے ساتھ دعا فرمائی تھی وہ "اللّٰھم ائتنی باحب الخلق الیك والی یاکل معی ھذا الطیر فجاء علیؓ"

آپ نے فرمایا اللہ تو کسی ایسے شخص کو میرے ساتھ اس پرندہ کو کھانے کے لئے بھیج دے جو تیرے اور میرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہو، (فجاء علی) تو حضرت علی تشریف لائے

اگر آپؐ کو حضرت علیؓ کے بارے میں "احب الناس عند اللہ" ہونا معلوم ہوتا تو آپؐ دعا کے لئے عام الفاظ کے بجائے حضرت علی کا نام لیکر اس طرح فرماتے "اے اللہ تو حضرت علیؓ کو جو کہ تیرے اور میرے نزدیک احب الناس ہیں کھانے میں شریک ہونے کے لئے بھیج دے (حدیث طیر کی تفصیل کے لئے محاضرہ۴ صہ۱۱ ملاحظہ فرمائیں)

سوال(۲۵):- شیعہ حضرات کے نزدیک معتبر ترین کتاب نہج البلاغہ جو کہ ان کے نزدیک حضرت علیؓ کے اقوال کا مستند ترین مجموعہ ہے، میں مذکور ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے دوستوں سے فرمایا تھا "لاتکفوا عن مقالۃ بحق ومشورۃ بعدل فانی لست بفوق ان اخطئ ولا آمن من ذلک فی فعلی" یعنی تم حق بات کے لئے اور انصاف آمیز مشورہ دینے سے باز نہ رہو اسلئے کہ میں خطاء اور لغزش سے بالاتر نہیں ہوں اور نہ اپنے فعل میں خطاء سے مامون ہوں، ظاہر ہے کہ یہ الفاظ کسی معصوم کے نہیں ہو سکتے، اگر حضرت علیؓ کا فرمانا واقعہ کے مطابق اور سچ نہیں تھا تو کذب ہے، اور کاذب معصوم نہیں ہو سکتا، اور اگر واقعہ کے مطابق تھا تو حضرت علیؓ نے خود فرمایا کہ میں معصوم نہیں ہوں، بہر حال دونوں صورتوں میں عصمت معدوم ہے

اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ آمین یارب العالمین وصلی اللہ علی النبی الکریم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین برحمتک یاارحم الراحمین

صلوٰۃ اللہ علیہم" یعنی ائمہ کو جو کچھ ہوگا اور جو کچھ ہو چکا سب کا علم تھا کوئی شئی ان سے پوشیدہ نہیں تھی"۔ [1]

پانچ اماموں نے زہر کھا کر خودکشی کی؟

تاریخ ائمہ اور دیگر تاریخی کتابوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مندرجہ ذیل ائمہ کا انتقال زہر کھلانے کی وجہ سے ہوا۔

۱۔ امام حسن بن علی
۲۔ امام باقر۔
۳۔ امام جعفر صادق۔
۴۔ امام تقی۔
۵۔ امام نقی۔

بعض اماموں نے زہر کھا کر خودکشی کی

اب سوال یہ ہے کہ زہر کھانے والے مذکورہ ائمہ کو کھانے کے زہر آلود ہونے کا علم تھا یا نہیں اگر علم نہیں تھا بلکہ بے خبری اور لاعلمی میں کھالیا تو علم غیب کہاں رہا۔ اور اگر علم تھا تو دیدہ دانستہ زہر کھایا، یہ خودکشی ہوئی جو کہ حرام اور معصیت ہے۔ حالانکہ شیعہ عقیدہ کے مطابق امام معصوم ہوتا ہے اور معصوم سے معصیت کا سرزد ہونا محال ہے۔ لہٰذا ایسا شخص جو مرتکب گناہ کبیرہ ہو وہ امامت کے لائق نہیں رہتا۔ لہٰذا زہر کھانے کی وجہ سے نہ جان ہی بچی اور نہ عصمت و امامت۔

امامت کا عقیدہ رکھنے والا فاسق و فاجر بھی جنتی ہے

کلینی نے اپنی کتاب اصول کافی میں متعدد روایات کے ذریعہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آدمی کتنا ہی فاسق و فاجر ہو اگر وہ ائمہ اثنا عشر کا عقیدہ رکھتا ہے تو وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اپنی کتاب "السیف المسلول" کے صفحہ پر امامیہ کی کتابوں سے مندرجہ ذیل عبارت نقل کی ہے ملاحظہ ہو؛

"ہر کہ دوستی علی کند گرچہ معصیت خدا کند صغیرہ یا کبیرہ معذب نہ خواہد شد

---

[1] اصول کافی صفحہ ۱۶۰۔